فہرست مضامین سود مند

قواعدِ خریداری سود مند

(۱) یہ رسالہ بالعموم ۳۲ صفحات پر مہینہ میں ایک بار شائع ہوگا

(۲) قیمت سالانہ دو روپیہ ہے جو منیجر سود مند علی گڈھ کے پاس بھیجدی جائے یا وی پی بھیجنے کی ہدایت فرمائی جائے۔

(۳) نمونہ کا پرچہ بلا قیمت روانہ ہوگا

(۴) رسالہ کے لئے مضامین اڈیٹر سود مند علی گڑھ کے پاس ارسال فرمائے جائیں۔

(۵) اشتہارات کا نرخ مینیجر سے معلوم کیا جائے۔

رسالہ جوازِ سود معہ فتاویٰ

اس رسالہ میں مختصر طور پر سود کی حقیقت، ربا اور سود کا فرق اور تجارتی سود کے جواز کی صورتیں معہ علماء کرام کے فتووں کے دی گئی ہیں اور کفایت شعاری اور روپیہ جمع کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ جو صاحب ایک جلد منگانا چاہیں وہ ذیل کے پتہ پر آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیجدیں۔ ایک سے زیادہ جلدوں کی قیمت بحساب ایک آنہ فی جلد اور پانچ روپیہ فی سو جلد ہوگی۔

مینیجر سود مند علی

سُودمند

یکم جون ۱۹۲۵ء

جلد ۱ نمبر ۱

رسالہ سودمند کا خیر مقدم

از عالیجناب منشی محمد عبداللہ صاحب مشتاق علیگڑھ نیلی چھتری

مژدہ باد اے مصلحان قوم آیا سودمند
خیر و برکت، سود اور بہبود لایا سودمند

کن مرادوں کن امنگوں اور کس کس چاؤ سے
تو نے اپنا چہرۂ زیبا دکھایا سودمند

تیری آمد ہو مبارک، تیرا مقدم ہو بخیر
قوم پر ہو ابرِ رحمت تیرا سایا سودمند

مات تیری چال سے یارانِ شاطر پائیں گے
ایسے رخ پر تو نے یہ نقشہ جمایا سودمند

سب دلدر دور ہو جائیں گے ناداروں کے اب
کیمیا کا تو نے وہ لٹکا بتایا سودمند

کھل کھلا کر گلشنِ امید میں کلیاں کھلیں
وہ نسیم دلکشا ہمراہ لایا سودمند

سود در سود اس طرح پیچھے پڑا تھا جان کے
تو نے اُس خونخوار موذی سے بچایا سودمند

الاماں وہ شرحِ سود اور سود در سود الحفیظ
تو نے ان دونوں کے چنگل سے چھڑایا سودمند

اب پچک جائیں گی توندیں سودخواروں کی تمام
تو نے ایسا تیز تر مسہل پلایا سودمند

حبذا تیرا ارادہ، مرحبا تیرا خیال
واہ وا اسمِ بامسمیٰ نام پایا سودمند

ہم نے ناپا ہم نے تولا، ہم نے جانچا ٹھیک ٹھیک
ٹھیک نکلا ٹھیک اترا ٹھیک پایا سودمند

جس کی اے مشتاق آنکھیں دیر سے مشتاق تھیں
چشم بد دور آج دیکھو وہ یہ آیا سودمند

سود مند جاری کرنے کی وجہ

میں چالیس سال سے مسلمانوں کی قومی ترقی کی تحریکات کو دیکھ رہا ہوں بچپن میں سنتا تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے چونکہ سلطنت نکل گئی اس لئے وہ برباد ہو رہے ہیں۔ انھوں نے چونکہ اہل یورپ کے علوم وفنون سیکھنے کی طرف توجہ نہیں کی اس لئے وہ سرکاری عہدوں سے خارج ہو رہے ہیں۔ اس کا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ مسلمان انگریزی زبان اور جدید علوم حاصل کریں چنانچہ انھوں نے اس طرف توجہ کی اور انگریزی پڑھ کر ایسے ایسے بڑے عہدوں پر پہنچے کہ جن کا چالیس سال قبل تصور بھی نہ ہو سکتا تھا۔ باوجود اس کے یہ سب کو محسوس ہو رہا ہی کہ وہ روز بروز قعر ذلت میں گرتے چلے جا رہے ہیں اور اب یہاں تک نوبت پہونچ گئی ہی کہ قومی جسم کے اعضا علٰحدہ ہو ہو کر دیگر مذاہب میں جذب ہوتے جاتے ہیں۔ اور تعلیم جس کو جملہ امراض کے لئے اکسیر سمجھ رکھا تھا اب وہ بھی بوجہ گرانی کے اُن کی دسترس سے باہر ہوئی جاتی ہی۔

اب رہی صنعت وحرفت اور تجارت ان میں مسلمانوں کی تعداد کم نہیں ہی مگر بوجہ اس کے کہ وہ دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کا روپیہ استعمال کرتے ہیں اُن کی محنت کے پھل کا گودا روپیہ والوں کے ہاتھوں میں جاتا ہی اور اُن کے پاس صرف چھلکا بچتا ہی جس کی وجہ سے وہ بے اطمینانی کی زندگی بسر کرتے ہیں زندگی کے معمولی واقعات مسلمان پیشہ وروں کے لیے سخت حادثات ثابت ہوتے ہیں اور چند روزہ بیماری یا بیکاری اُنھیں گداگری کے درجہ پر پہونچا دیتی ہی۔ حیرت انگیز امر یہ ہی کہ مسلمانوں میں جو لوگ صاحب جائداد اور زمیندار ہیں اُن کے تنزل کی رفتار سب جماعتوں سے زیادہ ہی۔ مگر سب سے بڑھ کر جس امر نے مجھے متاثر کیا وہ یہ ہی کہ مسلمانوں میں باوجود تعلیمی اشاعت کے لئے کانفرنسیں اور جلسے منعقد کرنے کے تعلیمی تنزل مسلسل جاری ہی اور باوجود اصلاحِ تمدن اور کفایت شعاری کی انجمنیں قایم کرنے اور علماء کرام کے پند ونصائح کے اسراف وافلاس میں اضافہ ہی اور دیگر اقوام میں باوجودیکہ ابھی چند سال پیشتر تک تبلیغی اور تنظیمی انجمنیں اور سبھائیں برائے نام تھیں تاہم اُن کا درجہ تعلیم وتموّل اور کفایت شعاری میں مسلمانوں کی نسبت سے بہت بڑھا ہوا ہی۔

عرصۂ دراز کے غور وخوض کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس زمانہ میں ایک جدید چیز سرمایہ کے نام سے پیدا ہو گئی جو اس وقت دنیا میں سب سے بڑی قوت ہی۔ سرمایہ کا انحصار تجارتی سود پر ہی جو اگرچہ ربوٰا سے بالکل مختلف ہی تاہم مسلمان ربوٰا سمجھ کر اُس سے بچتے ہیں۔ مگر کلیتاً اُس سے بچا رہنا انسانی امکان سے باہر ہی اس لئے سود لینے سے تو بچتے اور بچ سکتے ہیں مگر دینے سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ نتیجہ یہ کہ وہ ہر شعبۂ زندگی سے خارج

ہوا ہے کہ :-

جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی بربادی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ تجارتی سود لینے سے بچتے ہیں تو اس مسئلہ میں میں نے تحقیقات شروع کی۔ علمائے کرام سے رجوع کیا۔ کتابیں پڑھیں، پرانے اخبارات کے فائل دیکھے جس سے مجھے یہ پتہ چلا کہ اس وقت سے سو برس پہلے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے غیر مسلموں سے نہ صرف تجارتی سود بلکہ ربوا لینے کا فتوے دیا۔ اس کے بعد مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی نے سرکاری پرامیسری نوٹوں کا سود لینے کے جواز کا فتوے دیا۔ پھر ۱۸۸۰ء کے قریب مولوی محمد حسن صاحب متوطن بھیرہ ضلع جہلم نے اپنی کتاب "دفع الربا فی حقیقۃ الربا" میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۰ پر تحریر ہے کہ

"مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری علیہ الرحمۃ کی کتاب تقریع الجنات میں ہندوستان میں غیر مسلموں سے سود لینے کے جواز پر لاہور، فیروزپور، ڈیرہ اسمٰعیل خاں، رامپور، بہاولپور، مکہ مکرمہ وغیرہ کے افتخار فاضلان اسلام کے مواہیر ثبت ہیں۔"

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ ایک زمانہ میں یہ بحث اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اس پر اکثر علماء کے فتوے ہو گئے۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں مولوی انشاء اللہ خاں صاحب نے اخبار وطن میں اس بحث کو چھیڑ کر جملہ مضامین ایک رسالہ کی شکل میں شائع کئے اور اس کا نام "مسئلہ سود اور تجارت قومی" رکھا اور مولوی محمد بشیر الدین صاحب نے البشیر میں مضامین کا ایک سلسلہ نکالا جس میں ثابت کیا کہ بمبئی، کلکتہ اور رنگون کے مسلمان تاجر غیر مسلم ساہوکاروں کا روپیہ استعمال کرتے ہیں۔ اصلی نفع سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جاتا ہے اور مسلمان مثل مزدوروں کے کام کرتے ہیں۔

ان واقعات سے میں نے نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کو مختلف اوقات میں اس مسئلہ کی اہمیت کا احساس ہوتا رہا۔ علمائے کرام کے فتوے ہوئے کچھ دنوں اس کا چرچا رہا۔ پھر لوگ اسے بھول بھال گئے اور چونکہ عملی طور پر کبھی یہ کام جاری نہیں ہوا اس لئے مسلمان برابر گرتے چلے گئے۔ اس حالت سے متاثر ہو کر میں نے سنہ ۱۹۲۰ء میں خدا کے نام پر اس مسئلہ کی تبلیغ شروع کر دی اور متعدد کتابیں کثیر تعداد میں شائع کیں جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل
(۲) سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان
(۳) جواز سود
(۴) مسلمانوں کی مالی اصلاح
(۵) جواز سود معہ فتاویٰ

اسی کے ساتھ اخبارات میں مضامین کا ایک سلسلہ جاری کیا اور میں نہایت شکرگزار ہوں قومی اخبارات کا کہ انھوں نے اس مسئلہ کی اشاعت میں بے حد مدد کی اور انھیں کی بدولت لاکھوں مسلمانوں تک یہ آواز پہونچی اور نہ صرف ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں بلکہ جزائر بحر ہند، افریقہ اور امریکا اور چین کے ان مقامات میں جہاں اسلامی اخبارات جاتے ہیں، اس مضمون کا چرچا ہوگیا اور رسالہ جات سود کی طلبی میں ہزاروں خطوط کی آمد کا سلسلہ قایم ہوگیا۔ اور نہ صرف خطوط کی آمد پر یہ کام محدود رہا بلکہ مختلف مقامات میں مسلمانوں میں روپیہ کا کاروبار جاری ہونے لگا چنانچہ علاوہ انجمہائے امداد باہمی قایم ہونے کے لاہور میں وسیع پیمانہ پر کرسنٹ بنک قائم ہو رہا ہے جس کا سرمایہ پچاس لاکھ قرار پایا ہے۔ اور لاہور کے مسلم بنک کا سرمایہ ڈھائی لاکھ سے دس لاکھ تک بڑھایا جا رہا ہے۔ اب اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مختلف مقامات میں افلاس سے نکلنے کے جو طریقے اختیار کئے جائیں اُن سے ہر مقام کے مسلمانوں کو آگاہی اور رہنمائی ہو اس کے لئے عام طور پر تقاضا ہوا کہ ایک موقت الشیوع رسالہ جاری کیا جائے۔ مسئلہ سود کی اشاعت کا کام جہاں تک میرے امکان میں تھا میں ذاتی طور پر کرتا رہا مگر اب وہ منزل آگئی کہ مسلمانوں کو سرمایہ داروں کی غلامی سے آزادی دلانے کا کام زیادہ وسیع پیمانہ پر کیا جائے۔ خوش قسمتی سے چند اصحاب کی ایک کمیٹی اس امر پر آمادہ ہوگئی کہ وہ مسلمانوں کی یہ بڑی ضرورت پوری کرے چنانچہ اس کی طرف سے رسالہ "سود مند" جاری کیا جارہا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کا اجرار روپیہ پیدا کرنے کے لئے نہیں کیا جاتا بلکہ غرض اصلی یہی ہے کہ قوم کو اپنی مالی حالت درست کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ چند سال میں جب قوم میں ان امور کا چرچا ہو جائے گا۔ اور زیادہ قابل اصحاب اور قوم کے اعلےٰ پایہ کے اخبارات اس کام کو اپنے قابل ہاتھوں میں لے لیں گے تب اس رسالہ کا کام ختم ہوجائے گا پس اُن بزرگوں اور اہل قلم اصحاب اور ایڈیٹران اخبارات اور علمائے کرام کی خدمت میں جن کے قبضہ میں قوم کی باگ ہے عرض ہے کہ وہ اس اہم مسئلہ کو جلد سے جلد اپنے قابل ہاتھوں میں لیں اور اپنے اپنے زیر اثر مسلمانوں کو کفایت شعاری اور روپیہ بچانے اور بڑھانے کے طریقوں سے آگاہ کر کے قوم کے اعلیٰ و ادنےٰ افراد کو حقیقی معنوں میں افراد کاسبہ بنائیں جس سے مجموعی طور پر کل قوم ایک عزت کی زندگی بسر کرنے کے قابل بن جائے۔

طفیل احمد

عُلمائے کرام کی خدمت میں عرضداشت

مسئلہ سود کے بارہ میں متفقہ فتوے کی ضرورت

چوں کہ میں سالہا سال سے مسئلہ سود کے متعلق مضامین اور رسائل شائع کر رہا ہوں مجھ سے سوال ہوسکتا ہی کہ اب آسے علماء کرام کی خدمت میں پیش کرنے کا کیا موقعہ ہی اس لئے میں اس امر کو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب سے میرے ذہن میں مسئلہ سود کی تحقیق اور اُس کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا میں فرداً فرداً اپنی قوم کے مذہبی پیشواؤں کی خدمت میں حاضر ہوا اور صدہا رسائل مطبوعہ سوالات استفتے ان کی خدمت میں بھیجے اور اُن کی ہمدردی حاصل کی اور جو کچھ کیا وہ علماء کرام کے انفرادی فتووں کی بنا پر کیا۔ مگر مسلمانوں میں روپیہ کے کاروبار کو وسیع پیمانہ پر کرنے کے لئے اُس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ علماء کرام کا ایک متفقہ فتوٰی حاصل ہو جس کا اثر قوم پر معتدبہ پڑے۔ اس غرض سے میں سالانہ جلسہ جمعیت العلماء ہند مراد آباد اور جلسہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حاضر ہوا اور جناب ناظم صاحب جلسہ اہل سنت و جماعت مراد آباد کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ مجھے جلسہ میں مسئلہ سود پیش کرنے کا موقع ملے مگر چونکہ اس قسم کے جلسوں میں ایک یا چند اصحاب کو کامل اختیارات نہیں ہوتے بلکہ بعض مسائل کی نوعیت ایسی ہوتی ہی کہ مسلمانوں کے عام جذبات کے خلاف ہونے کی وجہ سے کثرت رائے سے فیصلہ بھی صادر نہیں کیا جاسکتا اس لئے مجھے مذکورہ بالا جلسوں میں عرض کرنے کا وقت نہ دیا جاسکا۔ اب جب کہ مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء نے اس امر کو منظور فرمایا ہی کہ موصوف کی وساطت سے بذریعہ تحریر کے علماء جمعیۃ کی خدمت میں عرض کروں میں اپنے معروضات کو طبع کرا کر جمعیۃ مذکور اور جملہ دیگر علماء ہند کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

البتہ اس سلسلہ میں اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس وقت قوم کے مریض جسم میں جس خلط کی معتدبہ کمی ہی وہ سرمایہ ہی۔ قوم اس وقت اُس منزل میں ہی کہ اُسے کوئی تحریک بجز اقتصادی حالت کی

رقی کی تحریک سے ہرگز نہیں بھاگ سکتی۔ اور موجودہ کشمکش کے زمانہ میں قوم کی جس چیز کی طرف طبعاً راغب ہے وہ
رف ذرائع معاش اور زندگی کے دن پورے کرنے کے وسائل ہیں۔ اس لیے میں صاف طور پر عرض
روں گا کہ ہمارے مذہبی پیشوایان دین جو ہدایت کرنے کے سب سے زیادہ اہل ہیں۔ اگر مذہب کے
تحت میں قوم کی اس بارہ میں رہنمائی کریں تو کوئی تحریک اس سے زیادہ مقبول اور حقیقی معنوں میں قوم کے
حق میں مفید ثابت نہ ہوگی۔ جو خطوط ہزاروں کی تعداد میں اکناف ہند اور ملحقہ جزائر سے آتے ہیں ان
سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام قوم اقتصادی تحریک کی بھوکی اور اس کی منتظر بیٹھی ہے۔ پس قوم کے قابل
ذی علم اور قدرتی رہنماؤں کے لئے بہترین موقع ہے کہ وہ اس میدان میں قدم رکھیں اور حسب ضرورت
مسلمانوں کی رہبری کر کے انھیں اس ملک میں اور نہ صرف اس ملک میں بلکہ دنیا میں رہنے کے قابل بنائیں
میں تو بار بار عرض کر چکا ہوں کہ میں اس کام کی تبلیغ اس وقت تک کر رہا ہوں جب تک کہ اس کام کے اہل اور
قابل اصحاب اس کی طرف توجہ کریں اور اپنے کام کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بطریق احسن انجام دیں اس قدر تمہید
کے بعد اصل مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

۱۔ ذرائع معاش | مسلمانوں کا افلاس ایک ایسا مسلّم امر ہے کہ اس کے متعلق زیادہ تفصیل سے عرض کرنے کی
ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ تاہم اختصار کے ساتھ اس قدر ضرور کہوں گا کہ اس ملک میں مسلمانوں کے ذرائع
معاش بالخصوص دو تھے یعنی ملازمت اور زمینداری اور ان دونوں کا انحصار زیادہ تر تقرب سلطانی
پر تھا۔ جب اس ملک میں مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت نکلی اور ملازمت کے لئے انگریزی تعلیم کی شرط ہوگئی
اس وقت سے مسلمان بڑے عہدوں سے خارج ہونے لگے چنانچہ اب ملازمت میں مسلمانوں کی جو نسبت
ہے اس کی تفصیل سے ہمارے قومی اخبارات کے کالم آج کل پر ہوتے ہیں اور اس وقت اس کی وضاحت
کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

۲۔ زمینداری | مسلمانوں کا دوسرا مخصوص پیشہ زمینداری تھا۔ مسلمان سب سے اول صوبہ سندھ کی طرف سے
اس ملک میں داخل ہوئے۔ وہاں مسلمانوں کی مردم شماری اب تک پچھتر فی صدی کے قریب ہے اور ملکیت
اراضی کے اعتبار سے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ عرصہ دراز تک مسلمانوں کا صوبہ سندھ میں کوئی سہیم و شریک نہ تھا
مگر گزشتہ دسمبر کی ۱ تاریخ کے ایک تعلیمی جلسہ میں جو حیدرآباد سندھ میں منعقد ہوا اس صوبہ کے ایک معزز
رکن جناب خان بہادر شاہ نواز خاں صاحب ممبر لیجسلیٹو کونسل نے فرمایا کہ مسلمانوں کی چالیس فی صدی زمینداری
قرضہ میں جا چکی چالیس فیصدی اس وقت زیر بار قرضہ مکفول اور رہن ہے اور صرف بیس فیصدی باقی ہے
صوبہ سندھ کے برابر مضبوط اور وسیع پیمانہ پر مسلمانوں کی زمینداری تمام ہندوستان میں کہیں نہ تھی۔

سبب وہاں اس حد تک نوبت پہنچ گئی تو دوسرے مقامات میں مسلمانوں کی حالت ظاہر ہے ۔ چنانچہ اس وقت کوئی صوبہ ایسا نہیں جہاں مسلمانوں کی زمینداریاں سرعت کے ساتھ تلف نہ ہو رہی ہوں ۔ جن اصحاب کو اس میں شبہ ہو وہ مہینہ کی بیس تاریخ کو کسی کسی کچہری میں جاکر دیکھ لیں کہ قرضہ کی علت میں کس قوم کے افراد کی جائدادوں کے نیلام بولے جاتے ہیں ۔ بندوبست کی رپورٹوں کو ملاحظہ فرمالیں کہ ہر تیس سال کے بعد کس قوم کی جائدادیں دیگر اقوام کے قبضہ میں کس مقدار میں پہنچ جاتی ہیں ۔ ان کی تفصیلات طوالت کے اندیشہ سے ترک کرتا ہوں ۔

۳ ۔ شرح سود کی آزادی اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی عملداری میں جس قدر قوانین نافذ ہوئے ان میں مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ مضر قانون سود کا ثابت ہوا ۔ یورپ اور انگلستان میں صدیوں کے تجربے سے معلوم ہوا تھا کہ سود کو روکنے اور اس پر قانونی بندشیں لگانے سے شرح سود زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے انگلستان نے رفتہ رفتہ ایسے قانون کو قطعاً منسوخ کر دیا جس سے کثرت کے ساتھ روپیہ صنعت و حرفت اور کاروبار میں لگا اور شرح سود گر کر چار آنہ اور تین آنہ سینکڑہ ماہوار تک پہنچ گئی اور ملک کی دولت میں بے اندازہ ترقی ہوئی ۔ اس تجربہ کو کامیاب دیکھ کر انگریزوں نے ۱۸۵۵ء میں ہندوستان میں بھی شرح سود محدود کرنے کا قانون منسوخ کر دیا ۔ اس تبدیلی نے بقول شخصے داد و ستد کرنے والی قوموں کو سونے کی کانوں پر پہونچا دیا اور مسلمانوں کو جو روپیہ کے کاروبار میں شریک نہیں ہوئے تھوڑے عرصہ میں افلاس کی خندق میں گرا کر انھیں تباہ و برباد کر دیا ۔

۴ ۔ قانون انتقال اراضی اس حالت کو دیکھ کر حکام وقت کو اندیشہ ہوا کہ بالخصوص مسلمان زمیندار اور بالعموم دیگر اقوام کے زمیندار ننگے بھوکے ہو جانے پر ملک میں فساد اور بلوے کریں گے اس لئے انھوں نے ایسے قوانین تجویز کئے جن سے مسلمانوں کی زمینداریاں قایم رہیں ۔ اس کے لئے مختلف صوبوں میں مختلف قوانین جاری کئے گئے جن کی تفصیل میں طوالت ہوگی مثلاً دکن میں شرح سود گھٹانے کا قانون پاس کیا گیا ۔ صوبہ سندھ میں مقروض زمینداروں کی جائدادوں کا سرکاری طور پر انتظام کر کے قرضہ کی ادائگی کی سبیل کی گئی ۔ پنجاب میں قانون انتقال اراضی پاس کیا گیا مگر ان قوانین سے اصلی مرض کا اب تک کوئی کارگر علاج نہ ہو سکا ۔ قانون انتقال اراضی کی رو سے اراضی صرف ان اقوام کے نام منتقل ہو سکتی ہے جو زراعت پیشہ ہیں ۔ اس سے جائدادوں کا انتقال ویشوں یعنی بنیوں کے نام بند ہو گیا ۔ مگر ان اقوام کے حق میں انتقال کا سلسلہ برابر جاری ہے جو زمینداری اور کاشتکاری پیشہ ہونے کے ساتھ روپیہ کی داد و ستد کا کام کرتے ہیں ۔ اس لئے اب مسلمانوں کی جائدادیں بجائے ویشوں کے جاٹوں، گوجروں اور سکھوں کے نام منتقل ہوتی ہیں ۔

۔ قرض نہ لینے کا عہد بیکار ہے

بعض اصحاب کے دلوں میں یہ خیال گزرے گا کہ اگر مسلمان زمیندار عہد کریں کہ وہ کبھی قرض نہ لیں گے اور سادہ زندگی بسر کریں گے تو اُن کی جائدادیں محفوظ ہو سکتی یں ۔ ممکن ہے کہ اس عہد کو پورا کرنے میں سو مسلمان زمینداروں میں سے دو چار کامیاب ہو جائیں مگر موجودہ حالت بں یہ ناممکن ہے کہ مسلمان زمینداروں کی جماعت سود کی داد ستد سے بچ کر زمیندار باقی رہ سکے ۔ اس مسئلہ لی نسبت ۱۸۹۶ء میں شمالی سندھ کے چند اضلاع میں تحقیقات کرائی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو زمیندار برباد ہو رہے ہیں اُن میں اُنسٹھ فیصدی ایسے ہیں جو باوجود مسرف نہ ہونے کے مقروض ہیں ۔ اس حالت کو کو دیکھ کر مسٹر لائل نے جو ڈیرہ اسمعیل خاں میں ڈپٹی کمشنر تھے مسلمانوں کی نسبت یہ پیشین گوئی کی تھی کہ وہ رفتہ رفتہ محض کاشتکار رہ جائینگے اور اس حالت پر پہونچ جائیں گے کہ نہ اُن کے پاس جائداد رہے گی جسے مکفول کر کے قرض لیں اور نہ جائداد سے محروم ہونے کا انھیں کوئی کھٹکا باقی رہے گا ۔ اسی طرح ضلع مظفر نگر کی رپورٹ بندوبست میں تحریر ہے کہ "گزشتہ تیس سال میں ویشیوں کی جائداد پونے دو (۱ ۳/۴) لاکھ ایکڑ سے بڑھ کر ڈھائی (۲ ۱/۲) لاکھ ایکڑ ہوگئی مگر سیّدوں کی جائداد ایک لاکھ ستاسی ہزار ایکڑ سے گھٹ کر ایک لاکھ ۹۴ ہزار ایکڑ رہ گئی ۔ سادات کی نسبت رپورٹ مذکور میں تحریر ہے کہ وہ سب سے زیادہ جانسٹھ کی تحصیل میں ہیں وہ نہایت مسرف ہیں اور انھیں اپنے اخراجات کو اپنی حالت کے مطابق رکھنے کا قطعاً اندازہ نہیں ۔ اُن کا تنزل اس قدر سرعت کے ساتھ جاری ہے کہ جیسے کوئی شخص پہاڑ سے اُتر رہا ہو اور اگر یہ رفتار اسی طرح جاری رہی تو وہ بہت جلد مالکان اراضی کے زمرہ سے خارج ہو جائیں گے مگر جانسٹھ کا خاندانِ سادات جو نہایت اہمیت رکھتا ہے دیگر سادات سے مستثنیٰ ہے ۔ یہ خاندان داد ستد کے ذریعہ سے سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے"۔

اس رپورٹ سے ظاہر ہے کہ عام طور پر سادات کا تنزل تیزی سے جاری ہے مگر اُن میں سے صرف وہ سادات جائدادیں بڑھا رہے ہیں جو مثل دیگر اقوام کے داد ستد سے پرہیز نہیں کرتے ۔

۶۔ ترمیم قانون سود کا امکان نہیں

ہندوستان کے جدید دور میں جب سے کہ رعایا کو قانون سازی میں دخل ہوا مسلمانوں کے بعض افراد سود کے قانون میں عرصہ دراز سے ترمیمات پیش کر رہے ہیں مگر چونکہ کونسلوں میں مسلمانوں کی تعداد کم اور دیگر اقوام کی جو موجودہ قانون سود کو اپنے لئے مفید سمجھتے ہیں تعداد زیادہ ہے اس لئے بہ اسباب ظاہر موجودہ قوانین باقی اور قائم رہیں گے جو انجام کار مسلمانوں کی زمینداریوں کو ختم کر دیں گے ۔

۷۔ کاشتکاری اور انجمن ہائے امداد باہمی

زمینداری کے بعد کاشتکاری ذریعہ معاش ہے مگر یہ

ان لوگوں کے لئے جو روپیہ پیدا کرنا اور اُسے بڑھانا جانتے ہیں نہ کہ وہ لوگ جو قرضداری کی وجہ سے زمینداریاں کھو چکے۔ بالخصوص کاشتکاروں اور بالعموم ادنیٰ زمینداروں کو قرضداری اور سود کی بلا سے نجات دینے کے لئے اس ملک میں انجمن ہائے امداد باہمی کا سلسلہ جاری ہوا ہے جس نے بہت کچھ فائدہ پہونچایا ہے۔ چنانچہ پنجاب میں گزشتہ دس سال میں انجمن ہائے امداد باہمی کے اجرا کی وجہ سے داد و ستد کرنے والوں کی تعداد بقدر دس فیصدی کے کم ہوگئی مگر افسوس کہ مسلمان بوجہ اس کے کہ انجمن ہائے امداد باہمی میں کم شرح کا سود یا تجارتی سود لینا اور دینا پڑتا ہے، پوری طرح اس سلسلہ سے متمتع نہیں ہو سکتے۔ ان انجمنوں کی وجہ سے دیگر اقوام کا زراعت پیشہ طبقہ اپنی ادنیٰ حالت سے بڑھ کر یکسانیت کے ساتھ اُبھر رہا ہے۔ پس جب کہ ایک طرف ملک کے کاروبار پر سرمایہ داروں کا تسلط ہے۔ دوسری طرف انجمن ہائے امداد باہمی کے ذریعہ ملک کا ادنیٰ طبقہ بلند ہو رہا ہے۔ مسلمان اگر دونوں سلسلوں میں سے کسی میں بھی شامل نہ ہو سکے تو اندیشہ ہے کہ ان کے لئے ان دیہات میں بھی رہنے کی جگہ نہ رہے گی جہاں ثانی الذکر تحریک کی وجہ سے دیگر اقوام کی اقتصادی حالت بہتر اور تمدنی سطح بلند تر ہو رہی ہے۔

۸۔ **تجارت و صنعت** زمینداری اور کاشتکاری کے بعد تجارت اور صنعت کا نمبر آتا ہے۔ ان پیشوں میں بھی صدیوں سے مسلمانوں کا حصہ رہا ہے مگر جب سے دنیا میں سرمایہ کا دَور دَورہ ہوا ہے اور سرمایہ کا انحصار تجارتی سود کی داد و ستد پر ہو گیا ہے یہ پیشے یا تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے اور جو کچھ ہیں ان کا اصلی نفع ان سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جاتا ہے جن سے قرضہ لے کر مسلمان اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔

پنجاب میں نسبتاً مسلمانوں کی حالت اچھی سمجھی جاتی ہے۔ وہاں کے لوگ زندہ دل کہے جاتے ہیں وہاں کے قومی جلسوں میں ہزاروں اور لاکھوں روپیہ نقد جمع ہو جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ خوش حال ہیں مگر وہ زندہ دل اور خوش حال دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہیں نہ کہ اپنے صوبہ کے ابنائے وطن کے مقابلہ میں۔ میں نے انجمن حمایت الاسلام لاہور کے گزشتہ سالانہ جلسہ میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت کا خاکہ پیش کیا تھا جس میں دکھایا تھا کہ محنت کر کے مال تیار کرنے میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے مگر مسلمانوں کی محنت سے نفع اٹھانے والے دیگر اقوام کے لوگ ہیں۔

۹۔ **مسلمانان پنجاب کے اعداد** پنجاب میں مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام کے مساوی بلکہ قدرے زیادہ ہے۔ وہاں کپڑا بننے والے مسلمان دیگر اقوام سے دو گنے ہیں مگر کپڑا بیچ کر اس سے اصلی نفع اٹھانے والے مسلمان نصف ہیں۔ آہنگروں یعنی ہتوڑا چلانے والوں میں مسلمان دو گنے سے زیادہ مگر لوہے کے دوکانداروں میں دیگر اقوام کے مقابلہ میں آٹھویں حصہ سے بھی کم ہیں۔ تیل نکالنے والوں میں مسلمان اٹھ

مگر تیل کی تجارت میں ایک ثلث سے کم ہیں۔

۱۰۔ صنعت | مسلمانوں کو جب سب طرف سے دھکے ملتے ہیں تو وہ صنعت کی طرف توجہ کرتے ہیں حالاں کہ اب بھی کاریگروں میں ان کی تعداد کم نہیں بلکہ زیادہ ہی مثلاً صوبہ متحدہ میں مسلمانوں کی مردم شماری صرف چودہ فیصدی ہی مگر مسلمان کاریگر چالیس فیصدی یعنی اپنی تعداد سے تین گونے ہیں اسی طرح پنجاب میں شیخوں اور کھتریوں کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ باوجودیکہ شیخ تعداد میں کھتریوں سے کم ہیں تاہم کاریگروں میں دوگنے مگر کارخانوں کے مالک ہونے کے اعتبار سے پانچویں حصّے سے بھی کم ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہی کہ سرمایہ مسلمانوں کے پاس نہیں جس سے وہ کارخانے کھولیں اور جب کارخانے نہیں کھول سکتے تو صنعت وحرفت کے کام اختیار کرکے بجز اس کے کہ تمام عمر ہاتھ پاؤں کی مشقت میں مثل بے زبان مویشیوں کے گزار دیں اور کوئی صورت نہیں۔

اس وقت ہندوستان میں جو صنعت بہتر سے بہتر ہی اس میں مسلمانوں کا نمایاں حصّہ ہی کشمیر میں کپڑے اور لکڑی اور چینی کا جو اعلیٰ درجہ کا کام ہوتا ہی اور جس کی شہرت یورپ تک ہی وہ سب مسلمانوں کا کام ہے مگر حالت یہ ہی کہ وہاں مسلمان کاریگر مثل کولھو کے بیل کے کام کرکے سدا مفلس اور قلاش رہتے ہیں جس کا رونا روزانہ اخبارات میں رویا جاتا ہی اور اُن کی محنت ومشقت اور عرق ریزی کے پھل دیگر اقوام کے لوگ کھاتے ہیں یہی حال بنارس، دہلی، علی گڑھ اور مرادآباد بلکہ تمام ہندوستان کے مسلمان کاریگروں کا ہے کہ وہ محنت کرتے کرتے ختم ہوئے جاتے ہیں اگر چند روز کے لئے بیکار یا بیمار ہوجاتے ہیں تو بھیک مانگنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

۱۱۔ تجارت | میں نے تجارت کا جو مختصر خاکہ پیش کیا تھا اُس سے ظاہر ہوگا کہ مسلمانوں کی تعداد اس میں کم ہے تاہم میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس قدر تعداد بھی تجارت میں مسلمانوں کی نظر آتی ہی وہ محض برائے نام ہی۔ برائے نام اس لئے ہی کہ مسلمان دوکاندار بھی بالعموم غیر اقوام کے سرمایہ داروں کا روپیہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ امر مسلّم ہے کہ مال منگانے میں انھیں تجارتی شرح کا سود دینا پڑتا ہی اور وہ دے سکتے نہیں۔ بلٹی چھڑانے میں وہ سرمایہ داروں سے مدد لیتے ہیں جس کا انھیں قدم قدم پر سود دینا پڑتا ہی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اُن کے منافع کا بڑا حصّہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جاتا ہی۔

۱۲۔ سود سے بچنے کا مجوزہ علاج | اس کا علاج بعض اصحاب یہ تجویز کرتے ہیں کہ مسلمان تجارت میں سودی قرضہ نہ لیں مگر اس زمانہ میں تجارت کے طریقے اس قسم کے ہوگئے ہیں کہ سود سے بچنا ناممکنات سے ہی بلکہ آج کل تو سخت اندیشہ اس امر کا ہی کہ اگر دیگر اقوام کی کوٹھیاں اور بینک وقت پر مسلمانوں

لو سودی قرضہ دینا بند کر دیں تو مسلمانوں کا رہا سہا کام بھی ختم ہو جائے چنانچہ جب سے ہندو مسلم تنازعات شروع ہوئے یہ شکایت اکثر جگہ سنی جاتی ہے کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو روپیہ دینا بند کر دیا جس سے مسلمانوں کا کاروبار بگڑ گیا اور اب تو پنجاب کے ہندو اخبارات میں علانیہ لکھا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو روپیہ دینا بند کر دیا جائے۔ اس وقت لاکھوں مسلمان دوکان داروں اور کاریگروں کی زندگی کا انحصار اس پر ہے کہ وہ قرض لے کر جو کچھ کماتے ہیں اس کا ایک حصہ مہاجن کو دیدیتے ہیں اور باقی ماندہ سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ اس لئے مسلمان آج کل اس مصیبت میں مبتلا ہیں کہ ایک طرف تو وہ سودی قرضہ لے کر برباد ہو رہے ہیں اور دوسری طرف اگر انھیں سودی قرضہ ملنا بند ہو جاتا ہے تو انھیں زندگی کے دن بھی پورے کرنے مشکل ہو جاتے ہیں۔

۱۳ - اسلامی ریاستوں میں سود کی ڈگری بعض اصحاب کے دلوں میں ممکن ہے کہ یہ خیال گزرے کہ انگریزی قوانین اس قسم کے ہیں کہ مسلمان سود دینے پر مجبور ہیں اس لئے یہاں کے مسلمانوں کی مالی حالت کمزور ہوتی جاتی ہے مگر یہ ایک حیرت انگیز امر ہے کہ اسلامی ریاستوں میں مسلمانوں کو یہاں سے بھی زیادہ مجبوری ہے مثلاً بھوپال میں مستاجروں کا فرض ہے کہ وہ کاشتکاروں کے لئے بیج اور کھاد اور مویشی فراہم کریں وہاں کا دستور یہ ہے کہ بیج کے لیے مستاجر اپنے کاشتکاروں کو جس قدر غلہ دیتا ہے فصل پر اس سے سوایا پانے کا مستحق ہوتا ہے جس کو سوائن کہتے ہیں اور سب کو عدالت سے اس سوائن کی ڈگری مل سکتی ہے مگر خاص بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو سوائن کی ڈگری نہیں مل سکتی۔ اسی طرح وہاں غیر مسلموں کو بارہ آنہ سیکڑہ تک سود کی ڈگریاں مل سکتی ہیں مگر مسلمانوں کو نہیں مل سکتی ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ غیر مسلم مسلمانوں سے سود وصول کر سکتے ہیں مگر مسلمان غیر مسلموں سے وصول نہیں کر سکتے اگر مسلمانوں کے مذہب میں سود کا لین اور دین دونوں ممنوع ہیں تو چاہئے یہ تھا کہ مسلمان اور ہندو دونوں کو نہ سود دینا پڑتا نہ لینا۔ لیکن وہاں مسلمان سے تو جبریہ سود دلایا جاتا ہے مگر اُسے حق نہیں کہ وہ غیر مسلم سے سود وصول کر سکے۔ یہی حالت حیدرآباد اور دیگر اسلامی ریاستوں میں ہے کہ وہاں مسلمانوں پر تو سود کی ڈگریاں ہوتی ہیں اور اُن کے گھر بار سود میں نیلام ہوتے ہیں مگر مسلمان نہ سود کی ڈگری پا سکتے ہیں نہ سود میں کسی کی جائداد نیلام کرا سکتے ہیں۔ مسلمان ان باتوں کو معمولی سمجھتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ مسلسل سود دینے کا مرض انسان کے لئے تپ دق کا حکم رکھتا ہے جو ہر دم قومی جسم کو گھلا گھلا کر اُسے فنا کرتا رہتا ہے۔

۱۴ - گداگری ممکن ہے کہ بعض اصحاب کے دلوں میں یہ خیال گزرے کہ قوم زندہ رہے یا فنا ہو ہمارا دین و ایمان سلامت رہنا چاہئے۔ اے کاش! ہمارا دین و ایمان محفوظ و سلامت ہوتا تب بھی غنیمت تھا مگر اب تو وہ خطرہ

میں ہو کیوں کہ افلاس کی وجہ سے مسلمان ایسے حیا سوز پیشے اختیار کرنے پر مجبور ہیں جن سے اخلاق پست اور مذہبی روح فنا ہوئی جاتی ہو مثلاً صوبہ متحدہ میں اپنی نسبتی مردم شماری کے اعتبار سے مسلمان گداگروں کی تعداد تین گونی اور قرموں اور کسبیوں کی تعداد سات گونی ہو ان سب سے زیادہ شرمناک امر یہ ہو کہ پنجاب میں جاتے جھینور ۔ کمہار اور جولاہوں میں سے جن میں کچھ ہندو کچھ سکھ اور کچھ مسلمان ہیں مسلمانوں میں سے تو ان کی ایک خاص تعداد گداگر اور کنچن ہے مگر ہندوں اور سکھوں میں مندرجہ بالا ذاتوں کے لوگ برائے نام گداگر اور کنچن ہیں ایک وہ زمانہ تھا جب کہ مذہب اسلام اختیار کرنے سے انسانوں کے اخلاق بلند ہوتے تھے اور اب وہ وقت ہو کہ اس کے خلاف ہو رہا ہو اور صدہا مسلمان غیر اقوام کے شکار بن رہے ہیں۔

(۵) تعلیم میں انحطاط | بالآخر اب مسئلہ یہ ہو کہ اس پستی سے نکلنے کا کوئی علاج ہو بھی یا سراسر مایوسی ہی مایوسی ہو اس وقت پچاس سال قبل جو علاج تجویز کیا گیا وہ حصول علم تھا چنانچہ علوم جدیدہ اور علوم قدیمہ کی تحصیل اور قوم میں اُن کی ترویج کا تجربہ عرصہ سے کیا جا رہا ہو اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ علم ہی کے ذریعہ سے مذہبی اخلاقی اور دماغی ترقی کا امکان ہو مگر اب مشکل یہ آن کر واقع ہوئی ہو کہ اس زمانہ میں علم بھی بغیر سرمایہ کی مدد کے حاصل نہیں ہو سکتا اور سرمایہ کی چوں کہ مسلمانوں میں قلت ہو اس لئے علم کے دروازے بھی اُن پر بند ہوئے جاتے ہیں۔ تعلیمی رپورٹوں سے جن کی تفصیل میں یہاں طوالت ہوگی معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی مدارس میں مسلمان طلبہ کی جو نسبت ہو وہ اعلیٰ جماعتوں میں جن میں اخراجات زیادہ ہیں بتدریج کم ہوتی جاتی ہے اسی طرح علوم قدیمہ کے مدارس کی جو مالی مشکلات ہیں وہ بھی ظاہر ہیں کہ باوجود چندہ کی مسلسل اپیلوں کے عربی مدارس کے اخراجات کے لئے کافی نہیں ملتا اور جو ملتا ہے وہ بوجہ اس کے کہ بینک میں رکھ کر اُس کا سُود نہیں لیا جا سکتا چند روز میں ختم ہو جاتا ہو۔ تعلیم کے علاوہ صنعت وحرفت اور تجارت کو بھی ذریعہ ترقی سمجھا جاتا ہے جن کی نسبت تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہو کہ بغیر سرمایہ کے وہ چل نہیں سکتیں اور سرمایہ بغیر روپیہ کا کرایہ لئے نہ پیدا ہوتا ہے اور نہ قایم رہ سکتا ہو اب ایک آخری چیز جو تمام قوم و ملک کے پیش نظر ہو وہ اس ملک کی سیاسی آزادی یعنی سوراج ہو۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ سیاسی آزادی سے بڑھ کر کسی قوم کے لئے دنیا میں کوئی نعمت نہیں ہو سکتی مگر مسلمانوں کے لئے غور طلب امر یہ ہو کہ اس ملک میں رعایا کو حکمرانی کے جو حقوق ملنے والے ہیں مسلمان اُن سے مستفید ہونے کے لئے کہاں تک تیار ہیں مسلمانوں کو سب سے اول یہ سوچنا چاہیئے کہ جہاں اُن کی خالص قومی سلطنت ہزار سال سے تھی وہاں ان کا زوال کیسے ہوا اور اب قومی اور ملکی سلطنت کے قیام و استحکام کے لئے کیا اُمور ضروری ہیں۔ میری جہاں تک محدود واقفیت ہو۔ سلطنت کی بقا کے لئے اس زمانہ میں سرمایہ شرط لازمی ہو۔

۱۶ - زمانہ حال میں ملک داری کا طریقہ زمانہ سابق میں افراد جس طرح ناگہانی ضرورتوں کے لئے پس انداز روپیہ زمین میں دفن کرکے رکھتے تھے اسی طرح سلطنتیں اپنے خزانوں میں بے شمار روپیہ محفوظ رکھتی تھیں تاکہ فوج کشی یا کسی بیرونی حملہ کی مدافعت کے وقت وہ کام آئے ۔ مگر جب سے روپیہ کو نفع آور کاموں میں لگانے کا طریقہ جاری ہوا تب سے اہل یورپ نے روپیہ کو بیکار پڑا رکھنے کا سلسلہ مسدود کردیا اور سرکاری خزانوں میں سے روپیہ نکال کر ملک کے نفع کے کاموں میں لگانا شروع کردیا اور یہ طرز عمل قرار دیا کہ جب سلطنت کو روپیہ کی ضرورت ہو تو افراد قوم سے معین منافع پر قرض لے کر ملک کی ترقی کے کاموں میں یا فوج کشی میں صرف کیا جائے اور پھر اس کو رفتہ رفتہ ادا کردیا جائے ۔ اس طریقہ کے اجراء سے افراد قوم کو یہ نفع ہوا کہ جب اُن کے روپیہ پر بھروسہ کے ساتھ منافع ملنے لگا تو اُنھیں پس انداز کرنے کی رغبت اور کفایت شعاری کی عادت ہوگئی اور ملک کو یہ نفع ہوا کہ کروروں اور اربوں روپیہ جو سرکاری خزانوں یا افراد قوم کے گھروں میں مدفون اور بیکار پڑا رہتا تھا وہ کارآمد اور نفع آور کاموں میں لگنے لگا جس سے اہل ملک کی انفرادی اور اجتماعی ترقی کی کوئی حد و انتہا نہ رہی ۔

مگر اس جدید طریقہ کے اختیار کرنے سے جس نسبت سے یورپ کی سلطنتوں کو نفع ہوا اسی نسبت سے اسلامی حکومتوں کو جنھوں نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا نقصان ہوا مثلاً یہ کہ اسلامی سلطنتوں کو جب قرضے کی ضرورت ہوتی تو بوجہ اس کے کہ افراد قوم معین منافع پر سلطنت کو قرض دینا ناجائز سمجھتے تھے سلطنت بجائے اپنی رعایا اور اپنی قوم سے قرضہ لینے کے دیگر اقوام سے قرضہ لینے پر مجبور ہوتی تھی ۔ اس سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ قرضہ پر جو کچھ منافع ہوتا وہ غیر ممالک کو جاتا جس سے ملک روز بروز مفلس ہوتا گیا افراد قوم کے لئے کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے وہ پس انداز روپیہ کو معین منافع پر لگا کر اپنا سرمایہ بڑھاتے اور اس شوق میں کفایت شعاری سیکھتے ۔ ملک میں اس قسم کے سامان نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ افراد قوم مسرف اور انجام کار مفلس ہوگئے اور سلطنت دیگر اقوام کی مقروض اور دست نگر ہوگئی حتیٰ کہ قرضہ کے معاوضہ میں دیگر اقوام نے یا تو اسلامی سلطنتوں کو رہن رکھ لیا یا اندرون ملک میں اپنی قوم اور اپنی تجارت کے لئے ایسے ایسے حقوق حاصل کرلئے جن سے عملاً نظام سلطنت اُن کے ہاتھوں میں چلا گیا اور مسلمان برائے نام بادشاہ رہ گئے چنانچہ فرداً فرداً ہر اسلامی سلطنت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں غیر اقوام کے پنجہ میں گرفتار ہے اور محض مالی کمزوری کی وجہ سے غیروں کے قبضہ میں چلی گئی ہے اور مسلمانوں کی تمام شجاعت و جواں مردی، جرأت و ہمت، دلیری اور اولوالعزمی سب رکھی رہ گئیں ۔

۱۷ - مسلمان ملک کی ترقی میں حارج ہیں پس جب کہ خالص مسلمانوں کی سلطنتیں سرمایہ کی قلت سے

ں کے ہاتھوں سے نکل گئیں اور نکل رہی ہیں یہ توقع کرنا بعید از قیاس ہے کہ ہندوستان میں جہاں تعداد میں مسلمانوں
چہارم حصہ اور اعلیٰ تعلیم اور دولت تمول میں اس سے بھی قلیل حصہ ہے حصول سوراج میں وہ ممد ہو سکیں گے
مد ہونا تو بڑی بات ہے میں تو مسلمانوں کو ملک کی ترقی میں حارج اور مانع سمجھتا ہوں۔ مثلاً ملک کا سرمایہ
حقیقی معنوں میں وہ ہے جو ریل، تار، نہر، صنعتی اور تجارتی کاموں میں لگا ہو جس سے ملک کی
تمدنی سطح بلند ہو۔ موجودہ حالت میں دیگر اقوام ہند کا روپیہ زیادہ تر بجائے نفع آور کاموں میں لگنے
کے مسلمانوں کو سودی قرضہ دینے اور اُن سے جائدادیں حاصل کرنے میں صرف ہو رہا ہے اور چونکہ
مسلمان ہر دم روپیہ ملنے کے خواہشمند رہتے ہیں اس لئے یہاں شرح سود بھی گراں رہتی ہے۔ اس وقت
مسلمان اگر اپنا پیدا کیا ہوا روپیہ معین اور غیر معین منافع پر تجارت اور کارخانوں میں لگانے لگیں تو ہمارے
برادران وطن کا روپیہ بھی بجائے مسلمانوں کی بربادی پر صرف ہونے کے ملک کے حقیقی نفع کے
کاموں میں لگنا شروع ہو جائے جس سے شرح سود یقینی طور پر گھٹے اور ملک سے ربوا اسی طرح کم
ہو جائے جس طرح کہ یورپ اور امریکا سے کم ہو گیا۔ جب مسلمان ملک کا سرمایہ اور دولت بڑھانے میں
حسب رسد شریک ہوں گے اور ہندوستان کی ریلوں، نہروں اور کارخانوں کو دیگر ممالک کے سرمایہ سے
مستغنی کر دیں گے تب اس ملک کے حقیقی سوراج کا وقت ہوگا۔ موجودہ حالت میں جب ملکی ترقی کے
لئے قرضہ کا اعلان ہوتا ہے تو یورپ کے مہاجن پانچ اور چھ فیصدی کی شرح سود پر ہندوستان کی اربوں
روپیہ کے تمسکات آناً فاناً خرید لیتے ہیں محض اس لئے کہ ہندوستان کے سرمایہ داروں کو تو بے کھٹکے اپنے روپیہ
پر بارہ اور چوبیس فیصدی بلکہ اس سے زیادہ تک مسلمانوں سے ملتا ہے انہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ کم سود کے
تمسکات خریدیں۔ روس کے بالشویک مدتوں تک سرمایہ سے لڑتے رہے مگر جب تمام ملک فاقہ کشی سے
مرنے لگا تو انجام کار یورپ کے سرمایہ داروں کی خوشامد کر کے اپنے ملک میں اُن کا سرمایہ لگانے پر مجبور
ہوئے یہی حالت ہمارے ملک کی ہے کہ ملک کی ترقی کے کاموں کا انحصار تو بیرونی سرمایہ پر ہے اور ہم خواب
دیکھتے ہیں سوراج کا، گویا جھونپڑوں میں رہ کر محلوں کے خیالی پلاؤ پکاتے ہیں۔ حالانکہ حقیقی سوراج
کی بنیاد اُس روز پڑے گی جب ملک کا سرمایہ بڑھانے میں مسلمان بھی زور لگا کر ملک کی شرح سود اس قدر
گرا دیں گے کہ یہاں کا روپیہ بھی دیگر ممالک کے روپیہ کا مقابلہ کرنے لگے مگر ابھی وہ وقت بہت دور ہے
جب کہ مسلمان ملک کی ترقی میں واقعی طور پر حصہ لے سکیں۔ اس وقت تو سب سے اہم مسئلہ مسلمانوں کی بقا کا ہے
جس کا انحصار محض مسئلہ سود کے طے ہونے پر ہے اور بس۔

۱۸۔ سود کا مسئلہ غیر منفصل رہا ہے سود کے مسئلہ میں سب سے زیادہ غور طلب امر یہ ہے کہ اُس کی

حرمت کی نسبت شرعی احکام قطعی ہیں یا اس کی حلت کا بھی کوئی پہلو نکل سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت روایت ہے کہ انہیں اس بات کا افسوس رہا کہ آنحضرت صلعم انتقال فرما گئے اور اُن سے ربوا کے معنی نہ پوچھے گئے ربوا کے معنی نہ پوچھ سکنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حرمت ربوا کی آیت نازل ہونے کے بعد آں حضرت صلعم صرف نو روز زندہ رہے۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ یہ مسئلہ ابتدا سے غیر منفصل رہا ہے۔ آخر زمانہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر غیر مسلموں سے سود لینے کے جواز کا فتویٰ دیا۔ تاہم مسلمان من حیث القوم سود لینے سے بچتے رہے صرف اس خیال سے کہ جس امر کا جواز مشتبہ ہو اس سے بچنا بہتر ہے اور بچنا اس نیت سے تھا کہ مسلمان خواہ دنیاوی اعتبار سے کیسے ہی برباد کیوں نہ ہو جائیں مگر سود لینے کے گناہ سے بچے رہیں۔

۱۹۔ سود سے بچنا محال ہے | دنیا کے ابتدائی دور میں سودی قرضہ زیادہ تر ضرورت مندی کی وجہ سے لیا جاتا تھا مگر اس زمانہ میں روپیہ قرض لے کر نفع آور کاموں میں لگایا جاتا ہے جس کی وجہ سے تمام کاروبار و تجارت اور صنعت و حرفت کا انحصار سودی قرضہ کے لین دین پر ہو گیا ہے اس لئے اگر سود لینے سے نہیں تو سود دینے سے بچنا انسان کے لئے تقریباً محال ہو گیا ہے۔ بالخصوص اُن جماعتوں کا تو سود دینے سے بچے رہنا ناممکن ہے جو سود نہیں لیتیں اور چونکہ مسلمان سود لینے سے بچے رہے اس لئے وہ من حیث القوم دنیا میں سب سے زیادہ زیر بار قرضہ اور سب سے بڑھ کر سود کے دینے والے ہیں جس کی وجہ سے دنیوی بربادی کے ساتھ وہ سود کے گناہ میں بھی سب سے زیادہ ملوث رہتے ہیں۔

۲۰۔ سود میں منفعت کا پہلو غالب ہو گیا | دنیا میں ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں، مفید اور مضر حتیٰ کہ شراب اور جوئے جیسی ناپاک چیزوں میں نفع کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور موجود ہے جس کی نسبت باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (سورہ بقر ع ۲۷)

مگر مضرت کے غلبہ کی وجہ سے شراب کا پینا بجز اُس صورت کے کہ طبیب حاذق اُس کا حکم دے حرام ہے اسی طرح سود کے کاروبار میں بھی مضرت کا پہلو ابتدا میں غالب تھا جس کی وجہ سے جملہ مذاہب عالم میں وہ ممنوع تھا مگر امتداد زمانہ سے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرض لیا ہوا روپیہ صنعت و تجارت میں لگا کر دائن اور مدیون دونوں کے لئے نفع رساں ثابت ہوا جس کی وجہ سے روپیہ کے کرایہ یا سود کی منفعت کا پہلو اس کی مضرت سے بڑھ گیا۔ جملہ دیگر اقوام دنیا نے اس نکتہ کو سمجھ کر اس کی دو قسمیں قرار دے لیں یعنی یوژری اور انٹرسیٹ جن کو دوسرے الفاظ میں ربوا اور تجارتی سود کہہ سکتے ہیں اور ثانی الذکر یعنی تجارتی سود سے

سب نے بجز مسلمانوں کے خاطر خواہ نفع اٹھایا۔ مسلمانوں کے مذہب میں اگرچہ یہ مسئلہ ابتدا سے منفصل رہا اور ربوا کی کوئی تعریف قطعی او رمتفق علیہ نہ تھی تاہم انھوں نے روپیہ پر بہر بڑھوتری کو ربوا قرار دے کر اس کی جملہ صورتوں سے کلیتاً احتراز کیا اور سود کے سراسر مفید پہلو یعنی تجارتی سود تک سے بھی نفع نہ اٹھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے دین و دنیا دونوں برباد ہوگئے۔ دنیا کی بربادی تو مسلمانوں کے افلاس سے ظاہر ہے مگر دین کی بربادی اس لئے ہوئی کہ سود لینے کے گناہ میں نہیں تو دینے کے گناہ میں مسلمان سب سے آگے ہوگئے حالاں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا تھا کہ :-

"مسلمانوں کو چاہئے کہ کافر حربی کو سود دینے میں احتیاط کرے بلے ضرورت کافر حربی کو بھی سود نہ دیوے۔"

سود دینے کے گناہ کے علاوہ آپ یہ معلوم کرکے متعجب ہوں گے کہ مسلمان کاریگر بمقابلہ دیگر اقوام کے کاریگروں کے زیادہ شراب خوار اور عیاش ہیں جس کا پتہ آبکاری کے نقشوں سے چلتا ہے چنانچہ مجھے بالتحقیق معلوم ہوا ہے کہ بعض مقامات میں جہاں مسلمان کاریگر زیادہ ہیں عید کے دن شراب کی بکری بہت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ روپیہ بڑھانے کے دروازے چوں کہ مسلمانوں پر بند ہیں اس لئے وہ اپنی کمائی کا مصرف صرف عیش پرستی جانتے ہیں۔

۱۲۔ <u>مذہب کی عظمت خطرہ میں</u> ممکن ہے کہ بعض اصحاب کے دلوں میں یہ خیال گزرے کہ دنیوی مصالح سے مذہب میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ کوئی قانون خواہ مذہبی ہو یا ملکی جس میں ضرورت زمانہ اور طبائع انسانی کا لحاظ نہیں رکھا جاتا اس کا وجود بالآخر محض کتابوں کے صفحات پر رہ جاتا ہے کیوں کہ لوگ پیلتے حوائج سے مجبور ہوکر پوشیدہ یا علانیہ اس کی خلاف ورزی کرنے لگتے ہیں یا اس سے بچنے کے لئے حیلے اختیار کرتے ہیں اس لئے ایسے قانون کا عدم وجود برابر ہوجاتا ہے اور اسی لئے ہر مقنن اپنے قانون میں ان امور کا لحاظ رکھتا ہے۔ چنانچہ قانون الٰہی میں خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ مذہبی امور میں ضروریات زمانہ اور طبائع انسانی کا لحاظ نہ رکھنے کی بدیہی مثال ہمارے سامنے اہل یورپ کی موجود ہے جنھوں نے اپنے مذہبی قانون کو اپنی ضروریات کے لئے ناکافی پاکر اپنے حسب حال ملکی قوانین بنا لئے اور اپنی آسمانی کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔ تقریباً یہی حال مسلمانوں کا ہوتا جاتا ہے کہ وہ اپنے مروّجہ مذہبی قانون کو اپنی ضروریات کے مطابق نہ پاکر عمل سے آزاد ہوئے جاتے ہیں اور اُن کے دلوں سے مذہبی قانون کی عظمت کم ہوتی جاتی ہے مثلاً یہ کہ باوجود اس علم کے کہ سود لینا

اور دینا دونوں ممنوع ہیں جہلاسے لے کر علما تک ضرورت کے وقت اگر سود لینے کے نہیں تو دینے کے گناہ کے ضرور بالضرور مرتکب ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں اُس قانون کی کیا عظمت ہوسکتی ہے جو ہر دم اور ہر وقت توڑا جاتا ہو اور جس پر عمل درآمد کرنا انسانی امکان سے باہر ہوگیا ہو۔ انھیں مشکلات کے حل کرنے کے لئے مسلمانوں میں ابتدا سے فقہا اور مجتہدوں کی ایک مقدس جماعت ایسی رہی ہے جو نہ صرف مذہبی امور میں بلکہ تمدن و معاشرت میں مسلمانوں کی رہنمائی کرکے انھیں دنیا میں رہنے کے قابل بناتی رہی چنانچہ اُسی مقدس جماعت کے بعض برگزیدہ افراد نے مختلف اوقات میں مسئلہ سود کی اہمیت کا اندازہ کرکے اُس کی مختلف صورتوں کے متعلق فتوے دئے ہیں جن پر یکجائی نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں مسئلہ سود بڑی حد تک حل ہوچکا ہے اور صرف اُس میں علماء وقت کی یکجائی اور متفقہ توجہ کی ضرورت ہے۔ اس وقت میں اختصار کے ساتھ سود کی مختلف صورتیں اور اُن کے متعلق چند فتوے پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

۲۲ - غیر مسلموں سے ربوا | ہندوستان میں سب سے اہم فتویٰ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جنھوں نے غیر مسلموں سے نہ صرف تجارتی سود بلکہ ہر قسم کے سود اور ربوا کے جس میں گراں شرح کا سود بھی شامل ہے جواز کا فتویٰ دیا۔ اُسی کے ساتھ شاہ صاحب موصوف نے ہنڈی کے جواز کی صورت بتائی جس کے ذریعہ تجارتی اغراض کے لئے ایک مقام سے دوسرے مقام پر روپیہ منتقل ہوسکتا ہے۔

۲۳ - پرامیسری نوٹوں اور بنکوں کا سود | اس کے بعد مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے سرکاری تمسکات اور نصاریٰ کے پاس روپیہ جمع کرکے اُس کا سود لینے کے جواز کا فتویٰ دیا۔

۲۴ - بنک کا سود کار خیر میں | بنک کا سود لے کر کار خیر میں صرف کرنے کے جواز کے متعلق جناب مفتی عزیزالرحمن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کے الفاظ یہ ہیں کہ

"اس روپیہ کو بنک میں نہ چھوڑیں بلکہ وہاں سے لیکر غربا و مساکین اہل حاجت میں تقسیم کردیں یہ بہت اچھا ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ اس کا ثواب حاصل ہوگا"

۲۵ - ربوا الفضل کے جواز کی صورت | ہمجنس اشیاء کا غیر مساوی تبادلہ بھی سود یا ربوا الفضل کے حکم میں سمجھا جاتا ہے اور اس لئے وہ ناجائز ہے یعنی چاندی کی خرید و فروخت جب روپیہ سے کی جائے تو روپیہ اور چاندی کا وزن یکساں ہونا چاہئے مگر چونکہ چاندی کا بھاؤ کم و بیش رہتا ہے جس کی وجہ سے بعض وقت اُس کی خریداری میں نقصان رہتا ہے اس لئے فقہا نے مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کے لئے یہ صورت نکال دی ہے کہ روپیہ کے ساتھ تانبے کے کچھ پیسے ملا دئے جائیں تاکہ بدلین غیر جنس ہوجائیں اور یہ معاملہ

پاتا رہے اور روپیہ کے بدلے میں وزن کے اعتبار سے زیادہ چاندی نہ مل سکے۔

۲۶ - آپس میں مسلمانوں میں مضاربت بہ رقم معین

اس کے بعد سود کی ایک صورت جو سب سے اہم ہے باقی رہتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو روپیہ دے کر مضاربت برقم معین کا معاملہ کرے یعنی کاروبار اور تجارت کے لئے معین منافع پر روپیہ دے۔ اس وقت لاکھوں مسلمان دوکاندار اور کاریگر جو غیر اقوام کے سرمایہ داروں کا روپیہ استعمال کر کے سدا اُن کی غلامی میں رہتے ہیں اور بعض وقت روپیہ کے دباؤ میں تبدیل مذہب کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اُنھیں اس غلامی سے آزادی دلانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اسراف، فضول خرچی اور عیاشی کے لئے نہیں بلکہ کاروبار کے لیے خفیف منافع پر روپیہ دے تاکہ خود مسلمانوں کی حیثیت تجارت و صنعت میں قائم ہو۔ اس صورت کے جواز کے متعلق علما حضرات نے جو کچھ لکھا ہے اُس کے علاوہ خود ہمارے ہندوستان کے عالم مولوی ناظر حسن صاحب دیوبندی مرحوم کی ایک کتاب سے نقل کرنا بیجا نہ ہوگا۔

> "یہ کلیہ کہ نقد مال کا کرایہ درست نہیں ہے۔ بروئے کتب فقہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ تفصیل ہے۔ اگر اس کا کرایہ علاوہ تجارت کے اور کسی غرض سے ہو تو بے شک نادرست ہے کیوں کہ نقد مال کی ذات۔ بے بانٹے خرچ کئے ہوئے کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا ہے اور کرایہ اُس چیز کا درست ہوتا ہے جس میں بحالت بقاء کوئی نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ خیال کہ تجارت کے لئے بھی اس کا کرایہ درست نہیں ہے ٹھیک نہیں ہے کیوں کہ نقد اموال کی اصلی منفعت تجارت ہے۔ اگر نقد مال کا معاوضہ لینا شرعاً حرام تھا تو مضاربت صحیحہ میں حصۂ مشاع کا لینا کیوں حلال ہوا۔ اس صورت میں رب المال نے جو کچھ لیا عوض المال لیا اور مضارب نے جو کچھ لیا عوض العمل لیا۔ اس مسئلہ سے بھی معلوم ہوا کہ مضاربت میں مال مدفوع قرض نہیں ہوتا ہے ورنہ ایک حصہ بھی لینا حرام ہوتا۔"

آگے چل کر جناب مولوی ناظر حسن صاحب نے تحریر فرمایا ہے:-

> "جیسے زمین کاشت کا اجارہ مشاع اور بہ لگان مقرر درست ہے اور درصورت لگان اگرچہ کاشتکار کو کچھ حاصل نہ ہو لیکن مالک زمین کو رقم لگان حلال ہے۔ ایسے ہی عقد مضاربت بھی دونوں طرح درست ہوتی بحصہ مشاع بھی اور بہ رقم معین بھی۔"

۲۷ - متفقہ فتوے کی ضرورت

علمائے کرام کی مندرجہ بالا رایوں اور فتووں کے نقل کرنے سے

میری غرض یہ نہیں ہے کہ جو کچھ کہا اور لکھا گیا وہ قطعی ہے اور ناقابل اعتراض ہے بلکہ میرا منشا صرف اس قدر ہے کہ سود کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن کے جواز کی نسبت خود بڑے بڑے علمائے کرام اظہار رائے کر چکے ہیں فتوے دے چکے ہیں اور یہ فتوے خاص خاص اوقات میں خاص ضروریات پیش نظر رکھ کر دئے گئے تھے مگر جو حالات اس وقت مسلمانوں کے سامنے ہیں اور جن کو میں نے اختصار کے ساتھ عرض کیا ہے وہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ علمائے کرام اجماعی طور پر اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر ایک متفقہ فتوے جاری کریں اور اس پر عمل درآمد کرانے کی خاص طور پر کوشش کریں اور کاروبار تجارت میں مسلمانوں کی رہنمائی کر کے انہیں ایسے طریقے بتائیں جنھیں اختیار کر کے مسلمان جلد سے جلد ذلت و خواری، ہلاکت و بربادی کے بھنور سے نکلیں ورنہ کچھ عرصہ اور غفلت برتی گئی تو اندیشہ ہے کہ کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکے گی۔ اور خدانخواستہ اکبر کا یہ شعر ہم پر صادق آئے گا ؎

کچھ جو نہ خاک میں ملے تو کچھ ہونگے جزو غیر
یہ دفعہ سمجھئے گور دل حشر اش ہے

مسئلہ سود پر چند سوالات

میں نے ۱۹۲۴ء میں مسئلہ سود کے متعلق چند سوالات شائع کئے تھے۔ امید ہے کہ اُن کے ملاحظہ سے اس مسئلہ کے حل کرنے میں مدد ملے گی۔ اس لئے انھیں ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

۱۔ آیا دنیا کے تمام بڑے مذاہب میں سود ممنوع رہا ہے یا صرف اسلام میں؟

۲۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ ہندوؤں، مصریوں، اہل روم اور دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے قوانین کی رو سے سود خواری ممنوع تھی اُسے بند کرنے کی ہر ممکن کوشش ہر زمانہ میں کی گئی؟

۳۔ جب دینی اور دنیوی دونوں قوانین کی رو سے سود خواری ممنوع تھی تو سوال یہ ہے کہ آیا سود خواری کی ممانعت کسی مضرت پر مبنی تھی یا بلا لحاظ مضرت و منفعت کے محض حکم خداوندی پر تھی؟

۴۔ جب تک کہ روپیہ کو نفع آور کاموں میں لگانے کا رواج نہ تھا تب تک یا تو روپیہ زمین میں دفن کر کے رکھا جاتا تھا یا ضرورت مندوں اور عیش پرستوں کو سود پر قرض دیا جاتا تھا جو مدیوں کی بربادی کا باعث ہوتا تھا اور یہی حقیقی سود خواری تھی آیا یہ صحیح نہیں ہے کہ جب سے یورپ میں روپیہ نفع آور کاموں میں لگنے اور ایک دوسرے سے معین منافعہ پر قرض لے کر تجارت میں لگایا جانے لگا تب سے اُن ممالک کی دولت مندی اور قوت و عظمت کی بنیاد قائم ہوئی اور سرمایہ و تجارت کے زور سے انھوں نے غیر ممالک پر قبضہ و

تسلط کرنا شروع کیا ؟

۵ - آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ سود کی تبدیل شدہ صورت اختیار نہ کرنے کی وجہ سے اسلامی سلطنتوں کو اپنی ملک کی حفاظت و ترقی کے لئے بجائے اپنی رعایا سے قرضہ لینے کے دیگر اقوام سے سودی قرضہ لینا پڑا جس سے اسلامی ممالک عملاً دوسروں کے قبضہ میں چلے گئے ؟

۶ - آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ مسلمانوں کی زمینداریاں روز بروز نکل رہی ہیں اُن کی جائدادیں قرضہ کی علت میں دوسروں کے قبضہ میں جا رہی ہیں اور وہ مثل پُرانے زمانہ کے یہودیوں کے زمین سے بے دخل ہو رہے ہیں ؟

۷ - آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ سود کی تبدیل شدہ صورت اختیار نہ کرنے کی وجہ سے مسلمان تجارت سے خارج ہو رہے ہیں اور باوجودے کہ مسلمان کاریگروں کی تعداد بہت ہو تاہم وہ دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام ہیں اور اس لئے صنعت و حرفت کے اصلی نفع سے محروم ہیں ؟

۸ - آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ مسلمانوں کی مالی کمزوری کی وجہ سے اُن میں نفع خلائق کے کام مثلاً مدرسے شفاخانے، خیرات خانے، مہمان خانے، کنوئیں، سرائیں اور پل بانے والوں کی تعداد روز بروز گھٹ رہی ہو اور اسی نسبت سے دیگر اقوام میں کار خیر جاری کرنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہو ؟

۹ - آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں میں آپس میں تنازعات زیادہ ہیں اور باہمی ہمدردی اور مصیبت میں ایک دوسرے کی امداد کرنے کا کم چرچا ہو اور اگر یہ صحیح ہے تو کیا یہ اُن کے افلاس کا نتیجہ نہیں ہو ؟

۱۰ - آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ بعض مقامات میں افلاس کی وجہ سے اُن اقوام میں جو عرصہ سے مسلمان تھیں ارتداد شروع ہو گیا ہو اور ارتداد کو روکنے کے لئے مسلمانوں کی طرف سے جو جماعتیں قائم ہوئی ہیں اُنہیں بوجہ روپیہ کی کمی کے تبلیغ کا کام جاری رکھنا مشکل ہو رہا ہو ؟

۱۱ - اگر مسلمانوں کی مالی کمزوری کی وجہ سے ہر اعتبار سے اُن کا تنزل ہو تو کیا یہ ضروری نہیں ہو کہ مسلمانوں کی حالت درست کی جائے اور مالی حالت درست کرنے کے کیا ذرائع ہو سکتے ہیں ؟

۱۲ - مسلمانوں کی مالی کمزوری زیادہ تر اُن کی قرضداری کی وجہ سے ہو رہی ہو کیا یہ ممکن ہو کہ مسلمانوں کی قوم یہ عہد کرلے کہ وہ سودی قرضہ نہ لے گی مگر جب کہ صدیوں تک مذہباً اور قانوناً سود پر قرض دینے اور لینے والوں کو سزا دی جاتی تھی تب بھی سودی قرضہ کی داد و ستد بند نہ ہو سکی تو آیا یہ بات قرین قیاس ہو کہ قرض نہ لینے کا عہد مسلمان من حیث القوم پورا کر سکیں گے ؟

۱۳ - اگر افلاس دور کرنے کے لئے کفایت شعاری کی عادت ضروری ہو تو آیا محض کفایت شعاری

کی تلقین سے قوم کفایت شعار بن سکتی ہے اور باوجودیکہ مسلمانوں میں عرصہ سے کفایت شعاری کی ضرورت کا احساس ہے اور ہر طرف اس کا چرچا ہے اور اس کے لئے انجمنیں قائم ہو چکی ہیں اور نصیحتیں اور وعظ کہے جا چکے ہیں تاہم ان کے مسرفانہ عادات میں کمی نہیں ہوتی اور وہ روز بروز تباہ ہوتی جا رہے ہیں اس قدر تجربوں کے بعد کیا اس امر کی گنجایش باقی ہے کہ وعظ و پند کے ذریعہ سے قوم میں کفایت شعاری پیدا کرنے کے تجربہ میں چند سال اور ضائع یا صرف کردئے جائیں؟

۱۴- آیا یہ صحیح نہیں ہے کہ کسی قوم میں کفایت شعاری اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے افراد کو روپیہ کا بڑھانا نہ سکھایا جائے جیسا کہ یورپ میں کاریگروں اور غربا کے لئے بینک اور بیمہ کمپنیاں قائم کرکے اور انھیں روپیہ کا بچانا اور بڑھانا سکھا کر تجارتی سود کے ذریعہ سے انھیں حقیقی معنوں میں کفایت شعار بنایا جاتا ہے؟

۱۵- اس زمانہ کے کاروبار میں بعض لوگوں کے پاس بیشمار دولت جمع ہو جاتی ہے جس کو "سرمایہ داری" کہتے ہیں اور جس سے غربا سرمایہ داروں کے غلام بن جاتے ہیں۔ سرمایہ داری کی قوت اور اس کی مضرت کے مقابلہ کے لئے غربا میں انجمن ہائے امداد باہمی کی تحریک دنیا میں ترقی کر رہی جس سے غربا کا طبقہ ایک خود دارانہ زندگی بسر کرسکتا ہے اور وہ عوام الناس کے لئے رحمت ثابت ہو رہا ہے مگر اس کا دار و مدار تجارتی سود پر ہے۔ غور طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ سود جو عام طور بنی نوع انسان اور خاص کر غربا کے لئے سراسر مفید ثابت ہوا ہے اس ربوا کے تحت میں آتا ہے جس کی نسبت خداوند تعالیٰ نے اپنے عاجز بندوں کو ان الفاظ میں لڑائی کا چیلنج دیا ہے "فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"۔

۱۶- خداوند تعالیٰ کے ساتھ لڑائی اور دوسری تعزیرات کے خوف سے مسلمان ربوا اور تجارتی سود اور ہر قسم کے سود سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں تاہم وہ اُن لوگوں کے مقابلہ میں جو تجارتی سود سے نہیں بچتے اس دنیا میں زیادہ پریشان حال اور مفلس ہیں۔ مردم شماری کی رپورٹوں سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں گداگروں، مجرموں اور کسبیوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے۔ ان میں باہمی تعصب اور تنازعات زیادہ ہیں، باہمی معاملات خراب ہیں۔ کیا ان حالات میں یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ کم سے کم اس دنیا میں خداوند تعالیٰ بمقابلہ دیگر اقوام کے مسلمانوں سے اسی طرح ناراض ہے جیسے کہ کسی زمانہ میں یہودیوں سے ناراض سمجھا جاتا تھا جب کہ وہ دنیا میں ذلیل و خوار اور برباد تھے اور غیر منقولہ جائداد سے بیدخل ہو کر پریشان حال پھرتے تھے۔

۱۷- دنیا کے دیگر مذاہب رہبانیت کو نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اسلام نے رہبانیت کو مٹا کر

مسلمانوں کو حکم دیا "کُلُوا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ" اور خداوند تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد فرمایا "یَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ۔" یعنی یہ کہ آپ سخت احکام کے بوجھ جو اُن لوگوں کے سروں پر لدے ہوئے تھے اور پھندے جو اُن پر پڑے ہوئے تھے اُن پر سے دُور کرتے ہیں اور آنحضرت صلعم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا "اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ" یعنی تم آسانیاں بڑھانے کے لئے دنیا میں بھیجے گئے دشواریاں بڑھانے کے لئے نہیں، برخلاف اس کے اب ہم علانیہ دیکھتے ہیں کہ تجارتی سود کے غلبہ سے مسلمانوں کے لئے تجارت کی، صنعت و حرفت کی، ہر قسم کی معاش کی، حتیٰ کہ زندگی کی تمام راہیں بند ہو رہی ہیں کیا اسلام کی موجودہ شکل میں یہ دعویٰ بجا طور پر کیا جا سکتا ہے کہ "اسلام رہبانیت مٹانے والا ہے یا یہ کہ آسان ہے اور سخت احکام کے بوجھ سے وہ انسانوں کو ہلکا کرتا ہے اور اُن کی گردنوں سے پھندے نکالتا ہے یا یہ کہ وہ آسانیاں بڑھاتا ہے اور دشواریاں نہیں بڑھاتا"؟

۱۸۔ اہل یورپ کے نزدیک ربوٰا ایسا ہی برا سمجھا جاتا تھا جیسا کہ مسلمانوں کے نزدیک یہ وہ زمانہ تھا جب کہ روپیہ غیر نفع آور کاموں میں صرف ہوتا تھا جب سے یورپ میں روپیہ نفع آور کاموں میں کثرت سے لگنے لگا اور اس سے ایک جدید چیز انٹرسٹ یا تجارتی سود کے نام سے پیدا ہو کر انسان کے لئے سراسر مفید ثابت ہوئی تب سے مذہب عیسوی اور یورپ کے ملکی قوانین نے اُسے ربا سے جدا گانہ سمجھ کر جائز قرار دے دیا اور کچھ عرصہ ہوا کہ مصر اور ٹرکی کے مسلمان علمائے نے بھی اس کے جائز ہونے کا اعلان کر دیا اب سوال یہ ہے کہ اس ملک میں جب کہ تجارت وغیرہ میں مسلمان قدم قدم پر تجارتی سود دیگر نقصان اُٹھا رہے ہیں اور اس کی وجہ سے تجارت اُن کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے یہ امر کہاں تک درست ہے کہ تجارتی سود کو ربا کے تحت میں لا کر اس کا لینا ناجائز قرار دیا جائے؟

۱۹۔ حدیث شریف میں آیا ہے "لَا رِبٰوا اِلَّا فِی النَّسِیْئَةِ" یعنی ربا النسیہ کے سوا کوئی ربا نہیں ہے اور ربا النسیہ کی نسبت امام رازی تحریر فرماتے ہیں کہ "وہ وہ معاملہ ہے جو ایام جاہلیت سے مروج تھا اور وہ یہ تھا کہ وہ لوگ اس عہد پر کچھ مال دیتے تھے کہ ہر ماہ مال کی ایک معین مقدار (بطور سود کے) وصول کرتے رہینگے اور اصل مال پورا کا پورا رہیگا پھر جب قرضہ کی میعاد آ جاتی تو قرضدار سے اصل مال کا مطالبہ کرتے تو اگر وہ دینے سے معذور ہوتا تو قرض اور میعاد دونوں کو بڑھا دیتے" ظاہر ہے کہ اس قسم کے ربا کا اس زمانہ میں وجود نہیں ہے اسی طرح اعلام الموقعین میں تحریر ہے کہ

"ظاہری ربا ربا النسیہ ہے جو ایام جاہلیت میں مروج تھا کہ جب قرضدار ادائے قرض میں تاخیر کرتا

تو قرض خواہ کے لئے مال بڑھا دیتا اور جوں جوں تاخیر کرتا اسی طرح مال بڑھتا جاتا یہاں تک کہ ایک سو کی رقم ہزاروں تک پہنچ جاتی اور غالباً اس معاملہ پر وہی لوگ مجبور ہوتے تھے جو نادار اور محتاج ہوتے تھے پس جب قرض خواہ مناسب دیکھتا تو اپنے مطالبہ میں تاخیر کرتا جس کے عوض قرضدار اس کو اس کی زیادتی دا کرتا تھا کہ مطالبہ اور حبس کی قید سے خلاصی پاتا رہے"

برخلاف اس کے تجارتی سود وہ ہے جو فریقین کے نفع کے لئے دیا جاتا ہے جیسے ملک کے سیراب کرنے کے لئے مطلب پڑی، ملایا سے قرض لیتی ہے اور نہر کی آمدنی سے ایک معین حصہ روپیہ والے کو دے دیتی ہے بس سے ملک سرسبز ہوتا ہے اور قرض دینے والوں کا اثاثہ بڑھتا ہے یا ایک شخص دوسرے کو معین منافعہ پر تجارت کرنے کے لئے روپیہ دیتا ہے جس کے نفع سے فریقین مستفید ہوتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ ربا النسیہ کی جو تعریف بیان کی گئی ہے آیا وہ کسی طرح تجارتی سود پر صادق آتی ہے اور آیا تجارتی سود کو کسی طرح ربا النسیہ قرار دیا جا سکتا ہے؟

۲۰ - آیا یہ صحیح نہیں ہے کہ ربوا باوجودیکہ نص صریح سے حرام قطعی ہے تاہم "لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب" کی رو سے بعض فقہائے اسلام نے رباکے لین دین کو غیر مسلموں کے ساتھ جائز قرار دے دیا؟

۲۱ - آیا یہ صحیح نہیں ہے کہ بعض فقہائے اسلام نے ربا کے لین دین کو چند حیلوں کے اختیار کرنے کے ذریعہ سے جائز قرار دیا ہے - مثلاً یہ کہ ایک سو روپیہ کے نوٹ اُدھار دے کر کچھ عرصہ بعد ایک سو پانچ لئے جائیں یا ایک سو روپیہ کو رومال میں باندھ کر ایک سال کے وعدے پر انہیں ایک سو دس روپیہ میں فروخت کیا جائے؟

۲۲ - آیا یہ صحیح نہیں ہے کہ زیور وغیرہ کے لئے چاندی خریدنی ہو تو اس کی نسبت حکم ہے کہ وہ روپیہ کے ہموزن نہ جائے ورنہ ربا ہو جاتا ہے ربا سے بچنے کے لئے یہ تدبیر بتائی گئی ہے کہ روپیہ کے ساتھ کچھ پیسے شامل کر دیئے جائیں تاکہ بدلین غیر جنس ہو جائیں اور یہ معاملہ ربا نہ رہے - اگر ربا فی الواقع انسان کے لئے نقصان دہ ہے اور اس لئے مذہباً ممنوع ہے تو سوال یہ ہے کہ آیا تانبے کے پیسے شامل کر دینے سے اس معاملہ کی واقعی مضرت اور معصیت میں کوئی کمی آجاتی ہے؟

۲۳ - جب کہ مندرجہ بالا طریقہ سے چاندی خریدنے میں بظاہر ربا کی مضرت بجنسہ قائم رہتی ہے اور محض پیسے ملانے سے اس کی معصیت دور ہو سکتی ہے اور برخلاف اس کے تجارتی سود کے لین دین میں ربا کی کوئی مضرت موجود نہیں ہوتی اور وہ سراسر انسانوں کے لئے مفید ہے تو سوال یہ ہے کہ آیا تجارتی سود کو ربا

کے حکم میں سمجھ کر اس کی معصیت کو دُور کرنے کے لئے کوئی ایسا حیلہ اختیار کیا جا سکتا ہے جیسا کہ چاندی اور گوٹہ اور لچکہ خریدنے کے لئے کیا جا سکتا ہے؟

۲۴ - مردہ جانور اور خون اور غیر اللہ کے لئے نامزد شدہ جانور اور لحم الخنزیر نص صریح سے قطعی حرام ہیں اسی طرح شراب بھی قطعی حرام ہے اور خانہ کعبہ کے پاس قتل کرنا حرام ہے آیا یہ صحیح نہیں ہے کہ اول الذکر اشیاء کا کھانا اضطراری حالت میں جائز ہے اسی طرح مرض کی حالت میں جب طبیب حاذق تجویز کرے شراب کا استعمال جائز ہے اور خانہ کعبہ کے قریب اگر کفار لڑنے آئیں تو انھیں قتل کرنا جائز ہے اگر اس قدر ناپاک اور مضر چیزیں اور ناجائز افعال ضرورت کے وقت جائز ہو سکتے ہیں تو آیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کی اضطراری و مجبوری کی حالت دیکھ کر تجارتی سُود کو جس کی آزادی سے لین دین پر اس زمانہ میں مسلمانوں کی قومی زندگی کا انحصار ہے اور جس میں ربا کی کوئی مضرت نہیں بلکہ سراسر منفعت ہے جائز سمجھا جائے؟

خاکسار

طفیل احمد

۱۵ مئی ۱۹۲۵ء

ولایت منزل علی گڑھ

ایک مسلمان تحصیلدار اور جوتشی (افسانہ)

مہابن ضلع متھرا کے ایک برہمن کو سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے کچھ پانسے خریدے ایک پوتھی بنائی اور یہ سب چیزیں کپڑوں کی ایک پوٹلی میں رکھ کر جوتشی بن کے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ہندوستان کے لوگ ضعیف العقیدہ ہوتے ہی ہیں اب جدھر جاتا ہے لوگ اس سے اپنی قسمتوں کا حال پوچھتے ہیں۔ حال پوچھنے والے بہت مگر دینے والے کم ہیں تب بھی دو دو چار چار آنہ جمع ہو کر کسی کسی دن اس کے پاس روپیہ ہو جاتے ہیں مگر روپیہ ملیں یا آنے اس کا خرچ تین آنے روزانہ سے بڑھنے نہیں پاتا ٹھہرنے کو ہر جگہ دھرم سالے سبھائیں موجود ہیں۔ کچھ بچیا ئی اختیار کرلے تو مہینہ بھر میں بیس نہیں تو پندرہ دن ضرور مفت کھا سکتا تھا کیونکہ اکثر دھرم سالوں اور مندروں میں سدابرت جاری رہتا ہے مگر کمانے والے کے لئے پن کا بھوجن بھرشٹ ہے اس لئے وہ پاؤ بھر آٹا لے کر خود پکا لیتا ہے اور پکانے کا وقت نہ ہو تو کھانے کی دوکان سے ایک آنہ میں روٹی اور ترکاری لے کر پیٹ بھر لیتا ہے اور ہر مہینہ بال بچوں کے لئے پندرہ بیس روپیہ گھر بھیجتا رہتا ہے۔ تجربہ سے اسے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں کے مقابلہ میں تحصیل تھانہ میں اس کی زیادہ پوچھ ہے کیونکہ ان لوگوں کو زیادہ آمدنی کے ساتھ زیادہ ہوس اور زیادہ خطرہ رہتا ہے اور پھر مسلمان اہلکاروں میں اس کی زیادہ قدر ہے جن کے پاس کھانے پینے کے بعد کچھ بچتا ہی نہیں اور وہ ہر وقت اس کے متمنی رہتے ہیں کہ پردہ غیب سے ان کی مدد ہو۔ بس مسلمانوں کی وہ اس کمزوری کو دیکھ کر وہ تحصیل اور تھانہ میں سیدھا مسلمان اہلکاروں کی طرف رخ کرتا ہے۔

اتفاق سے وہ ایک دن پھرتا پھراتا جسونت نگر کی تحصیل میں جا نکلا جہاں مرزا شاہرخ بیگ صاحب تحصیلدار تھے بڑے خاندانی اور پشتینی امیر تھے مگر جائداد سب زیر بار قرضہ تھی تب بھی تحصیلداری کی آمدنی کیا کم تھی بال بچے ساتھ تھے اور بڑے عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے تھے جب یہ جوتشی پہونچا تو تحصیلدار صاحب بنگلہ میں بیٹھے ڈاک دیکھ رہے تھے اور اہلکار اپنے اپنے صیغہ کے احکام لینے جاتے تھے جوتشی کی ہمت وہاں جانے کی نہ ہوتی تھی اور جب حوصلہ کر کے آگے بڑھتا تو اردلی ڈانٹ کر اسے پیچھے ہٹا دیتا۔ خوش قسمتی سے تحصیلدار صاحب کی نظر اس پر جا پڑی نظر کیا تھی کیمیا اثر تھی اسی وقت انھوں نے اسے بلایا اور ڈاک سے فارغ ہو کر اس سے پوچھ گچھ شروع کی۔ جوتشی اب جو پانسہ ڈالتا ہے کسی میں نکلتا ہے تحصیلدار صاحب بال بھر

میں ڈپٹی کلکٹر ہو جائیں گے۔ ایک حساب سے بڑا بیٹا جو دو سال نویں میں فیل ہو چکا سویلین ہو کر رہے گا
اُدھر سے اسکول سے کے وقت میں شکار کھیل کر دوسرا لڑکا آرہا ہے اس کی قسمت میں فوج کی کپتانی لکھی ہے۔ غرض کہ
تحصیلدار صاحب سے لے کر دو برس کے بچے تک کو بڑے بڑے عہدے تقسیم ہو رہے ہیں اور تحصیلدار صاحب
ہیں کہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ فوراً دس روپیہ نکال کر جوتشی کو دیتے ہیں۔ جوتشی انھیں دعائیں
دیتا ہے اور کچھ اور دل خوش کن پیشین گوئیاں کرتا ہے اس پر ایک اہلکار کو اشارہ ہوتا ہے کہ اُسے محل میں کچھ
کرا دیا جائے اور دو چار رئیسوں کے پاس بھیج دیا جائے۔ اب برابر ایک ہفتہ تک جوتشی کا دورہ دورہ
رہتا ہے اور وہ تحصیل سے پانسو روپیہ لے کر دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوتا ہے خیالی ترقیوں اور عہدوں
کے بدلے میں اب اُسے جو رقم ملی ہے اُسے لے کر سیدھا گھر پہنچتا ہے۔ کسی مسلمان کو اتنی رقم ملی ہوتی
تو اول تو احباب کی دعوتیں ہوتیں۔ حلوے کباب بنتے۔ اپنے اور بیوی بچوں کے لئے پُرتکلف کپڑے
سلوائے جاتے۔ میاں کفایت شعار ہوتے تو لڑکی کی شادی کے لئے زیور اور جہیز کی تیاری میں روپیہ
لگاتے۔ اور اگر چوروں اور نقب زنوں سے بچا رہتا تو لڑکی کی رخصت کے دن میاں کی عزت برادری
میں بڑھتی۔ مگر پنڈت جی حلال کے بنے نہیں ہیں۔ تاہم بنیوں کے داؤ گھات سے کچھ نہ کچھ واقف ہیں۔ شہر یا محلہ
محلہ کے جولاہوں میں روپیہ تقسیم کرتے ہیں۔ دس روپیہ دیا کر کے بارہ مہینوں میں ایک ایک روپیہ لے کر بارہ روپیہ
وصول کریں گے اور دیتے وقت دس روپیہ کی جگہ نو روپیہ بارہ آنہ دیتے ہیں۔ چار آنہ تحریر کے کاٹ
لیتے ہیں مہینہ پر روپیہ وصول نہ ہوگا تو پیسہ روپیہ کا سود لگے گا۔ اب جولاہے ہیں کہ اس کمی سود کو دیکھ کر
ٹوٹے پڑتے ہیں۔ کیوں کہ بنیوں سے جب لاتے ہیں تو وہ دس روپیہ کے ساڑھے نو دیتا ہے اور ایک پیسہ کی
جگہ تین پیسے کا سود لگاتا ہے۔ پھر یہ بھی شرط کرتا ہے کہ چھ مہینے قسط نہ ملے گی تو مال بھی اس کے ہاتھ بیچنا
پڑے گا۔ اور مال کی قیمت لگاتے وقت خوب کساتا ہے۔ بنیوں کی ان شرطوں سے پریشان ہو کر
جولاہے پنڈت جی کے پاس خوشی خوشی آتے ہیں۔ پہلی دفعہ پنڈت جی نے چار سو روپیہ چالیس جولاہوں میں
تقسیم کر دئے اور ستو روپیہ گھر کے خرچ کے لئے رکھ لئے۔ اب چالیس جولاہے ایک روپیہ فی کس کے حساب
سے ہر مہینے کے شروع میں چالیس روپیہ پنڈت جی کو دے جاتے ہیں۔ جو دس روپیہ فی کس کے حساب سے چار
نئے جولاہوں کو دے دئے جاتے ہیں۔ اگلے مہینہ چوالیس روپیہ آتے ہیں اور ہر مہینے اسی طرح تقسیم ہوتے اور
بڑھتے جاتے ہیں۔ پنڈت جی اب صرف مہاجن کے آس پاس گشت لگاتے ہیں گھر سے دور نہیں جاتے کچھ تو
جوتش کا کام کرتے ہیں جس سے گھر کے خرچ میں مدد ملے مگر زیادہ تر قسطوں کا کام کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ مالی حالت
بہتر ہوتی جاتی ہے اور آٹھ دس برس میں منڈی میں بڑی رقموں کا لین دین شروع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے

مہاجن میں پابندی کے ساتھ ٹھہرنے سے استفسار ہوجاتا ہے۔ اب جی چاہتا ہے کہ جس ذات کی بدولت یہ فارغ البالی حاصل ہوئی اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔ پنڈت جی کی حیثیت تو اب پچاس ہزار کی ہے مگر وضع قطع وہی ہے۔ چنانچہ اسی جوتشی کے سیدھے سادے لباس میں وہ تحصیلدار صاحب کی جستجو میں گھر سے نکلتے ہیں۔ کسی نے غلطی سے پنڈت جی سے کہہ دیا کہ وہ ابھی جسونت نگر کی تحصیل میں ہیں۔ سرکار نے ان کی خاص خدمات کے صلہ میں وہاں سے بدلا نہیں۔ مگر جاکر معلوم ہوتا ہے کہ پارسال ان کا انتقال وہیں ہوگیا۔ اور جن کے چشم ابرو کے اشارے پر پنڈت جی نہال ہوگئے تھے خود جب ان کا انتقال ہوتا ہے تو بال بچوں کو جسونت نگر سے جانا مشکل ہوجاتا ہے۔ بازار میں ہر طرف قرض تھا۔ بڑا لڑکا اس قابل نہ ہوا کہ چار پیسے کما تا بچپن سے سینکڑوں روپے خرچ کرنے سیکھے تھے اور روپیہ بچاکر بڑھانے کی کوئی تعلیم نہ ہوئی تھی البتہ ایک لڑکا گورکھپور میں کلرک ہوگیا تھا وہ اس قابل نہ تھا کہ اتنے بڑے کنبے کا بار اٹھاتا۔ بچوں میں ہی ان کا تعلیمی بیمہ نہ ہوا تھا جس سے اسکول میں پڑھنے والوں کی تعلیم جاری رہتی نہ تحصیلدار صاحب کی زندگی کا بیمہ ہوا تھا جس سے بیوی کو کچھ مل رہتا۔ غرض کہ لوگوں کے شرم و لحاظ سے اور تحصیلدار صاحب مرحوم کے حسن اخلاق کی وجہ سے بمشکل تمام قرض خواہوں سے وعدہ وعید ہوکر پیچھا چھٹا اور بال بچے گھر پہنچ گئے۔ یہ حال سن کر جوتشی زار و قطار روتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ تحصیلدار صاحب کی قسمت میں جتنی کمائی لکھی تھی بھگوان نے اس سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی دی۔ مگر وہ اس کا رکھنا اور بڑھانا نہ جانیں تو اس کا کیا علاج ہے میاں لوگ تو اپنی قسمت سے لڑتے ہیں اور اسے ہرا کر چھوڑتے ہیں۔ مجھے تو تحصیلدار صاحب کی کرپا سے ایک ہی رقم مل پائی تھی اس کی بدولت اب کئی پشتوں تک کا سہارا ہوگیا پاس ایک مسلمان اہلکار کھڑے سن رہے تھے جو اس جوتشی کو ان دنوں سے جانتے تھے جب تحصیل میں اس کے واسطے روپیہ جمع کرادیا تھا۔ بے اختیار کہنے لگے۔

”مگر شیطان تو نے سود سے کر بڑھایا۔ ایسے روپیہ بڑھانے پر لعنت“

جوتشی :۔ ”سرکار! جس کام پر لعنت ہوتی ہے وہ کام میں نے نہیں کیا۔ آخر ہماری بھی منوسمرتی میں لکھا ہے کہ سود کھانے والے کا اناج پاخانہ ہے میں بنیوں والا سود نہیں کھاتا ہوں کہ غریبوں کا خون چوس لوں میں صرف کاریگروں کو اتنے سود پر دیتا تھا جس سے ان کا کاروبار چلتا رہے۔ کبھی کسی کو نہیں ستایا۔ کسی کا مال نہیں لیا۔ اب جب سے میں نے غلہ کی تجارت کرنے والوں کو منڈی میں سود پر روپیہ دیا ہے تب ہی جو لاہے روتے ہیں اور میری خوشامد کرتے ہیں۔ کیونکہ انھیں بنیئے ستاتے ہیں۔ میاں صاحب ایسے سود کی جیسا میں تجارت کرنے والوں سے لے رہا ہوں جو سو روپیہ سے بیس روپیہ پیدا کرکے دس روپیہ مجھے

دیتے ہیں اور دس خود رکھتے ہیں اس کی مناہی تو اللہ نے تمھیں بھی نہ کی ہوگی اور اگر کی بھی ہوگی تو ہاتھ جوڑکر کہتا ہوں میرا سود کا روپیہ اس روپیہ سے تو بُرا نہ ہوگا جو حضور لوگ تحصیل میں حق کے نام سے لیتے ہیں اس پر میاں صاحب بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے اور پنڈت جی کو کچھ جواب نہیں دیا۔ پاس والوں نے سُنا کہ وہ یہ کہتے جارہے تھے "کہیں اس شیطان نے رسالہ جواز سود معہ فتاوی کا مضمون تو نہیں سُن لیا جو ہمیں قائل معقول کرتا ہے"۔

نظرات

مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کا خط | مصورِ فطرت جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کو مسلمانوں کی مالی ترقی و اصلاح کی طرف جو توجہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ علاوہ بہت سے مفید مضامین کے جناب موصوف نے متعدد کتابیں لکھ کر مسلمانوں کو کسب معاش کے جائز اور نفع بخش وسایل سے آگاہ کیا ہے اور آپ کی اس قسم کی مساعی جمیلہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اسی بنا پر جب آپ نے رسالہ "سود مند" کے جاری ہونے کی خبر سُنی تو اس تجویز کو پسند کیا اور ہم کو حسب ذیل تحریر فرمایا:۔

سود و زیاں

مُسلمانوں کی موجودہ زندگی اس ملک ہندوستان ہی میں نہیں تمام دنیا میں مالی و اقتصادی اعتبار سے سُود مندی سے قطعی محروم اور قعر زیاں میں گرتی چلی جارہی ہے۔ اس کے علاج سینکڑوں تجویز کئے جاتے ہیں مگر سب سے بہتر اور اصلی علاج وہی ہے جو اس رسالہ سود مند کا مطمح نظر ہے۔

بینک کا سود بیاج نہیں ہے اس لئے جائز ہے۔ اس کو بیاج کہنا میری سمجھ کے موافق ناجائز ہے میں اس کو اپنے مختلف تبلیغی اشتہاروں اور تحریروں میں عام طور سے شایع کر چکا ہوں اور صرف لکھتا ہی نہیں میرا عمل بھی یہی ہے کہ بینک میں روپیہ جمع کرتا ہوں اور اس کی آمدنی لیتا ہوں۔ کیوں کہ اس آمدنی کو سود نہیں جانتا اور نہیں مانتا۔ بس یہی رمضان شریف کی موجودگی میں لکھ سکنا میرے امکان میں تھا"۔

ربا کیا ہے؟ | مصر کے مشہور عالم مفتی محمد عبدہ نے ربا کی حسب ذیل تفصیل فرمائی ہے۔

"اَلرِّبَا هُوَ اِسْتِغْلَالُ الْغَنِيِّ حَاجَةَ الْفَقِيرِ" یعنی ربا یہ ہے کہ "اہل ثروت اشخاص محتاجوں کی ضرورتوں کو تنہا اپنے ہی نفع کے لئے اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اُن پر قبضہ کر بیٹھیں"۔

اس تعریف سے ظاہر ہے کہ کوئی دولت مند شخص کسی محتاج کو روپیہ قرض دے کر اس کی اس طرح جکڑ بند کردے کہ تمام اس کی آمدنی پر قابض ہو جائے تو صرف یہ ربا ہے اور حرام ہے مگر جو روپیہ کاریگروں اور کاروباری لوگوں کو اس طرح دیا جاتا ہے کہ وہ زیادہ روپیہ پیدا کر کے منافعہ کا ایک مناسب اور معین یا غیر معین حصہ روپیہ والے کو دیں جس سے دونوں کا یکساں نفع ہو۔

تعلیمی بیمہ

اس زمانہ میں کم وبیش ہر شخص کی خواہش یہ ہو کہ اُس کی اولاد تعلیم یافتہ ہو بالخصوص اس وجہ سے کہ آج کل معاش کا دارو مدار تعلیم پر ہے - ہندوستان میں تعلیم ہمیشہ سے مفت تھی - امیر غریب کسی کو بھی تعلیم کے لئے روپیہ فراہم کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی نہ صرف یہ کہ تعلیم کی فیس نہ لی جاتی تھی بلکہ درس گاہوں کی طرف سے طلبار کو کتابیں اور کھانا اور مکان ملتے تھے اب امیر ہو یا غریب ہر شخص کو ان سب چیزوں کے لئے روپیہ بہم پہونچانا پڑتا ہو - خواہ وہ اپنے پاس سے کرے، یا قرض لے یا بھیک مانگے - ظاہر ہے کہ غربا کے لئے اس قسم کے اخراجات بہم پہونچانے نہایت مشکل ہیں گرانی کے ساتھ خوشحال لوگوں کو بھی یوں کہ اس قسم کے اصراف کی عادت نہیں اس لئے وہ ناگوار ضرور معلوم ہوتے ہیں - بالخصوص دیگر ممالک کو تعلیم کے لئے بچوں کو بھیجنے میں جو غیر معمولی اخراجات پڑتے ہیں اُن کا تحمل ہونا ہر شخص کا کام نہیں -

طلبار کی اس قسم کی مشکلات دیکھ کر بعض انجمنوں نے یہ انتظام کیا ہے کہ طلبار کو تعلیم کے لئے قرض حسنہ یا وظیفہ دیتی ہیں مگر چند انجمنیں ہزاروں ضرورتمند طلبار کی جملہ ضروریات کی کہاں تک کفیل ہو سکتی ہیں نتیجہ یہ ہو کہ ہزاروں لڑکے تعلیم کے لئے پریشان پھرتے ہیں - ہمیں یہ خیال ہوا کہ جس طریقے سے انسان کی زندگی کا بیمہ ہوتا ہو اسی طرح سے بچوں کی تعلیم کا بیمہ بھی عجب نہیں کہ ہوتا ہو - چنانچہ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ چند کمپنیوں نے اس کا انتظام کیا ہو -

بعض اصحاب ممکن ہے کہ بیمہ کو جوا سمجھتے ہوں مگر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اوّل تو بیمہ بجائے خود مسلمانوں کی ایجاد ہے جب کہ وہ اسپین میں تجارت کرتے تھے اس کے علاوہ جُوا وہ ہو جو غیر یقینی ہو حالاں کہ انسان کی انفرادی زندگی جس قدر غیر یقینی ہو ویسے ہی اس کی اجتماعی زندگی یقینی ہے - مثلاً یہ کہ صدیوں کی اموات کا حساب لگانے سے معلوم ہوا ہو کہ چالیس سال کی عمر کے دس ہزار اشخاص میں سے ایک سو آدمیوں کے قریب ایک سال کے اندر مرتے ہیں اس حساب سے دس ہزار آدمی ایک ایک سو روپیہ کا بیمہ کرائیں تو ہر ایک کو ایک ایک روپیہ دینا چاہیئے تاکہ اس سال مرنے والے ایک سو آدمیوں کے ورثار کو سو سو روپیہ مل جائیں - اسی اُصول پر تعلیمی بیمہ رکھا گیا ہو جس کی بنا پر بیمہ کرنے والے اور بیمہ کرانے والے کو فائدہ رہتا ہو -

مثلاً ایک شخص جس کی عمر پینتیس سال ہو چاہتا ہے کہ اس کے یک سالہ بچے کو سولہ سال کی عمر ہونے پر کالج کی تعلیم کے لئے کافی روپیہ ملتا رہے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ وہ اپنے بچہ کا دو ہزار کا بیمہ کرائے اس کے لئے اسے چھیانوے روپیہ سال یا صرف آٹھ روپیہ مہینہ کے حساب سے دینے پڑیں گے۔ اس قدر دینے پر اس کے بچے کو پانچ سال تک چار سو روپیہ سال یعنی تینتیس روپیہ ماہوار ملیں گے جو کالج کی تعلیم کے لئے بالکل کافی ہیں۔ اس طریقہ میں سولہ سال میں کُل ساڑھے پندرہ سو روپیہ کے قریب دیے جائیں گے اور دو ہزار روپیہ بچہ کو ملیں گے اور اگر بیمہ کرانے والا ایک یا چند اقساط دینے کے بعد مرجائے تب بھی لڑکے کو اسی قدر روپیہ ملے گا اور اگر بچہ مرجائے تو ایک قسط منہا کرنے کے بعد کل روپیہ سرپرست کو مل جائے گا یا کسی دوسرے بچے کے نام منتقل ہو جائے گا۔

اکثر خوش حال لوگ سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنے بچوں کا بیمہ کرانے کی ضرورت نہیں۔ مگر اکثر دیکھا گیا ہے کہ خوش حال لوگوں کے انتقال کے بعد ایسی پیچیدگیاں پڑجاتی ہیں کہ تعلیم رک جاتی ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ نقد روپیہ کسی ایک کے قبضے میں آجاتا ہے۔ کبھی جائداد کو کوئی شخص دبا بیٹھتا ہے۔ اور بچوں کو اُن کا حصہ نہیں مل سکتا۔ مگر جن بچوں کا تعلیمی بیمہ ہو جاتا ہے انہیں اس کی کوئی پروا نہیں رہتی کہ اُن کا ولی انہیں خرچ دے تب ہی اُن کی تعلیم جاری رہے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق اپنے بچوں کا تعلیمی بیمہ کرائے۔ آیندہ کسی اشاعت میں تعلیمی بیمہ کی زیادہ تفصیل بیان کی جائے گی۔

(ایڈیٹر)

کفایت شعاری کے مضمون کیلئے

انعام

یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو اس وقت سب سے زیادہ اپنی حالت درست کرنے کی ضرورت ہے کیوں کہ وہ سب سے زیادہ مفلس و نادار ہیں۔ اس لئے بالعموم دو تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں۔

(۱) جو کچھ کم و بیش کمایا جائے اس میں سے زیادہ سے زیادہ بچانا یعنی کفایت شعاری اختیار کرنا۔

(۲) بلا لحاظ بچانے اور بڑھانے کے زیادہ سے زیادہ روپیہ پیدا کرنا۔ سردست ضرورت ہے کہ اوّل الذکر حصہ پر مضامین لکھے جائیں۔ پس قوم کے باخبر اور تجربہ کار اصحاب کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو کفایت اختیار کرنے کے صحیح اور عملی طریقے بتائیں اور اپنے مضامین جو رسالہ سود مند کے چھ صفحات سے کم نہ ہوں ۳۱ جولائی ۱۹۲۵ء تک ہمارے پاس بھیج دیں۔ بہترین مضمون کے لئے پچیس روپیہ اور مطبوعہ مضمون کی پچیس کاپیاں نذر کی جائیں گی۔ اوّل مضمون کے علاوہ جو مضامین مفید اور کارآمد ہوں گے وہ بھی سود مند میں شائع کر دئیے جائیں گے۔

نیاز مند۔ (ایڈیٹر) سود مند علی گڑھ

سادگی اور صحت

نمبر (۱)

۱۔ تمہید یہ مسلّم امر ہے کہ مسلمان مفلس ہونے کے ساتھ مُسرف ہیں اور اس اسراف کا ظہور زیادہ تر کھانے اور پینے کی چیزوں میں ہوتا ہے۔ گویا مسلمانوں میں دو متضاد حالتوں کے لوگ ہیں ایک وہ جو شدّت افلاس سے کمزور ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو پُرتکلّف کھانوں کی زیادتی کی وجہ سے بیمار اور زیر بار علاج رہتے ہیں۔ دواؤں کا یہ خاصّہ ہے کہ یا تو اُن کے استعمال سے مرض جلد تر رفع ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر مرض کے دور ہونے میں کچھ دیر ہو جاتی ہے تو خود مختلف قسم کی دواؤں کی وجہ سے جسم میں ایک قسم کی سمیت جمع ہو جاتی ہے جو دوسرے امراض پیدا ہونے کی موجب ہوتی ہے اس طرح دواؤں اور امراض کے درمیان ایک دورِ تسلسل قائم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک دوا جگر کی اصلاح کرتی ہے تو گردے کو کچھ نقصان پہونچاتی ہے پھر گردوں کی اصلاح کے لئے دوسری دوا دی جاتی ہے جو تلّی کو بڑھا دیتی ہے۔ اسی طرح دواؤں کا سلسلہ جاری رکھ کر رفتہ رفتہ انسان مزمن امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ہر وقت خطرہ کی زندگی بسر کرتا ہے عام طور پر ہندوستان میں یہی حالت ہے کہ بعض خاندان تو علاج دستیاب نہ ہونے سے ہلاک ہو جاتے ہیں اور جو نسبتاً خوش حال ہیں اُن کے گھروں میں دواخانوں سے دوائیں آنے کا ایک سلسلۂ نامتناہی جاری رہتا ہے جس سے مدّت العمر نجات نہیں ہوتی اور اس کا معتدبہ اثر نہ صرف اُن کی صحتوں بلکہ مالی حالت پر پڑتا ہے اور چوں کہ رسالہ سودمند کی غرض مالی اصلاح ہے اس لئے اُس کی تبلیغ بغیر اس کے مکمل نہ ہوگی کہ مسلمانوں کو سادہ زندگی بسر کرنے کے طریقے بتائے جائیں جن سے وہ ایک حد تک بغیر دواؤں کے استعمال کے تندرست اور خوش و خرم رہ سکیں۔ علمِ طب و ڈاکٹری کی اب تک تمام تر توجہ اس طرف رہی ہے کہ جو امراض پیدا ہوں اُنھیں دُور کرنے کے لئے دوائیں ایجاد کی جائیں۔ مگر اب یورپ اور امریکہ اور نیز ہندوستان میں ایسے طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں جو بیماری کے لئے حفظ ماتقدّم کا کام دیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ جدید اور مستند کتابوں کی بنا پر ہم اس قسم کے مضامین کا سلسلہ اس رسالہ میں شروع کریں جس کا پہلا مختصر مضمون اس نمبر میں درج کیا جاتا ہے۔

۲۔ بیماری کی وجہ ہر شخص واقف ہے کہ غذاؤں کا فضلہ جو خارج ہونے سے رہ جاتا ہے وہ جسم میں مجتمع ہو کر بیماری کا باعث ہوتا ہے۔ قدرتی طور پر جسم اُسے خارج کرنا چاہتا ہے پس یا تو وہ دست اور سے

اور پسینہ وغیرہ کی شکلوں میں بسہولت خارج ہوجاتا ہی ورنہ بخار وغیرہ پیدا کرکے بتدریج تحلیل ہوتا ہے جس سے انسان کمزور ہوجاتا ہی - قدرتی طور پر فضلہ کے تحلیل ہونے میں چونکہ دیر لگتی ہے اور بعض وقت از خود تحلیل بھی نہیں ہوتا اس لئے دواؤں کے ذریعہ سے اُسے تحلیل یا خارج کیا جاتا ہے اور یہی دواؤں کے ذریعہ علاج کہلاتا ہی - پس جسم کو امراض سے بچانے کی یہ تدبیر ہے کہ اس امر کی نگرانی رکھی جائے کہ جسم سے غذاؤں کا فضلہ اس طرح خارج ہوتا رہی کہ کسی قسم کی کثیفت جو انجام کار بیماری پیدا کرتی ہی جسم میں باقی نہ رہنے پائے - گویا صحت قایم رکھنے کے طریقے وہی ہیں جو جسم کو ہر قسم کی اندرونی اور بیرونی سمیّتوں سے پاک وصاف رکھیں -

٣- غذا | انسان کو جسم کی پرورش کے لئے غذا کی ضرورت ہوتی ہی - اگر انسان کا کام بغیر غذا کے چل جاتا تو پھر نہ اُس کے جسم میں کوئی مضر چیز داخل ہوتی نہ فضلہ پیدا ہوتا - نہ فضلہ خارج ہونے سے بچکر جسم میں بیماری پیدا کرتا اور ہلاکت کا باعث ہوتا - یہ تمام تر فساد غذا ہی کا پیدا کیا ہوا ہی - پھر یہ کہ غذا ہی پیدا کرنے کے لئے وہ جانداروں کو ہلاک کرتا ہی اسی کے لئے باغوں اور جنگلوں کو بارونق اور آباد کرتا اور پھر شکم پُری کے لئے انھیں اجاڑ دیتا ہی - یہ تو غذا حاصل کرنے کے لئے جائز طریقے سمجھے جاتے ہیں - اس کے علاوہ وہ اسی کے لئے دھوکہ دہی، چوری اور ڈکیتی کرتا ہی جو ناجائز ہیں - بہرحال یہ باتیں اس وقت ہمارے دائرہ سے باہر ہیں اس لئے انھیں نظر انداز کرکے مختصر طور پر تحریر ہی کہ غذا جس طرح بھی حاصل ہو ضرورت ہی کہ جسم میں داخل کرنے سے قبل دیکھ لیا جائے کہ وہ صحیح حالت میں ہی اور صحت کے لئے مضر تو نہیں ہی - اس کی جانچ کے لئے خداوند تعالیٰ نے انسان کو قوت ذائقہ عطا فرمائی ہی جو چیزیں کھانے میں اچھی معلوم ہوتی ہیں وہ بالعموم اُس کے لئے مفید اور جو تلخ یا بدذائقہ ہیں وہ صحت کے لئے بالعموم مضر ہیں - مگر متمدن انسان نے مزیدار چیزیں بنانے کے لئے طرح طرح کے مسالے اور چٹ پٹی چیزیں ایجاد کیں اور اُن کے ذریعہ مضر اشیا کا ذائقہ درست کرکے خود قوتِ ذائقہ کا نشوونما کیا اور مختلف چیزیں چبانے اور چاٹتے رہنے پر بھی اس کی تسلی نہیں ہوتی اور آئے دن نئے نئے کھانے اور شربت ایجاد کرتا رہتا ہی جن کا مقصد یہ قرار دیا گیا ہی کہ زیادہ سے زیادہ کھانے کی چیزیں معدہ میں پہونچتے رہنے کا سلسلہ جاری رہی -

(باقی آئندہ)

قواعد انجمن فلاح المسلمین

مسلمانوں کی مالی اصلاح کے لئے ضرورت ہے کہ ہر مقام پر مندرجہ بالا نام کی ایک انجمن قایم کی جائے۔ ذیل میں بطور نمونہ کے چند قواعد درج کئے جاتے ہیں امید ہے کہ اس نمونہ پر انجمنیں قایم کر کے مقامی ضروریات کے مطابق قواعد بنالئے جائیں گے اور جہاں کوئی انجمن پہلے سے موجود ہو وہ بھی مسلمانوں کی مالی بہبودی کے کام کو اپنے قواعد میں داخل کرے گی اور اپنی کارروائی سے اڈیٹر سود مند کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتی رہے گی۔ جدید انجمن قایم ہونے کی خبریں رسالہ سود مند میں شائع کی جائیں گی۔

مجوزہ قواعد یہ ہیں :-

(۱) فلاح المسلمین کے مقاصد وہی ہوں گے جو صفحہ اوّل پر پہلی تین دفعات میں درج ہیں۔

(۲) ممبروں کے ذاتی فرائض حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) اپنی آمدنی کا کم سے کم دسواں حصہ کسی بنک یا ڈاک خانہ یا کسی محفوظ مقام میں جمع کرنا۔

(ب) اپنی زندگی کا بیمہ کرانا تاکہ پس ماندگان کسی کے دست نگر نہ ہوں اور ہر بچہ کا تعلیمی بیمہ کرانا تاکہ اس کی تعلیم بے کھٹکے ہر حالت میں جاری رہ سکے۔

(ج) اپنے بچوں کو ابتدا سے روپیہ بچانے اور بڑھانے کی تربیت دینا۔

(د) خود نہایت سادہ زندگی بسر کرنا اور شادی غمی کے مسرفانہ اخراجات سے بچنا۔

(۳) ممبروں کے ملی فرائض حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر روپیہ کا کاروبار کریں اور مسلمان دوکان داروں اور کاریگروں کو معین اور غیر معین منافعہ پر روپیہ دیکر انھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرائیں۔

(ب) مسلمانوں میں انجمن ہائے امداد باہمی اور مشترک سرمایہ کی کمپنیاں قائم کرانا۔

(ج) مسئلہ سود کے اصلی معنوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اور اس مضمون کی کتابیں مسلمانوں سے پڑھوانا اور ان کے مضامین ناخواندہ مسلمانوں کو پڑھ کر سنانا۔

مسلمانوں کی مالی حالت کا آئینہ

اسلامی انجمنوں اور مسلم ہمدردوں کی خدمت میں عرض ہو کہ وہ اپنے اپنے مقامات میں مسلمانوں کی مالی حالت کی نسبت تحقیق کریں اور اُس سے ازراہ کرم ہمیں اطلاع دیتے رہیں تاکہ وہ حالات یا اُن کا خلاصہ مسلمانوں کی اطلاع کے لئے رسالہ ہوشمند میں شایع کیا جایا کرے۔ مالی حالت کی تفتیش میں حسب ذیل سوالات سے مدد ملے گی۔

(۱) آپ کے قصبہ یا شہر یا ضلع میں جہاں کا حال آپ کو لکھنا ہو دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کی نسبتی تعداد کیا ہو۔

(۲) بمقابلہ گزشتہ دس بیس سالوں کے مسلمانوں کی زمینداریاں اور جایدادیں اب بڑھ رہی ہیں یا گھٹ رہی ہیں۔

(۳) صنعت و حرفت اور تجارت میں مسلمانوں کی نسبتی حالت کیا ہو۔ آیا کسی خاص قسم کی تجارت و صنعت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔

(۴) مسلمان کاریگر، کاشتکار اور دوکان دار بالعموم کس قوم کے لوگوں سے قرض لیکر اپنا کاروبار کرتے ہیں۔

(۵) مسلمان پیشہ ور بالعموم کفایت شعار اور خوش چلن ہیں یا مسرف اور بدچلن۔

(۶) مسلمانوں کو قرضداری کے چکر سے نکالنے اور اُن کا کاروبار درست کرنے کے لئے آیا آپ کے یہاں انجمن ہائے امداد باہمی یا مشترک سرمایہ کی کمپنیاں ہیں یا نہیں۔

(۷) شادی اور غمی کی تقریبات میں آپ کے ہاں برباد کن مراسم کیا کیا ہیں اور اُن کے بند کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہو۔

(۸) آپ کے ہاں مسلمانوں کی تعلیمی حالت کیسی ہو۔ کوئی قومی مدارس یا انجمنیں ہیں کہ نہیں۔

(۹) آپ کے نواح میں برادرانِ وطن اپنی بچوں کے لئے کفایت شعاری کے کیا طریقے استعمال کرتے ہیں۔

(۱۰) آپ کے نزدیک مسلمانوں کی مالی حالت کی درستی کے لئے کیا طریقے ہو سکتے ہیں۔

(التماس) جو اصحاب یا انجمنیں یہ حالات جمع کر کے مہربانی سے ہمارے پاس بھیجیں وہ اُن کی نقل اپنے پاس بھی محفوظ رکھیں اور سال بسال اس کا مقابلہ مسلمانوں کی حالت سے کرتے رہیں

خاکسار

اڈیٹر ہوشمند

رجسٹرڈ نمبر ۱۴۳۵

سود بہبود اور فلاح خود میرا کام ہوں مستمند
قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا......

سود

آنریری ایڈیٹر
مہتمم جعفری حسین

جو مہینہ میں ایک بار علی گڑھ سے شایع ہوتا ہی

جلد (۱)	یکم جولائی سنہ ۱۹۲۵ع	چندہ سالانہ (عمہ)
نمبر (۲)		قیمت فی پرچہ (۳ر)

مقاصد

(۱) افراد قوم کو ترغیب دنیا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس وگداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمن ہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ملک سے ربا کو جو برباد کن اور حرام ہی مٹا دے

(۳) فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا۔ اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار و تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

(۵) مسلمانوں کی صحتِ جسمانی - ذہنی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شایع کرنا۔

باہتمام محمد مقتدیٰ خان شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طبع ہوا
۱۳۴۳ھ ۱۹۲۵ع

فہرست مضامین سودمند

قواعد خریداری سودمند

(۱) یہ رسالہ بالعموم ۳۲ صفحات پر مہینہ میں ایک بار شایع ہوگا۔

(۲) قیمت سالانہ دو روپیہ ہے جو منیجر سودمند علی گڑھ کے پاس بھیجدی جاے یا وی پی بھیجنے کی ہدایت فرمائی جاے

(۳) نمونہ کا پرچہ بلاقیمت روانہ ہوگا

(۴) رسالہ کے لئے مضامین ایڈیٹر سودمند علی گڑھ کے پاس ارسال فرمائے جاویں

(۵) اشتہارات کا نرخ۔ منیجر سے معلوم کیا جاے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سودمند

جلد ۱
نمبر ۲

یکم جولائی سنہ ۱۹۲۵ع

چندہ سالانہ عہ
قیمت فی پرچہ ۳

جوابِ خیر مقدم منجانب سودمند

از منشی محمد عبداللہ صاحب مشتاق - علی گڑھ نیلی چھتری

السلام اے مصلحانِ قوم والا اقتدار
والسلام اے چارہ سازِ بیکسانِ عالی وقار

السلام اے ممبرانِ قوم پاکیزہ خصال
والسلام اے طبقۂ مسلم سقیم الحال و زار

السلام اے ناظرین و قارئین و سامعین
والسلام اے زندہ دل مشتاق برجستہ نگار

میری آمد پر کیا جو خیر مقدم آپ نے
اُس کا میں ممنونِ منت ہوں ولیکن شرمسار

جو امیدیں مجھ سے وابستہ ہوئی ہیں آپ کی
آپ کا یہ حسنِ ظن ہے اور شریفانہ شعار

ورنہ حضرت میں کجا اور خدمتِ قومی کجا
میں تنِ تنہا نہتہ بے کس و بے یارِ غار

ہاں مگر اس قادرِ مطلق کی ہے قدرت بڑی
بے حقیقت رائی کے دانہ کو کر دے کوہسار

ذرۂ بے قدر کو مہرِ درخشندہ کرے
قطرۂ ناچیز ہو دریائے ناپید اکنار

آگیا ہے وقت گر اس قوم کے اقبال کا
اور خدا کے حکم سے آنے کو ہے تازہ بہار

پھر مرے دم خم میرے ہاتھ اور میرے داوَ پیچ
دیکھ لینا کس طرح کرتے ہیں موذی کا شکار

لیکن اس میں شرط ہے اک اور بھی سب سے بڑی
کامیابی کا اسی پر ہے بڑا دار و مدار

شرط آساں ہے نہایت سہل ہے بے لاگ ہے
بے خطر ہے بے ضرر ہے اور منافع بے شمار

شرط وہ یہ ہے کہ میرا ساتھ دے کچھ قوم بھی
سودمندی کامری بس ہے اسی پر انحصار

شرط وہ یہ ہے کہ جو کچھ میں کہوں اس کو سنی
جو بتاؤں ہو عمل اس پر نہ رہے اعتبار

کرلیا گر میری تدبیروں پہ تھوڑا سا عمل
دیکھ لینا پھر وہی صبح و مسا لیل و نہار

میرے اغراض و مقاصد بھی ذرا سن لیجئے
دیکھئے ہیں کس قدر راحت رساں اور خوشگوار

میرا مقصد ہے مسلمانوں کو یہ ترغیب دوں
زندگی سادہ غریبانہ کریں وہ اختیار

میری خواہش ہے مسلمانوں کو آمادہ کردوں
کواپریٹیو بنکس کے بن جائیں سب سرمایہ دار

میرا مطلب ہے مٹادوں لغو وہ رسم و رواج
جن سے بربادی و ناداری ہوئی ہے ہمکنار

مختلف حصوں میں جو بھائی مسلماں ہیں مقیم
اقتصادی حالت ان کی اور ان کے کاروبار

رحمتِ جسمانی و ذہنی و ترقی کے اصول
عام بہبودی کے مضموں میں کروں گا آشکار

تاکہ افلاس اور نکبت کی مصیبت سے بچیں
اور خوش گزران قوموں میں ہوں ان کا بھی شمار

لیں حصص قومی و ملکی بنکس میں دل کھول کر
بے دھڑک کرنے لگیں اس سلسلہ میں کاروبار

عہد مضبوطی سے یہ کرلیں اگر مرجائیں بھی
غیر مسلم سود خواروں سے نہیں لینگے ادھار

تاکہ گھٹ جائے کمی یہ عام موذی شرح سود
ہوچکے ہیں خانداں کے خانداں جس کے شکار

وہ ربوا جو ہو چکا اسلام میں مطلق حرام
ہوں مسلماں معصیت سے اس کی بالکل رستگار

خرچ اخراجات میں سیکھیں کفایت کا سبق
تاکہ اطمینان سے حاصل ہو راحت پائیدار

جو تجارت اور حرفت کر رہے ہیں جس طرح
پیش سب کرتا رہوں گا من و عن تفصیل وار

بس یہی مندرجہ بالا ہیں سب میرے اصول
ان کی تبلیغ و اشاعت کا ہوں دل سے خواستگار

دیکھئے پھر بھی محبت سے بلاتے ہو مجھے
آپ کے حسنِ طلب کا ہوں میں ایک امیدوار

اب دوبارہ شکریہ کے بعد ہے میری دعا
اے خدائے دو جہاں اے صانعِ لیل و نہار

دور کردے اپنی قدرت سے مصائب قوم کے
پھر قرونِ اول و ثانی کی دکھلا دے بہار

کر قبول اپنے ترحم سے دعائے سودمند
پار کر بیڑا مسلمانوں کا اے پروردگار

بنک سے سود وصول نہ کرنا

ہدم ارکان شریعت ہے

جمعیۃ العلماء ہند کے مقتدر اخبار جمعیۃ دہلی کے ۲ مئی ۱۹۲۵ء کے نمبر میں بنک کے سود کے بارہ میں محترم ایڈیٹر صاحب کا حسب ذیل نوٹ تحریر ہے۔

"۱۰ مارچ کو کونسل آف اسٹیٹ میں سیٹھ ہارون جعفر صاحب نے ایک رزولیوشن پیش کیا تھا جس کا مدعا یہ تھا کہ سیونگ بنکوں اور حکومت کی ضمانتوں کے سرمایہ کا جتنا سود جمع ہوتا ہے اس کو کسی اور مصرف میں صرف کرنے کے بجائے مسلمان طلبہ کو تعلیمی وظائف دے کر انہیں مسلم یونیورسٹی میں بھیجدیا جائے حکومت نے اس مطالبہ کو اصولاً تسلیم کر لیا، مگر مصرف کے متعلق جواب دیا کہ اگر مسلمانوں کی اکثریت اس خیال کی حمایت کرے گی تو اس روپیہ کو اسی کام میں صرف کر دیا جائے گا۔ چنانچہ سیٹھ صاحب کی تجویز کونسل کے آئندہ گرمائی اجلاس کے لئے ملتوی کر دیا گیا تاکہ اس وقت تک اسلامی رائے عامہ کی کافی تحقیق ہو جائے۔

جب سے ہندوستان میں بنک قائم ہوئے ہیں یہ مسئلہ علمائے اسلام کے زیر غور ہے کہ آیا بنک کا سود ربوا کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ علمائے مصر میں نے اس کو جائز ثابت کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن علماء کی اکثریت بلکہ سواد اعظم کا مسلک ابھی تک یہی ہے کہ بنک کا سود ربوا ہے اور اس کا لینا حرام اس فتوے کی بنا پر اکثر دیندار مسلمان بنک سے سود نہیں لیتے اور خصوصاً اسلامی اوقاف کا جتنا روپیہ بنکوں میں داخل کیا جاتا ہے اس پر کوئی سود نہیں لیا جاتا لیکن اس میں ایک اور قباحت ہے جو سود لینے سے بھی زیادہ خراب ہے۔ قواعد کی رو سے ہر بنک مجبور ہے کہ وہ تمام جمع شدہ سرمایہ پر ایک خاص شرح کے مطابق سود الگ کر دیا کرے اور اگر صاحب سرمایہ اس کو لینے سے انکار کر دے اور اس کا کوئی اور مصرف نہ بتائے تو اس وضع کردہ رقم کو سالوشن آرمی (مکتی فوج) کے فنڈ میں داخل کر دے۔ اس قاعدہ کے مطابق مسلمانوں کے سرمایہ کا منافع ایک کثیر مقدار میں ہر سال اس جماعت کو مل جاتا ہے اور وہ اس سے مسیحیت کی تبلیغ کرتی ہے۔

ایسی حالت میں شریعت اسلامی کا فتوے یہ ہے کہ اگر بنکوں میں سرمایہ جمع کرانا ناگزیر ہو تو اس کا

سود وصول کر لینا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ سود لینے سے بدرجہا زیادہ بری بات ہے کہ ہم اپنے روپیہ سے کفر کی اشاعت میں مدد دیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس روپیہ کو اپنی ذات پر صرف نہ کیا جائے، بلکہ اسے صدقہ کر دیا جائے۔ اس باب میں فقہا کی صاف تصریح ہے کہ ان الخبیث واجب التصدق فلا یاخذ الا من یجوز له اخذ الصدقة۔ یعنی مال حرام کو صدقہ کر دینا ضروری ہے اور وہ صرف ایسے ہی شخص کو دینا چاہیئے جس کے لئے صدقہ لینا جائز ہو پس اس تصریح کے مطابق تمام وہ امور خیر جن میں صدقہ صرف کیا جا سکتا ہے۔ بنک کے سود کے مصرف صحیح بن سکتے ہیں مثلاً فقرا و مساکین کی اعانت یتامیٰ کی پرورش، نادار طلبہ کی امداد اور تبلیغ و حفاظت اسلام وغیرہ۔

سیٹھ ہارون جعفر صاحب کا رزولیوشن بھی شریعت کے اس حکم کے مطابق بالکل درست ہے اور طلبا کی امداد و اعانت اس صدقت کا بہترین مصرف ہے لیکن اس کے لئے صرف علی گڑھ یونیورسٹی کی تخصیص کرنے سے بہتر صورت یہ ہے کہ اس روپیہ کو تمام صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ادبی تعلیم کے صرف کرنے کے بجائے مختلف قسم کی صنعتی تعلیموں پر صرف کیا جائے۔ مثال کے طور پر جب یہ معلوم ہو جائے کہ ہر سال کتنی رقم اس مد میں جمع ہوتی ہے تو اس کے بعد ایک خاص تعداد مقرر کر دی جائے کہ اتنے طلبا کو فن زراعت کی تعلیم دی جائے گی، اتنے طلبا انجنیرنگ کے مختلف شعبوں میں بھیجے جائینگے اور اتنے اقتصادیات یا سائنس کی تعلیم میں۔

مگر اس تجویز سے صرف اسی روپیہ کی حفاظت ہوتی ہے جو سیونگ بنکوں میں جمع ہوتا ہے اور دوسرے چارٹرڈ بنکوں پر یہ قانون نافذ العمل نہیں ہوتا۔ ہمارے خیال میں اس امر کی ضرورت ہے کہ اس کے تحفظ کی بھی کوئی صورت پیدا کی جائے۔ اور اگر اس کا کوئی باقاعدہ انتظام ممکن نہ ہو تو ہر شخص احکام شریعت کے مطابق خود ہی انفرادی طور پر جمع کردہ سرمایہ کا سود وصول کرکے اسے تبلیغ و امداد یتامیٰ وغیرہ اسلامی امور خیر پر صرف کر دیا کرے۔ کیونکہ اس باب میں تساہل سے کام لینا ہدم ارکان شریعت میں حصہ لینے کا ہم معنی ہے۔ اور اس سرمایہ سے تبلیغ مسیحیت اور ارتداد مسلمین کا جتنا فتنہ برپا ہوتا ہے اس کا سارا وبال مسلمانوں کے ذمہ عاید ہوتا ہے۔

(سود مند) جس اہم امر کی طرف اخبار جمعیۃ نے توجہ دلائی ہے امید ہے کہ دیگر معزز معاصرین بھی مسلمانوں کو آمادہ کریں گے کہ وہ کم سے کم مقامی درس گاہوں اور اوقاف کا روپیہ سرکاری پرامیسری نوٹوں میں داخل کرکے روپیہ کو محفوظ اور ذرائع آمدنی کو مستقل کر لیں۔

اقتصادی

ثواب	گناہ
(۱) جس قدر روپیہ زمین میں دفن ہو اُسے وہاں سے نکال کر معتبر بنکوں میں داخل کرنا۔ اُس کے کیش سرٹیفکیٹ خریدنا معتبر کارخانوں میں لگانا۔ غریب کاریگروں اور دوکانداروں کو معیّن اور غیر معیّن منافعہ پر دے کر اُن کے کاروبار کو ترقی دینا اور ریلوں نہروں اور ملک کی ترقی کے کاموں میں لگانا۔	(۱) روپیہ کو زمین میں دفن رکھ کر یا بکسوں میں محفوظ رکھ کر اسے بیکار پڑا رہنے دینا۔
(۲) مستورات کو آمادہ کرنا کہ وہ اپنی خوشی سے قیمتی زیور روپیہ میں منتقل کر کے مندرجہ بالا کاموں میں لگائیں۔	(۲) روپیہ کو زیور میں منتقل کر کے اُس کی حفاظت کی فکروں میں پریشان رہنا اور اپنے خاندان کی جان اور آبرو خطرہ میں ڈالنا۔
(۳) جو سالانہ رقم عمدہ کپڑوں پر صرف ہوتی ہے اُس کا تخمینہ کر کے اور سادہ کپڑوں کی قیمت منہا کر کے باقیماندہ رقم مندرجہ بالا کاموں میں سال بسال لگانا۔	(۳) روپیہ کو ایسے قیمتی کپڑوں پر صرف کرنا جو اہلِ ہند کی عام حالت سے بالاتر ہوں۔
(۴) سادہ سے سادہ کھانا کھا کر اپنی صحت اور مالی حالت کو درست کرنا۔	(۴) روپیہ کو ایسے قیمتی کھانوں میں صرف کرنا جو اہلِ ہند کی عام حالت سے بالاتر ہونے کے ساتھ ثقیل الہضم اور مضر صحت ہوں۔
(۵) اپنے بچوں کو روپیہ بچانے پر انعامات دے کر انھیں کفایت شعاری سکھانا۔	(۵) اپنے بچوں کو چاٹ کے لئے پیسے دے کر انھیں مسرف اور چٹورا بنانا۔
(۶) اپنی اہلیہ کے لئے اپنا جان بیمہ کرانا اور ہر بچہ کا تعلیمی بیمہ کرانا۔	(۶) اپنی اہلیہ کے لئے جان بیمہ نہ کرانا اور اپنے بچوں کو تعلیمی بیمہ سے محروم رکھنا جس کے بغیر پسماندگان برباد اور تباہ ہو جاتے ہیں اور بعض وقت گداگری پر مجبور ہوتے ہیں۔

طفیل احمد

انہدام سرمایہ داری

نظامِ سوویٹ کی تشریح دنیا میں ہمیشہ سے کام لینے والوں اور کام کرنے والوں کے درمیان کشمکش رہی ہے۔ ابتدائی زمانہ میں جب دو قوموں میں لڑائی ہوتی تھی تو وہ ایک دوسرے کے قیدیوں کو قتل کر ڈالتے تھے اس بے رحمانہ طریقہ کی یہ اصلاح ہوئی کہ قیدیوں کو زندہ رکھ کر اُن سے کام لیتے تھے کاشتکاری کراتے تھے اور اُن کی پیداواری ہوئی دولت سے عیش کرتے تھے۔ پھر تجربہ سے معلوم ہوا کہ قیدی خوشدلی سے کام نہیں کرتے جس سے کام عمدہ نہیں ہوتا اس لئے غلاموں کو آزاد کر دیا گیا اور انھیں اجرت دے کر اُن سے بڑے بڑے کارخانوں میں کام لینے کا سلسلہ قائم ہوا۔ اجرت دے کر کام لینے والے بڑے بڑے سرمایہ دار ہوتے ہیں جو جاہل کاریگروں کی بے عقلی سے نفع اُٹھا کر انھیں مزدوری کم سے کم دیتے ہیں اور ان کے کام کو زیادہ سے زیادہ قیمت میں فروخت کر کے اُس سے زندگی کے لطف اُٹھاتے ہیں۔ کاریگروں کی یہ حالت ان قیدیوں سے جو قتل کر دیئے جاتے تھے اُس کے بعد غلام بنائے جاتے تھے ہزار درجہ بہتر ہے کیونکہ اب انھیں بالعموم کئی کئی روپیہ روزانہ ملتے ہیں جن سے وہ نسبتاً اچھی زندگی بسر کرتے ہیں تاہم امرا کے مقابلہ میں چونکہ اُن کی حالت پست ہے اس لئے بنی نوع انسان کے ہمدرد اصحاب اُن پر رحم کر کے اُن کی بہتری کے لئے مختلف تدابیر سوچتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اعلےٰ طبقوں میں کثیر دولت جمع ہو کر غربا کی بربادی اور اُن کی غلامی کی موجب نہ ہو اس کے لئے ہڑتالیں ہوتی ہیں۔ بشرح اجرت بڑھائی جاتی ہے۔ کام کرنے کے گھنٹے کم کئے جاتے ہیں۔ کاریگروں کا حصہ کارخانوں کے منافع میں مقرر کیا جاتا ہے اور ہزاروں قسم کی مختلف تدبیریں غربا کو ابھارنے کی اختیار کی جاتی ہیں۔ بعض دردمندانِ قوم انجمنہائے امداد باہمی کے ذریعہ ادنےٰ طبقہ کو ابھار کر انھیں اتنا خوشحال بنانا چاہتے ہیں کہ وہ بڑے سرمایہ داروں کی غلامی سے نکل جائیں اور ایک جماعت غربا کے خیر خواہوں کی وہ ہے جس کی یہ کوشش ہے کہ سرمایہ داری کو کلیتًہ توڑ کر جملہ انسانوں کو مساوی حالت پر کر دیا جائے اور جو دولت سب مل کر پیدا کریں اُسے قوم کے ہر ہر فرد میں یکساں تقسیم کر دیا جائے۔ ان خیالات کا عملی ظہور گزشتہ جنگ عظیم کے دوران میں روس میں ہوا جب کہ بالشویکوں نے وہاں کی شخصی سلطنت اور سرمایہ داری کو توڑ کر سوویٹ گورنمنٹ کے نام سے ایک جداگانہ سلطنت قائم کی۔ اس گورنمنٹ نے تمام ذاتی جائداد اور سرمایہ اور دولت کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ وہ شخص جو کھیت میں کام کرتا ہے وہ جو نجاری اور آہنگری کا

کام کرتا ہی اور وہ شخص جو وزارت کا کام کرتا ہے سب مثل سلطنت کے ملازم کے ہیں۔ ہر ایک کو سلطنت کی طرف سے کھانے اور کپڑے اور دیگر ضروریات کا ٹکٹ مل جاتا ہی سب کا طرز معاشرت اور تمدن ایک ہے سب کے بچوں کی پرورش اور تعلیم سلطنت کی طرف سے ہوتی ہی۔ اس طریقہ کے جاری کرنے کے چند روز بعد ملک میں سخت قحط پڑے۔ وبائیں پھیلیں۔ لاکھوں آدمی ہلاک ہو گئے۔ ملک بھوکا ہو گیا تمام کاروبار بند ہو گئے حتی کہ بالشویکوں نے مجبور ہو کر اہل یورپ کے سرمایہ داروں سے رجوع کیا اور خوشامد کر کے اپنے ملک میں لگانے کے لئے سرمایہ حاصل کیا اور اس طرح سے ان کا کام چلتا ہوا۔

اب کچھ عرصہ ہوا کہ انگلستان کے ایوان تجارت نے سات آدمیوں کا ایک کمیشن تحقیقات کی غرض سے ملک روس میں بھیجا تھا۔ اس کمیشن کی رپورٹ کا خلاصہ اخبارات میں شائع ہو رہا ہی۔ اس رپورٹ کی نسبت اخبار لیڈر الہ آباد کے ایک نوٹ کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہی جس میں بالشوزم کا تاریک پہلو دکھایا گیا ہی۔

روسی بالشوزم کا تاریک پہلو "جمہوریت روس نے عوام الناس کی فارغ البالی اور مرفہ الحالی کے لئے ایک نیا دور پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن اب سوال یہ ہی کہ کیا وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئی۔ بالشویکی تجربہ سے ایسے نتائج برآمد ہوئے ہیں جن سے دوسرے ملک والوں کو اپنے یہاں اسی قسم کا نظام حکومت قائم کرنے کی ترغیب و تحریص پیدا ہو گئی ہی؟

کیا وہاں کی حکومت کو مختار کل کے اختیارات دیدینے سے ملک کی پیداوار آزادی اور شائستگی میں اضافہ ہو گیا ہی؟

ان سوالات کا جواب یقیناً نفی میں دیا جائے گا۔

جمہوریت کی تائید اور ریال داروں کے خلاف جو تحریک روس میں پھیلائی گئی ہی اس کی بابتہ ممبران کمیشن تحقیقات کو معلوم ہوا کہ زمانہ قبل از جنگ کے مقابلہ میں آج کل روس کی چند مشہور و معروف مصنوعات کی تیاری کی مقدار بہت کم ہی۔ وہاں کی ریلیں برباد ہو گئی ہیں۔ روس کے مزدوروں کی حالت ہر ایک یورپین ملک کے مزدوروں سے بہت ادنےٰ درجہ کی ہے اور وہاں کے کسانوں کی جسمانی صفائی اور اخلاقی حالت یورپ کے ادنیٰ ترین طبقہ سے بھی گری ہوئی ہی اور اس میں شک نہیں کہ ان کی حالت ہندوستانی قلی سے بھی بدتر ہے۔ وہاں کی موجودہ تمدنی حالت خاندانی زندگی کے حق میں تباہ کن ہی۔ اخبارات کو جمہوری جماعت کے کسی فرد پر حملہ کرنے کی ممانعت ہے اور وہاں پر انفرادی

سیاسی آزادی بمنزلہ نفی کے ہی۔

تجارتی اتحادی پالیسی کو منسوخ کرانے کے لئے روس میں بار بار ہڑتالیں ہوتی رہتی ہیں چیدہ معاہدوں سے موجودہ جمہوریہ کا نظام ایسی حالت پر پہونچ گیا ہی جس کو جمہوریت نہیں بلکہ سرکاری برادری یا سرکاری سرمایہ داری کہنا چاہیئے اس وفد نے روس کی موجودہ حالت کی مکمل تحقیقات کرکے یہ مایوس کن نتایج اخذ کئے ہیں۔

روس کے موجودہ نظام حکومت میں کوئی شخص اپنے ورثار کے لئے ایک ہزار پونڈ یعنی پندرہ ہزار روپیہ سے زیادہ نہیں چھوڑ سکتا ہے۔ اس لئے وہاں پر کوئی شخص مالدار نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص کوشش کرکے کچھ روپیہ پس انداز کرے تو اُس کے انتقال کے بعد وہ روپیہ وہاں کی گورنمنٹ کو مل جائیگا۔

زمانہ ماقبل جنگ کے مقابلہ میں آج کل روس میں کوئلہ کی پیداوار ۲۶ فیصد سوت کی ۱۲ فیصد ڈھلے ہوئے لوہے کی ۷۔۱۶ فیصد فلزات کی ۲۵ فیصد اور اونی کپڑے کی ۳۹ فیصد ہی۔ اور دیگر اقسام کی پیداوار کی حالت بھی اسی طرح کی ہی۔ حامیان گورنمنٹ مدعی ہیں کہ جملہ مصنوعات پر گورنمنٹ کا قبضہ ہو جانے سے اُن کی پیداوار میں بیحد اضافہ ہو جائے گا لیکن روس کا تجربہ اس دلیل کی تائید نہیں کرتا۔ روس کے نظام حکومت کی خرابیوں کا اقبال کرنے پر وفد مذکور کو اس طرز حکومت میں چند خوبیاں بھی نظر آئی ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

اول یہ کہ سرکاری نظام تمدن پر وہاں کی گورنمنٹ مبنی ہی جس کے عملی طور پر بہت سے مزدور اور کسان معاون ہیں دوسرے وہ اتحادی نظام پر مبنی ہی جس نے کم تعداد قوموں کو پوری مذہبی اخلاقی اور سیاسی آزادی عطا کردی ہے۔

اگرچہ روسی گورنمنٹ کی مشنری دکل، دوسری سلطنتوں سے اصولاً مختلف قسم کی ہی تاہم وہ اچھی طرح چل رہی ہی اور اگرچہ اُس نے روس کی حالت کچھ بہتر نہیں کی لیکن اُس نے وہ کام کر دکھایا جس کو انجام دینے میں دنیا کا قدیم طرز حکومت قطعی ناکام رہا۔

ان عمدہ نتایج نے سب لوگوں کو بجز ایک مختصر جماعت کے اپنے حق مخالفت سے دست بردار ہونے پر آمادہ کر دیا ہی جو دیگر مقامات پر سیاسی آزادی کے لئے ایک ضروری حق مانا جاتا ہے۔

روس کے اس سارے نظام حکومت میں ایک نہایت دلچسپ جدت ہی جس کا مطالعہ کرنا غیر ملکیوں کے لئے ضروری امر ہی۔

اصل سوال یہ ہی کہ جمہوریت نے جو وعدے کئے تھے کیا وہ پورے ہوگئے اور اس امر کے ثبوت

کی کون سی معتبر شہادت ہی کہ مزدوروں اور کسانوں کی غالب تعداد سوویٹ حکومت کی دل سے مدد و معاون ہی۔

وفد نے یہ بھی بیان کیا ہی کہ گورنمنٹ کو نشر و اشاعت، اخبارات، عدالتوں اور سیاسی مشنری پر پورا اختیار اور قابو حاصل ہی بلکہ اسکول، یونیورسٹیاں اور فوج بھی بالکل اسی کے قبضہ میں ہی۔ گورنمنٹ کو سرمایہ، غیر ملکی قرضہ، تجارت اور زراعات پر بھی پورا اقتدار حاصل ہی۔ اس صورت میں رعایا کے حقیقی جذبات آگاہی حاصل کرنا بے حد دشوار امر ہی۔"

انبا لیڈر کی اس رائے کے سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری ہی کہ بعض مسلمان اپنی قوم کے عام افلاس کے مرض کو مایوس العلاج سمجھ کر یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ دولتمند طبقہ کے خلاف مثل روس کے کوئی ایسا زبردست انقلاب ہوگا جو دنیا سے سرمایہ داری کو نیست و نابود کرکے سب کو یکساں حالت میں کر دیگا۔ مگر جب کہ خود روس میں بعض لوگوں کے نزدیک یہ تجربہ ناکام رہا اور وہاں کی سلطنت سرمایہ داروں کی امداد لینے پر مجبور ہوئی یا خود سلطنت سرمایہ دار بن کر وہاں کی رعایا سے مثل غلاموں کے کام لینے لگی تو اس امر کی کیا امید ہی کہ اس زمانہ میں کوئی قوم بغیر سرمایہ کے زندہ رہ سکتی ہی خواہ وہ چند افراد کا سرمایہ ہو یا سلطنت کا

روسی بالشوزم کا روشن پہلو اگرچہ انبا لیڈر نے روسی بالشوزم کا زیادہ تر تاریک پہلو دکھایا ہی تاہم یہ ناانصافی ہوگی اگر اس تحریک کا روشن پہلو نہ دکھایا جائے۔ اس کے لئے ہمیں اصل رپورٹ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس میں تحریر ہی کہ "وہاں کاریگر کو جو مزدوری دی جاتی ہی وہ ایسی ضروریات کے لئے ہوتی ہے جو نقد روپیہ سے فراہم کی جاتی ہیں۔ باقیماندہ ضروریات مثل تفریح، سفر، علاج، بیمہ حیات، کرایہ مکان اور بچوں کی پرورش کے یہ سب چیزیں سلطنت کی طرف سے فراہم کی جاتی ہیں"۔

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہی کہ سلطنت کی طرف سے وہاں کے مزدوروں کو ضروریات زندگی کے لئے نقد ملتا ہی اس کے علاوہ بہت سے تفریح کے سامان فراہم کئے جاتے ہیں، انھیں تعطیلوں میں سفر کرنے کا خرچ دیا جاتا ہی ان کی زندگی کا بیمہ کرایا جاتا ہے۔ بچوں کی پرورش کی جاتی ہے اور ان سب اخراجات کی کفیل سلطنت ہوتی ہی جو اول یورپ سے سرمایہ قرض لے کر روپیہ پیدا کرتی ہی۔

اب سوال یہ ہی کہ مسلمانوں کے سامنے وہ کون سی تجویز ہے جس کے ذریعہ وہ افراد قوم کو اس قابل کر دیں کہ وہ اپنے کھانے پینے کے سامان، بچوں کی پرداخت اور تعلیم، بیماری میں علاج اور بیمہ کی وجہ سے مرنے کے بعد اپنے پس ماندگان کی پرورش کے افکار سے مستغنی ہو جائیں۔ واقعہ یہ ہی کہ جس قدر

تحریکیں دنیا میں جاری ہیں اُن کی انتہائی غایت یہی ہے کہ جملہ طبقات قوم کم و بیش یکساں خوشحال ہوں نہ کہ مثل مسلمانوں کے غریب سے لیکر امیر تک، کاریگر سے لیکر کارخانہ دار تک، بساطی سے لیکر ملک التجار تک اور ادنےٰ زمینداری سے لیکر بڑی سے بڑی سلطنت تک سب مقروض اور دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام اور پریشان حال ہوں۔ ذاتی طور پر ہم نہ سرمایہ داری کے لئے ڈیڈ ہیں اور نہ بالشوزم کے مخالف ہمارا مقصود تو صرف مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی خندق سے نکالنا ہے اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہر فرد روپیہ کو بچانا اور بڑھانا سیکھے، انجمنہائے امداد باہمی میں شریک ہو، ملک کے کاروبار اور صنعت و تجارت میں حصہ لے کر ایک خوددارانہ زندگی بسر کرنے کے قابل ہے اور بس۔

منگوری

مسلمان اور پلاؤ خوری

از مسلم آوٹ لک

ایک جرمن اخبار نے روسیوں، انگریزوں اور جرمنوں کی خصوصیات کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے کہ تنہا ایک روسی پُرجوش نسبت رکھتا ہے جب دو روسی جمع ہو جاتے ہیں تو فساد کے موجب ہوتے اور تین روسی ایک ہنگامہ پیدا کر دیتے ہیں۔ تنہا ایک انگریز احمق معلوم ہوتا ہے جب دو انگریز جمع ہو جاتے ہیں تو کسی قسم کے کھیل کے میچ کھیلتے ہیں لیکن اگر تین انگریز ایک جگہ جمع ہو جائیں تو اُن کے طرز عمل سے معلوم ہوگا کہ گویا وہ دنیا کی سب سے زبردست قوم کے افراد ہیں۔

تنہا ایک جرمن فلسفی ہوتا ہے اور خیالی نظریات کے متعلق خواب دیکھتا رہتا ہے۔ دو جرمنوں کا جمع ہونا حسد و جھگڑے کا باعث ہوتا ہے لیکن اگر تین جرمن مل جائیں تو وہ ایک سیاسی پارٹی بنا لیتے ہیں۔

اس مضمون میں ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کی خصوصیات کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے اس کمی کو ہم پورا کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ تنہا ایک ہندو ساہوکار ہوتا ہے جب دو ہندو ملتے ہیں تو وہ ساہوکارہ کی ایک کوٹھی بنا لیتے ہیں لیکن جب تین ہندو مل جاتے ہیں تو وہ دنیا کو ٹھیکہ دے کر ایک صوبہ خرید لیتے ہیں۔ اب رہے مسلمان اُن کی خصوصیت یہ ہے کہ تنہا ایک مسلمان بے اکل ہوتا ہے کیونکہ مسلمان مل کر رہنے کے عادی ہیں۔ جب دو مسلمان ملتے ہیں تو دعوتیں کرتے ہیں جس میں پلاؤ ہونا ضروری ہے مگر جب تین مسلمان مل جاتے ہیں تو وہ ایک ہندو سے قرضہ لیتے ہیں تاکہ ایک زبردست اور پُرتکلف دعوت دیں۔

ہندوستان میں بہت سے بنکوں کی ضرورت

لاہور میں (People's Bank of Northern India) یعنی بنک باشندگان شمالی ہند کے افتتاح کی رسم ادا کرنے کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں ہر طبقہ کے ہندو مسلمان اور سکھ شریک تھے۔ اس جلسہ میں آنریبل لالہ ہرکشن لال صاحب نے ایک معرکۃ الآرا تقریر فرمائی جس کا خلاصہ ذیل ہے۔

بنگال بمبئی اور مدراس کے تین پریسیڈنسی بنک کو ملا کر سنہ ۱۹۲۱ء میں امپیریل بنک قائم کیا گیا۔ امپیریل بنک کے علاوہ اس ملک میں اکثر انگریزی بنک بھی ہیں جو کام کر رہے ہیں جن کے دفاتر صدر انگلستان میں ہیں اور ان کے علاوہ انگریزی والے اور ہندوستانیوں کے مشترکہ سرمایہ کے چھبیس بنک درجہ الف اور بیالیس بنک درجہ (ب) کے ہیں۔ الف اور ب کلاس کے بنکوں میں تقسیم اور محفوظ سرمایہ کی مقدار کا فرق ہے جو علی الترتیب پانچ لاکھ اور ایک لاکھ ہے۔ ہندوستان میں اس قسم کے اور بہت سے بنک ہیں لیکن وہ ایسی معمولی حیثیت کے ہیں کہ سرکاری طور پر قابل تذکرہ یا قابل شمار نہیں ہو سکتے ہیں۔ ان بنکوں پر پبلک کے اعتماد کا اندازہ ان رقموں سے ہو سکتا ہے جو ان میں جمع کی جاتی ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ پریسیڈنسی بنک کی ۱۳۰ شاخیں ہیں اور اس میں ۸۰ کروڑ روپیہ تبادلے کے بنکوں میں ۶۸ کروڑ ہندوستانی مشترکہ سرمایہ کے الف کلاس کے بنکوں میں ۵۴ کروڑ اور درجہ ب کے بنکوں میں ۲۵ء۲ کروڑ ہر سال جمع کیا جاتا ہے۔

درجہ ب کے بنکوں کے مالک اور منتظم صرف ہندوستانی ہیں لیکن درجہ الف کے بنکوں کا انتظام یورپین اور ہندوستانیوں دونوں کے ہاتھوں میں مشترکہ طور پر ہے۔ ان بنکوں میں منجملہ دو ارب روپیہ کے خالص ہندوستانی سرمایہ ۲۶ کروڑ روپیہ ہے۔ یہ دو ارب کا سرمایہ بھی زمانہ حال کے یورپین اور نو آبادیوں کے بنکوں کے سرمایہ کے مقابلہ میں بہت حقیر رقم ہے۔

مصدقہ اعداد سے معلوم ہوا ہے کہ دیگر ملکوں میں ایک ایک بنک کی سولہ سولہ شاخیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا مستقل سرمایہ علاوہ دیگر آمدنیوں کے ساٹھ کروڑ پونڈ یعنی نو ارب روپیہ ہے۔

ہندوستان میں پینتیس ہزار میل ریلوے ہے۔ کئی ہزار میل بحری راستہ ہے اور ۳۰ کروڑ کی آبادی ہے۔ اس لحاظ سے یہاں پر بنک برائے نام ہیں۔ سنہ ۱۹۲۵ء نہایت خوش اقبالی کا سال ہے جب کہ ہم درخواست کرتے ہیں کہ بنکوں کی تعداد میں ایک اور بنک کا اضافہ فرمایا جائے۔

لالہ ہرکشن لال صاحب کی مرقومۂ بالا تقریر کی طرف ہم مسلمانوں کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اسلامی بنک زیادہ تعداد میں کھولنے کی کوشش کریں کیوں کہ آج کل دنیا کی تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کا انحصار صرف بنکوں ہی کے قیام پر ہے اور اس وقت بھی ہندوستان میں جو تھوڑی بہت تجارت اور صنعت و حرفت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اس سے حقیقی نفع وہ اسی وقت اٹھا سکتے ہیں جب وہ دیگر قوم کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزادی حاصل کریں اور یہ صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب کہ زیادہ تعداد میں مسلمان اپنے بنک قائم کریں۔ (ایڈیٹر)

روشنی کا مینار

فرانس میں ڈیجون کے نزدیک روشنی کا ایک نہایت زبردست مینار تیار ہوا ہے جو فرانس سے جنوب اور جنوب مشرق کی طرف جانے والے ہوائی جہازوں کی رہبری کریگا۔ اس مینار میں ایک ارب بتی کی روشنی ہر وقت تیار رہے گی جو یا کہو یہی تاریک رات کو دن بنا دے گی۔

اس وقت تک دنیا میں جہازوں کی رہبری کے لئے جو مینار تیار کئے گئے تھے اُن میں سب سے بڑے مینار میں ۳ کروڑ بتی کی روشنی تھی جو اس جدید مینار کی روشنی کے تینتیسویں حصہ سے بھی کم تھی یہ مینار کوہ ادرق پر تعمیر کیا گیا ہے جو سطح سمندر سے دو ہزار فٹ بلند ہے۔ یہ مینار ایسے موزوں مقام پر تعمیر کیا گیا ہے جس کو ہوائی جہازوں کا جنکشن کہنا زیادہ مناسب ہے کیوں کہ یہاں ہو کر ریلوے سوئٹزرلینڈ اٹلی اور ہندوستان وغیرہ کو ہوائی جہازوں کے جانے کا راستہ ہے۔

تحریک امداد باہمی صوبہ بنگال میں تحریک امداد باہمی کی حالت صوبہ متحدہ سے کہیں بہتر ہے جیسا کہ ۲۳-۱۹۲۲ء کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس سال ممبران کی تعداد صوبہ بنگال میں ۴۲۰۱۵۹ اور صوبہ متحدہ میں ۹۰۳۰۵ واقعی صوبہ بنگال میں اس کا سرمایہ ۲۹۰۶۶۰۰۵۹ روپیہ اور صوبہ متحدہ میں ایک کروڑ پانچ لاکھ روپیہ تھا۔ اس سال کے دوران میں ممبران کی تعداد صوبہ بنگال میں بقدر ۴۰ ہزار اور صوبہ متحدہ میں ۹ ہزار زیادہ ہوگئی۔

(ایڈیٹر)

بچوں کا سہارا

از محمد قمر الحسن صاحب قمرؔ بدایونی

سوچئے انسان یہ کھانا کمانا تا کجے
آدمی کے کام کرنے کا زمانہ تا بکے

چاہئے یہ بھی ہمیشہ فرض ہے انسان کا
اور اس پر یہ سمجھنا کیا ہو وسعت جان کا

پیٹ پالنا پال لینا یہ تو بالکل سہل ہے
دنیا کا کام اک کتا بھی جس کا اہل ہو

چاہئے وہ کام کرنا موت میں آنے کے بعد
دائمی ہو کام آنے اپنے مر جانے کے بعد

زندگی اپنی بسر کر لی تو ہم نے کیا کیا
اپنے بچوں کے لئے جب تک نہ کچھ پیدا کیا

یہ بھی کوئی زندگی ہے زندگی بھر حسرت ہو
اور کوئی فرزند سے کچھ وقت شور و شین ہو

کون عزت سے بھلا دیکھے گا اس ناشاد کو
بے سہارا سب چھوڑ کر مر جائے جو اولاد کو

جو نہ سمجھے ضامن ان کی راحتوں کا آپ کو
اس کے بچے کیا کریں گے یاد اپنے باپ کو

زندگی بھر جن کو پالا ان کی پروا چاہئے
بعد اپنے کچھ تو بچوں کا سہارا چاہئے

اور اگر دشواریوں سے آدمی حیران ہے
لائف انشورنس[1] تو مشکل نہیں آسان ہے

ساتھ اطمینان کے دنیا سے جانا چاہئے
زندگی میں جان کا بیمہ کرانا چاہئے

خرق عادت

علم طب نے پیام لاسلکی کے وسیلہ سے ایک حقیقی خرق عادت پیش کی ہے جیسا کہ اس تازہ واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیویارک کے ایک مریض نے شکاگو میں ایک ہزار میل پر رہنے والے ایک ڈاکٹر سے بذریعہ پیام لاسلکی اپنا حال بیان کیا شکاگو کے ڈاکٹر نے اپنے مریض کا ایکس رے فوٹو حاصل کرنے کی کوشش کی چنانچہ آدھ گھنٹہ کے اندر بذریعہ لاسلکی ٹیلیفون ایکس رے فوٹو لے کر روانہ کر دیا گیا۔

امریکہ کے ڈاکٹر اب اس کوشش میں مصروف ہیں کہ ریڈیو کے ذریعہ سے جہاز پر سے فوٹو روانہ ہو سکے تاکہ جہاز میں سفر کرنے والا مریض جب کسی ڈاکٹر سے اپنا علاج کرانا چاہے اس کے پاس جہاز ہی سے فوٹو روانہ

---

[1] زندگی کا بیمہ۔

امانت میں خیانت

قصبہ فیض نگر میں حافظ محمد امین ایک بڑے متقی، پرہیزگار، تہجد گزار بزرگ رہتے ہیں۔ بادشاہی زمانہ سے ان کے خاندان کی بڑی آبرو ہے۔ ان کی ایمانداری اور دیانتداری کی دھاک آس پاس کے قصبات اور دیہات میں بیٹھی ہے۔ غریب غربا کے پاس چار پیسے بچ جاتے ہیں تو پڑیا کی پوٹلی میں باندھ کر حافظ جی کے پاس رکھ جاتے ہیں تاکہ بچوں کی شادی بیاہ میں کام آئیں۔ اور یہ پوٹلیاں برسوں جیسے کی تیسی رکھی رہتی ہیں۔ مجال نہیں کہ انھیں کوئی چھو بھی سکے۔ حافظ جی صاحب کی ذات سے قصبہ والوں کو بڑا آرام ہے۔ غریب آدمی کے گھر میں روپیہ رکھا ہو تو چور چکتوا پڑے پڑے پھرتے ہیں کونپل لگاتے ہیں راتوں سونے نہیں دیتے حافظ جی امیر آدمی ہیں اُن کی ہاں پہرہ کا انتظام ہے اور سب کو ان پر اطمینان ہے۔

اُن کا بیٹا محمد مبین بھی نیک اور لائق ہے۔ اُسے تجارت کا شوق ہے فصل پر غلہ بھر لیتا ہے اور لوگوں کے ہاتھ اکٹھا بیچتا رہتا ہے۔ مگر بازار میں غلہ کی کمی ہو تو روک کے نہیں رکھتا کیونکہ حافظ جی نے غلہ کی تجارت کی اسی شرط پر اجازت دی ہے کہ اسے روک کر نہ رکھا جائے بلکہ بازار کے بھاؤ پر بیچتا رہے۔ حافظ جی کو بھی اُس کی دیانت پر اطمینان ہے اور جب سے وہ ضعیف ہو گئے ہیں امانت کے صندوق کی کنجی بھی اسی کے سپرد کر دی ہے۔ محمد مبین بڑا متواضع اور ملنسار ہے۔ اس کے احباب کا دائرہ وسیع ہے۔ قصبہ کے عربی مدرسہ کی امانت بھی اسی کے پاس ہے اور علماء کا ذاتی روپیہ بھی یہیں رکھا جاتا ہے جس کی وجہ سے علمائے کرام کی آمد و رفت رہتی ہے۔

اب محمد مبین کی تجارت کا کام پھیلتا جاتا ہے روپیہ کی قلت ہے۔ محمد مبین اپنے پدر بزرگوار سے کہتے ہیں کہ امانت کا روپیہ تجارت میں لگانے کی اجازت دے دیں۔ اُس میں بھی وہ محفوظ رہیگا۔ خدانخواستہ اُس میں نقصان ہو تو لاکھوں روپیہ کی جائداد موجود ہے۔ مگر حافظ جی ہیں کہ اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور امانت کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتے۔ بالآخر محمد مبین سند لاتے ہیں کہ وہاں کے عربی مدرسہ کا روپیہ بھی ایک سوداگر کے ہاں تجارت میں لگا ہوا ہے۔ ضعیف باپ بالآخر مجبور ہو کر بادل ناخواستہ اجازت دے دیتے ہیں۔ کیوں کہ اُن میں بار بار اٹھنے اور روپیہ کی دیکھ بھال کرنے کی قوت نہیں رہی۔ بہرحال امانت کا روپیہ تجارت میں لگتا ہے۔ محمد مبین کے کاروبار کو خوب ترقی ہوتی ہے۔ وہ مہینہ دو مہینہ میں دعوتیں بھی کرتے رہتے ہیں جن میں معززین اہلِ شہر شریک ہوتے ہیں بالآخر غلہ کا کام زیادہ پھیل کر

سے قابو ہو جاتا ہی محمد مبین کی توجہ زیادہ تر میل جول اور حکام رسی کی طرف ہو گئی ہی۔ آنریری مجسٹریٹی کا شوق دامنگیر ہے۔ گیہوں کی فصل اچھی ہوئی تھی۔ پھر بے ساعت وقت پر ہوئی غلہ کا نرخ گر گیا اور کاروبار میں کچھ تنزل ہوا جس کا پتہ کچھ دیر سے میں چل گیا۔ منیم صاحب نے علاوہ اوپری خرچ کے امانت میں سے دو ہزار روپیہ لگا دیا۔ اُس کے پہونچنے تک کچھ دیر ہو لی۔ اس کی شہرت تمام قصبہ میں ہو گئی۔ اب کیا تھا ہر طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ اب حافظ محمد امین کے دروازہ پر ایک بھیڑ لگی رہتی ہے۔ حافظ جی تو علیحدہ ایک صحن میں پڑے رہتے ہیں۔ یہ خبر سن کر پھر پلنگ سے اٹھے نہیں اور ہفتہ کے بعد جب اُن کا جنازہ نکلا تب لوگوں نے انھیں دیکھ پایا۔ محمد مبین البتہ لوگوں کو دم دلاسہ دیتے ہیں مگر جن کے پسینہ کی کمائی کا روپیہ جاتا رہا انھیں کیسے تسلی ہو۔ جو کھاتے پیتے اور کماؤ ہیں خیر وہ چپ ہو رہے ہیں تو مضائقہ نہیں مگر وہ ضعیف اور بیوہ عورتیں جنھوں نے چکی پیس کر پیسہ پیسہ جمع کیا تھا اور اس سے روپیہ بنا کر حافظ جی کے بھروسے پر اُن کے بیٹے کے سپرد کئے تھے، کیا کریں۔ ان میں سے کوئی سینہ کوبی کرتی ہے کوئی روتی اور محمد مبین کو کوستی جاتی ہے۔ جو زیادہ سمجھدار لوگ ہیں وہ زیادہ اونچی باتیں کرتے ہیں اور اپنی غلطی پر کہ انھوں نے اپنا روپیہ ڈاکخانہ میں کیوں جمع نہیں کیا نادم ہوتے ہیں۔ بہت سے بے تعلق لوگ بھی کھڑے تماشہ دیکھ رہے ہیں جن میں سے ایک سن رسیدہ شخص دوسرے سے کہتا ہے۔

"ان باتوں میں تو ہمارے مقابلہ میں ہندو ہی کھرے ہیں۔ ہمارے محلہ میں ایک بے حیثیت بنیہ رہتا ہے۔ ایک روز دیکھتا کیا ہوں ہاتھ میں ایک دستاویز لئے کچہری کی طرف چلا جا رہا ہی۔ میں نے کہا آج کیسے کا ٹھاٹھ ہے۔ بولا آج تو میں بھی دستاویز لکھ رہا ہوں۔ میں نے تعجب سے پوچھا تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہے کہ تو آج دستاویز لکھ رہا ہے۔ آبدیدہ ہو کر کہنے لگا کہ میرا بھائی مول راج مر گیا ہے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں۔ کل دس ہزار روپیہ چھوڑا ہی۔ بہت سا روپیہ تو اُس نے پکا مکان بنانے اور دو لڑکیوں کی شادیوں میں لگا دیا۔ یہ دس ہزار روپیہ میرے پاس امانت ہی۔ اب اس روپیہ کو میں اپنی دوکان میں لگاؤں گا اور قرض پر دونگا۔ یہ دس ہزار روپیہ کی دستاویز میں نے بچوں کے نام لکھدی ہے۔ جب یہ بالغ ہوں مجھ سے معہ سود کے روپیہ لے لیں۔ بنیہ نے یہ کہہ کر دستاویز میرے ہاتھ میں دیدی کھاں صاحب (خاں صاحب) تم بھی اس پر گواہی کر لو"۔ اب میں جو دستاویز پڑھتا ہوں تو اس میں ایک روپیہ سینکڑہ کا سود لکھا ہے۔ میں نے پوچھا "روپیہ سینکڑہ تو کیسے دے گا۔ ہم لوگ تو بارہ آنہ اور دس آنہ کا سود نہیں ادا کر سکتے اور جب ایک بار دستاویز لکھ دیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ وہ سب گھر بار جائداد لے ڈوبے گی" بنیہ بولا "کھاں صاحب تم بڑے آدمی ہو۔ تمہارے بڑے کھرچ ہیں۔ ہم گریب آدمی ہیں

پیسہ سے پیسہ پیدا کر لیتے ہیں۔ کہاں صاحب! اس دستاویز میں بھی مجھے نکسان (نقصان)، نہیں بلکہ نفا (نفع) ہے۔ آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ میں نے روپیہ سینکڑہ کا سود تو لکھا ہے مگر سود در سود نہیں لکھا یہ آپ ہی لوگوں کو ڈیڑھ اور دو روپیہ سینکڑہ سود در سود پر دوں گا اور اگر پونے دو روپیہ سینکڑہ پر بھی سود در سود کے حساب سے دوں تب بھی نفا ہی نفا ہے۔ اور اگر زیادہ ایمان داری کی کمائی کرنا چاہوں تو منڈی میں آڑھتیوں کو اور بیوپاریوں کو صبح کو دیدوں اور شام تک اُن سے اچھا کھاصا (خاصہ) منافا (منافعہ) کمالوں۔" یہ سُن کر میں ششدر رہ گیا اور مسلمانوں کی بے بسی پر افسوس کرنے لگا۔

غرض کہ محمد مبین کے دروازے کے سامنے اس قسم کی مختلف باتیں ہو رہی تھیں اس اثنا میں اخبار بیچنے والا آگیا ایک شخص نے لکھنؤ کا اخبار ہمدم خریدا۔ پہلا صفحہ کھولا تو اُس میں حسب ذیل عنوان پر ایک مضمون درج تھا جس کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے اور جو اُس وقت مجمع کو پڑھ کر سنایا گیا۔

مسلمانوں کے قومی کام کیوں برباد ہیں

یہ ایک واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی درس گاہیں، یتیم خانے اور انجمنیں ہمیشہ روپیہ کی کمی سے خراب حالت میں رہتی ہیں اور آئے دن ان کے لئے فراہمی سرمایہ کی اپیلیں اور عرضداشتیں شائع ہوتی رہتی ہیں وفود جاتے ہیں اور پھر بھی ان کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ برخلاف اس کے دیگر اقوام کے خیراتی کاموں کی تعداد اور مالی حالت میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ مسلمان نسبتاً مفلس ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جو کچھ انہیں ملتا ہے اسے چونکہ بنک میں رکھ کر اس کے منافعہ کو استعمال نہیں کر سکتے۔ اس لئے انجام کار وہ خرچ ہو کر رہتا ہے۔ بنک کا سود نہ لینے سے بڑے تاجروں کی جو بربادی ہو رہی ہے اسے یہ سمجھ کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ وہ بڑے تاجر نہ رہیں گے تو بساط خانہ کی دوکان کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پال لینگے مگر قومی انجمنوں اور درس گاہوں کی بربادی کے یہ معنی ہیں کہ آئندہ کے لئے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت سے بالکل ہاتھ دھو لئے جائیں۔

اس سلسلہ میں سکھوں کی قوم کی مثال پیش کرتا ہوں جن کی نسبت سنا ہے کہ جس مقام پر ان کی کافی نفری ہوتی ہے۔ وہاں عام چندہ سے ایک اسکول قائم کر دیا جاتا ہے۔ فرض کیجئے کہ ہر مقام کے لئے دو لاکھ چندہ جمع ہوتا ہے جس میں سے کچھ روپیہ عمارت پر صرف ہو جاتا ہے اور باقیماندہ بطور مستقل سرمایہ کے بنک میں رکھ کر اس کی آمدنی سے سالانہ خرچ چلایا جاتا ہے۔ اس طرح ایک بار ایک مدرسہ کے لئے سرمایہ فراہم کر دینے کے بعد پھر اس پر قوت صرف کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس طریقہ پر اگر سلسلہ جاری رہے تو لاتعداد مدرسے مستقل طور پر قائم ہو سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے اگر مسلمانوں کو بھی خدا توفیق دے کہ وہ ہر مقام پر

ہر سال ایک مدرسہ کے لئے دو لاکھ سرمایہ جمع کردیں تو اس سے پچاس ہزار عمارت میں لگانے کے بعد اگر ڈیڑھ لاکھ کو بنک میں رکھ دیں تو پانچ فی صدی سالانہ کے حساب سے ساڑھے سات ہزار روپیہ سالانہ یا ۶۲۵ روپیہ ماہوار مستقل آمدنی ہوتی ہے جو ہمیشہ کے لئے ہوگی لیکن اگر اس سرمایہ کو سال بسال صرف کرتے رہیں تو صرف بیس سال میں یہ روپیہ خرچ ہو جائیگا۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اگر ہم ہر سال بسال دو لاکھ روپیہ مدارس کے لئے جمع کرتے رہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے تو ان کے قومی مدرسے تعداد میں بیس سے زیادہ نہیں بڑھ سکتے کیونکہ ہر بیس سال بعد جس مدرسہ کا سرمایہ ختم ہو چکا ہوگا پھر اس کے لئے روپیہ جمع کرنا پڑے گا۔ حالانکہ دیگر اقوام کے مدرسے ہزاروں لاکھوں تک پہونچ سکتے ہیں۔ اس نقص کی وجہ سے مسلمان چند مدارس اور انجمنوں کے دائرہ میں شل کولھو کے بیل کے چکر لگاتے رہتے ہیں اور ان کے مہتمموں کے ہاتھوں میں ہمہ وقت کاسہ گدائی رہتا ہے جو نہ صرف مقامی لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ بلکہ تمام ملک میں شرق سے غرب تک اور جنوب سے شمال تک گشت لگاتا رہتا ہے اور چونکہ قوم میں عام طور پر افلاس ہے۔ اس لئے بالعموم مدرسہ یا قومی کام جاری ہوتا ہے تو اس کے منتظم سیدھے کسی ریاست یا بمبئی، کلکتہ اور رنگون کا رخ کرتے ہیں۔ مگر چونکہ بنک کا سود نہ لینے کی وجہ سے اب وہاں بھی مسلمانوں کی تجارت گر رہی ہے اس لئے خدا نہ کرے یہ دروازہ بھی بند ہونے والا ہے۔

غیر تاجروں کو برباد ہونے دیجئے مگر درس گاہوں کی مفلوک الحالی دور کرنے کی کوئی تدبیر کرنی ضروری ہے صرف ناجائز کا حکم لگا دینے سے اس وقت کام نہیں چلتا۔ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اس کے خلاف یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو روپیہ چندہ میں آئے اس سے ہم جائیداد خرید سکتے ہیں۔ مگر تھوڑے تھوڑے روپیہ سے جو چندہ میں آتا ہے اس سے موقع کی جائیداد ہر وقت یکجائی نہیں خریدی جا سکتی اور خریدی بھی جائے تو بالعموم وہ پانچ چھ فیصدی منافع سے کم پر نہیں ملتی جو بنک کا سود ہے اور بنک سے بلا کسی مزید صرفہ کے ہر ششماہی پر روپیہ وصول ہو جاتا ہے۔ اور جائیداد کی منافع کی وصولی کے لئے کارندے رکھنے پڑتے ہیں۔ نالشیں کرنی پڑتی ہیں جس کی وجہ سے آدھا منافع بھی پلے نہیں پڑتا۔ اگر جائیدادوں سے وصول ہو سکتا تو آج مسلمانوں کو قانون اوقاف کے نفاذ کے لئے کیوں کوشش کرنی پڑتی۔ موقوفہ جائیدادوں کی جو حالت ہے وہ قوم پر ظاہر ہے

قومی انجمنوں اور درس گاہوں کو اب تک یہی دقت ہے کہ جو کچھ چندہ آتا ہے وہ سب صرف ہو جاتا ہے اور پس انداز روپیہ کی حفاظت کی مصیبت سر پر رہتی ہے اگر سوداگروں کے ہاں امانت رکھاتے ہیں تو نفع سوداگر اٹھاتے ہیں اور دیوالہ نکل جائے تو ٹوٹا انجمنوں، مدرسوں اور مساجد کے حصہ میں آتا ہے

بنک میں بلا منافع کے رکھاتے ہیں تو اس کے نفع سے عیسائیوں کی پرورش اور مسلمانوں کا ارتداد اور گرجوں کی تعمیریں ہوتی ہیں ان تمام مشکلات کو مولوی مفتی عزیزالرحمان صاحب دیوبندی کے فتوے نے جو بمبئی کی جامع مسجد کے سرمایہ کے سلسلہ میں اخبار الامان اور خلافت میں شائع ہوا ہی حل کر دیا جس کا منشا یہ ہی کہ بنک کا سود وصول کر کے نیک کاموں میں صرف ہو سکتا ہی پس اب ضرورت ہی کہ جلد سے جلد اس کا نفاذ ہو۔ اس فتوے کے بعد جن جماعتوں کو اپنا سرمایہ بنکوں میں جمع کر کے منافع لینے میں تامل ہوگا وہ قومی نقصان کے باعث ہونگے اور جو اپنے روپیہ کو کسی سوداگر کے پاس یا اپنے پاس رکھینگے اُن کی نسبت مخالفین کو یہ بدگمانی کرنے کا موقع ملے گا کہ وہ اس روپیہ سے ذاتی نفع اٹھاتے ہیں وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغ"

یہ مضمون سن کر عام طور پر مسلمانوں پر اثر ہوا اور اکثروں نے ارادہ کر لیا کہ وہ اپنا روپیہ ڈاکخانہ یا کسی معتبر بنک میں جمع کرا کر اُن کا منافعہ لینگے اور کیش سرٹیفکیٹ خریدینگے بعض جو محتاط تھے اُنھوں نے کہا کہ ہم اپنا روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کر کے اس کا منافعہ عربی مدرسہ یا یتیم خانہ میں دیدیں گے۔

محفوظ اور پر منفعت بنک

منٹگمری

۱۰ مئی کے مسلم آوٹ لُک میں منٹگمری سے ایک صاحب نے تحریر فرمایا ہی کہ ہر سمجھدار شخص کے نزدیک جس نے اقتصادی حالت کا مطالعہ کیا ہی یہ امر عیاں ہی کہ سودخواروں کے پنجہ سے کاشتکاروں کو کوئی ترمیم قانون نجات نہیں دلا سکتی بجز اس کے کہ انجمنہائے امداد باہمی کو وسعت دیجائے اور وسعت کی صورت یہ ہی کہ اُن کے مرکزی بنکوں میں روپیہ جمع کیا جائے۔ مرکزی بنکوں کا منافعہ دو برس کی امانتوں کے لئے سات روپیہ آٹھ آنہ فی صدی سالانہ ہے اور چھ روپیہ آٹھ آنہ سے سات روپیہ فی صدی تک ایک سال کی امانتوں کے لئے ہے جو نہایت معقول ہی۔ مگر چونکہ سودخوار مہاجن خود اپنے کاروبار میں زیادہ روپیہ لگانا پسند کرتے ہیں اس لئے ان دیہاتی بنکوں کو کافی روپیہ نہیں ملتا جس سے انجمنہائے امداد باہمی کے کام میں کافی وسعت ہو۔ اس لئے پیشہ ور سودخواروں کو چھوڑ کر میں باقیماندہ اصحاب سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنا روپیہ ان معتبر بنکوں میں لگا کر خود نفع اٹھائیں اور غریب کاشتکاروں کو بھی نفع پہونچائیں یہ بنک کافی طور پر معتبر ہیں اور اُن میں روپیہ مارے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

دارالسّلطنت ہند میں

مسلمانوں کی حالت

دہلی صدہا برس تک مسلمانوں کا دارالسلطنت رہا ہے اور اب وہ انگریزی گورنمنٹ کا بھی دارالسّلطنت ہے۔ وہ تجارت کا مرکز ہے وہاں مسلمان تاجروں کی کمی نہیں ہے۔ کثرت سے مسلمان کاریگر ہیں جن کا حصہ دولت پیدا کرنے میں کم نہیں۔ تاہم مسلمانوں کی جو حالت وہاں ہے اس کا اندازہ جناب مولنا راشد الخیری صاحب کی ایک چٹھی سے ہوگا جو ہمدم ۴ مارچ کے ہمدم میں شائع ہوئی ہے اور جس کا اقتباس حسب ذیل ہے

"جناب من غدر ۱۸۵۷ء نے مسلمانان ہند کی حالت میں بالعموم اور مسلمانان دہلی کی بالخصوص جو تغیر پیدا کیا اگر چشم بینا اسے غور سے دیکھے تو خون کے آنسو گریں گے۔ اخوت اسلامی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ مسلمان جو اس وقت فکر معاش سے سبکدوش ہیں اپنا پیٹ بھرنے کے بعد اُن مسلمانوں کو دیکھتے جو دو دو دانوں کو محتاج ہیں ان بن باپ کے بچوں کو جو بھوکے مر رہے ہیں کبھی روٹی میں سے ایک ٹکڑا دیدیتے ان پردہ نشین رانڈوں کا جن کے سر سے وارث اُٹھ گئے اور جن کو ہر شام فاقہ کا پیام دیتی ہے پیٹ بھر دیتے۔ لیکن ایسا ہوتا تو آج مسلمانوں پر یہ وقت نہ آتا کہ کلمۂ توحید پڑھنے والیاں آغوش اسلام سے نکل کر ارتداد کے پھندے میں پھنستیں اور تانبے کے چند سکوں پر مذہب قربان اور عصمت برباد کر دیتیں۔ اس کے بعد ایک نہایت قدیم اور علماء کے خاندان کا واقعہ لکھا ہے کہ فاقوں سے تنگ آکر ایک ضعیف بیوہ نے اپنی بچیوں کو مشنریوں کی سپردگی میں دیدینا طے کر لیا تھا جسے مولانا موصوف نے بچا لیا۔"

مندرجہ بالا تحریر سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

(۱) مسلمان غدر ۱۸۵۷ء میں بُری طرح برباد ہوئے۔ بربادی کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

(۲) اگر خوشحال لوگ پردہ نشین رانڈوں اور یتیموں کو پیٹ بھر روٹی دیتے تو کلمۂ توحید پڑھنے والیاں آغوش اسلام سے نکل کر ارتداد کے پھندے میں نہ پھنستیں۔

(۳) گویا فارغ البال لوگوں کی غفلت سے غریب بیوہ عورتیں اپنا مذہب قربان اور عصمت برباد کر دیتی ہیں۔

یہ سب کچھ کیوں ہے؟ اس لئے کہ باوجودیکہ مسلمان تجارت کرتے ہیں صنعت و حرفت میں جان کھپا کر خوب کماتے ہیں۔ مگر اُن کے نزدیک روپیہ کا مصرف بجز اس کے کچھ نہیں کہ اچھا کھانا کھائیں

عمدہ کپڑے پہنیں اور عیش پرستی کریں۔ بڑے شہروں میں جاکر دیکھیے کہ صبح صبح حلوائیوں اور پراٹھے بیچنے والوں کی دوکانوں پر کون لوگ گرتے ہیں؟ مسلمان، شام کو کباب فیرنی کھانے والے غول کے غول کس قوم کے لوگ ہوتے ہیں؟ غریب مسلمانوں کے، برف کی قفلیاں کھانے والے اور تمام دن شربت اور برف کے گلاس پینے والے کس امت کے لوگ ہوتے ہیں؟ اسی امت محمدی کے جس کے رہبر نے پیٹ پر پتھر باندھ کر پھاوڑے سے خندق کھودی تھی اور جَو کی روٹی پر بسر کی تھی اور صحیح طور پر اپنی قوم کو سادگی کا سبق دے کر اُسے دنیا کی سب سے زبردست حکمراں قوم بنادیا تھا۔ اب اُسی امت کے برف پینے والوں اور قفلیاں اور فیرنی اور کباب کھانے والوں کی مائیں بہنیں آئے دن افلاس سے تنگ آکر تبدیل مذہب پر مجبور ہوتی ہیں۔

مگر میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ ان مفلس عورتوں کو بھی اگر کچھ مل جاتا ہی تو وہ بھی پراٹھے کباب اور حلوے کھاتی ہیں خود اپنے شوہروں کی زندگی میں باوجود صدہا روپیہ کی آمدنی کے وہ اُن نے عورتوں کے لئے قرض لینے کی عادی تھیں۔ آج شوق سے ایک قیمتی زیور بنوایا ہے۔ آموں کی فصل آگئی، سو روپیہ کی چیز کو تین روپیہ دو آنہ سیکڑہ سود پر پچاس روپیہ میں رہن رکھ کر اُس سے خوب گلچھرے اُڑائے اور وہ زیور چھڑانے کی مدت العمر نوبت نہ آئی۔ دوسری قوموں کی ہمسایہ عورتوں کو سو پچاس روپیہ ملجاتے ہیں تو انھیں مسلمان بیبیوں کو ذریعہ معاش بناکر وہ اپنی زندگی عزت و آبرو سے گزار دیتی ہیں۔ عزت و آبرو عمدہ کپڑے اور زیور اور اچھے کھانوں کی نہیں بلکہ اس بات کی کہ مدت العمر کسی سے قرض نہیں مانگا اور دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ اور مرتے وقت کوئی دھرم سالہ یا کنواں بنوادیا۔ آدمیوں کے لئے پیاؤ لگوادی۔ مویشیوں کے پانی پینے کا حوض بنوادیا۔ ایسی قوم کے لوگوں پر اگر سو بار ۱۸۵۷ء کا حادثہ گزر جائے تب بھی وہ گداگر نہیں بنتے کیونکہ وہ اپنے جذبات پر قادر ہیں وہ دنیا میں رہنے کے طریقے جانتے ہیں وہ روپیہ کے رکھنے اور بڑھانے کے فن سے واقف ہیں۔

جناب مولانا راشد الخیری صاحب نے از راہ محبت اسلامی جو تربیت گاہ بنات قایم کی ہی جس میں وہ مفلوک الحال بچیوں کو پناہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ تمام قوم کی شکرگزاری اور امداد کے مستحق ہیں۔ مگر بہ ادب ہم اس قدر عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ انھیں دیگر تعلیمات کے ساتھ اپنے پناہ گزینوں کو کفایت شعاری اور روپیہ سے روپیہ پیدا کرنے کی تربیت دینی چاہیئے تاکہ قومی ترقی کی عمارت مضبوط بنیادوں پر قایم ہو۔

طفیل احمد

مسلمانان جودھپور سے خطاب

انگریزی علاقہ ہو یا ہندوستانی، مسلمان کم وبیش ہر جگہ پست حالت میں ہیں ہمیں جودھپور کے بعض دردمند اصحاب سے وہاں کے کچھ حالات معلوم ہوئے ہیں جو بالخصوص ریاست مذکور کے مسلمانوں کے لئے اور بالعموم مسلمانوں کی واقفیت کے لئے ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ جو تدابیر اُن کی بہبودی کے لئے ہمارے نزدیک ہیں وہ بھی عرض کی جائیں گی۔ ذیل کے نقشہ سے مسلمانوں کی نسبتی مردم شماری اور اُن کی تعلیمی حالت کا اندازہ ہوگا۔ کل ریاست مارواڑ میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۷ر۴ فیصدی ہے۔ جو ناقابل توجہ ہے اس لئے صرف شہر جودھپور کے اعداد درج کئے جاتے ہیں۔

نام قوم	مردم شماری		خوانده		انگریزی داں	
	تعداد	فیصدی	تعداد	فیصدی	تعداد	فیصدی
جملہ اقوام	۷۳،۴۸۰	ر۷۶	۱۲،۱۱۵	۸ر۲	۲۳۱۰	۳ر۰
مسلمان	۱۸،۱۲۵	ر۲۴	۱،۵۲۶	۸ر۲	۱۳۶	ر۷

اس نقشہ سے ظاہر ہے کہ خاص شہر جودھپور میں مسلمانوں کی تعداد ۱۸۱۲۵ یعنی دیگر اقوام کے مقابلہ میں ۲۴ فیصدی یا چہارم سے قدرے کم ہے۔ اب سب سے اول یہ دیکھنا ہے کہ وہاں مسلمان خواندوں کی نسبتی تعداد کس قدر ہے۔ مندرجہ بالا نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر اقوام کے اور مسلمانوں کے خواندہ افراد کی تعداد ۲ر۸ فیصدی یا مساوی ہے۔ البتہ مسلمان انگریزی دانوں کی تعداد ۷ر۰ اور دیگر اقوام کی تین فیصدی یا مسلمانوں سے چار گنی سے زیادہ ہے۔

اس وقت نہ صرف انگریزی عملداری میں بلکہ ریاستوں میں بھی اعلیٰ عہدوں کے لئے انگریزی کی اعلےٰ قابلیت ایک لازمی چیز ہے اس لئے مسلمانوں کے انگریزی داں نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ریاست کے عہدوں سے محروم ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بجز مسلمانوں کے دیگر اقوام کے وہاں اسکول ہیں اور ریاست کی طرف سے جو اسکول ہے اس میں بھی مسلمان بچے اپنی نسبتی تعداد کے اعتبار سے کم ہیں انگریزی تعلیم کے بعد دیسی زبان کی واقفیت ہے۔ اس کے لئے مسلمانوں کے مدارس و مکاتب ہیں۔ مگر

مسلمانوں کے مدارس و مکاتب کی عام حالت یہ ہی کہ اُن میں اُن کی عمر کا بڑا حصہ صرف ہوجاتا ہی لیکن وُہاں وہ نہ اپنے دین سے کافی طور پر واقف ہو پاتے ہیں اور نہ دنیا سے۔ دیگر اقوام کے بچّوں کی حالت یہ ہی کہ وہ ہندی زبان کے ابتدائی مکاتب میں سال بھر رہ کر ہندی لکھنا پڑھنا اور حساب کتاب سیکھ کر اس قابل ہوجاتے ہیں کہ اگر آئندہ تعلیم جاری نہ رکھیں تب بھی دوکان پر بیٹھ کر اپنا حساب کتاب رکھ سکتے ہیں مگر مسلمان اپنے مدارس و مکاتب کی سالہاسال کی تعلیم کے بعد بھی کسی قابل نہیں ہوتے۔ یہ جب کہ مسلمان اپنے آپ کو نہ سرکاری عہدوں کے قابل بناتے ہیں اور نہ کاروبار کے تو پھر اُن کی کھیت کہاں ہو۔ البتہ اب اُن کے لئے دو شعبے باقی رہ جاتے ہیں۔ زراعت وصنعت وحرفت ظاہر ہی کہ زراعت اس وقت ادنےٰ درجہ کی مزدوری کی مرادف ہی۔ یہی حال صنعت و حرفت کا ہی کہ اگر سرمایہ نہو تو وہ بحیثیت مزدوری اور سرمایہ داروں کی غلامی ہے جس میں ہر مقام کے مسلمان مبتلا ہیں چنانچہ جودھپور کی نسبت بھی معلوم ہوا ہی کہ وہاں کے ریل کے کارخانہ میں مسلمان کاریگروں اور مزدوروں کی کثرت ہی۔ اسی طرح پارچہ بافی، رنگریزی، رنگسازی، آہنگری، سنگ تراشی اور معماری وغیرہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں وہ تمام دن سخت محنت کرتے ہیں۔ جو کچھ کماتے ہیں اس کا ایک حصہ قرضہ سود میں مہاجن کو دیتے ہیں باقی کھاپی کر ہمیشہ دوسروں کے دست نگر اور پریشان حال رہتے ہیں۔

بعض اصحاب کا خیال ہی کہ مسلمان اس لئے مفلس رہتے ہیں کہ وہ محنت نہیں کرتے حالاں کہ واقعہ یہ ہی کہ جتنے مشقت اور عرق ریزی کے کام ہیں وہ سب مسلمان کرتے ہیں چنانچہ دستکاری کے جتنے پیشے ہیں اور ہتھوڑا بجانے اور پتھر توڑنے اور اسی قسم کے سخت کام ہیں ان میں مسلمانوں کا غالب حصہ ہی مگر باوجود ان روح فرسا کاموں کے اختیار کرنے کے اگر وہ دس دن کو بیکار یا بیمار ہوجاتے ہیں تو قرض لینے یا بھیک مانگنے پر مجبور ہوتے ہیں پس جو لوگ ان مصائب سے تنگ آکر دل بہلانے کے لئے تیتر لڑاتے یا پتنگ بازی کرتے یا تاش و گنجفہ کھیلتے یا قمار بازی یا نشہ بازی کرتے ہیں یا بھٹکوں میں خالی بیٹھے رہتے ہیں وہ دراصل اُن تھکے درماندہ لوگوں کی مانند ہوتے ہیں جو ہمت ہار چکے وہ صریحاً دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ اُن سے بدرجہا کم محنت کرکے آرام سے دوکانوں اور کارخانوں میں بیٹھے اپنی روپیہ کے زور سے دوسروں سے مویشیوں کا سا کام لیتے ہیں۔ کام لینے والوں اور کام کرنے والوں دونوں کے ہاتھوں میں روپیہ آتا ہی۔ مگر کام کرنے والے اُس کا مصرف بجز اس کے نہیں جانتے کہ اُسے کھا جائیں یا اُس سے اچھے کپڑے یا عورتوں کا زیور بنوا دیں چاہے پھر زیور دوسرے ہی دن مہاجن کے ہاں گیہوں نہ رہن رکھ آئیں۔ بہرحال دنیا میں رہنے کے طریقوں سے وہ واقف نہیں اس لئے سدا برباد اور تباہ حال رہتے ہیں۔

ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہی دینداری اور فیاضی بھی ہی مگر اپنے جذبات پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے جو کچھ آتا ہی وہ فضول کاموں میں خرچ ہوجاتا ہی اس لئے خیرات کرنے اور قومی کاموں میں صرف کرنے کی ہوس اُن کے دل ہی دل میں رہتی ہے اور کبھی پوری ہونے نہیں پاتی۔ دوسری قوم کے لوگوں کو جنھیں وہ خدا ترسی مذہبیت اور فیاضی دلی میں اپنے سے کم تر مانتے ہیں صریحًا دیکھتے ہیں کہ وہ جگہ جگہ سائبان بناتے اور راہ گیروں کے لئے پیاؤ لگاتے ہیں مویشیوں کے لئے پانی پینے کا انتظام کرتے ہیں گایوں بھینسوں چرند پرند کو اناج دانہ گھاس ڈلواتے ہیں تالابوں کے گرد سرسبز درخت لگواتے ہیں اور یہ خود باوجود ایمان میں قوی ہونے کے اپنی مسجدوں مدرسوں اور اسکولوں تک کو ٹھیک حالت میں نہیں رکھ سکتے جن پر ان کی انفرادی اور قومی زندگی کا مدار ہی کوئی شخص یہ نہیں مان سکتا کہ مسلمان تنگ دل ہیں خسیس ہیں اس لئے وہ خیرات اور قومی بھلائی کے کاموں میں کم دیتے ہیں کیونکہ ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ جب کوئی مذہبی کام پیش آتا ہے تو جو کچھ اُن کے پاس ہوتا ہی وہ دے ڈالتے ہیں عورتیں اپنے زیور اتار کر دیتی ہیں اور اس کی نظیریں موجود ہیں کہ بعض مسلمان اپنے گھر سے نکل کر کھڑے ہوگئے اور چندہ مانگنے والوں سے کہہ دیا کہ جو کچھ گھر میں سامان ہی وہ سب لیجا کر مکان میں جھاڑو دے دیں۔ اب مسلمانوں کے سامنے سوال یہ ہی کہ خسیس اور بخیل اور تنگ دل اور دنیادار اور دنیا پرست لوگوں کے قومی اور مذہبی کام کیوں روز افزوں رونق پر ہیں اور دریا دل اور فیاض طبیع اور دین دار اور خدا پرست مسلمانوں کے قومی اور مذہبی کام کیوں برباد ہیں کیا اس وجہ سے کہ ان کے پاس روپیہ ہی اور وہ دیتے نہیں یا سرے سے اُن کے پاس کچھ ہی ہی نہیں اس کے جواب میں میں صاف طور پر عرض کروں گا کہ اب بحیثیت قوم کے مسلمان تہی دست ہیں اُن کے قومی جسم کا خون مدتوں سے بہہ رہا ہی نیا خون پیدا نہیں ہوتا اس لئے وہ بے دم پڑا ہوا ہی۔ مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک ہندوستان کے مشرق اور جنوب سے نہیں بلکہ کرۂ ارض کے قطب شمالی سے لے کر قطب جنوبی تک اور امرا سے لے کر عوام تک اور سلطنتوں سے لے کر افراد تک اسلامی جسم کے اعضا کمی خون کی وجہ سے سوکھے چلے جاتے ہیں اس مایوس کن حالت سے پریشان ہوکر کوئی تو اُن اعضا کی مالش کرتا ہی کوئی انھیں سینکتا ہی کوئی انھیں بھاپ سے گرم کرکے اُن میں حرارت پیدا کرنا چاہتا ہی اور جب کچھ فائدہ نہیں ہوتا تو کہا جاتا ہی کہ جب کہ قومی جسم عمر طبعی کو پہونچ چکا تو ان تدابیر سے بوڑھے بوڑھے ہاتھ پاؤں میں کیسے جان پڑ سکتی ہی حالاں کہ واقعہ یہ ہی کہ ابھی یہ اُس کی نوعمری کا زمانہ ہی کیونکہ اس وقت دنیا میں جتنے مسلّمہ طور پر آسمانی اور قدیم مذاہب ہیں اُن سب میں اسلام نیا ہی اس کی کیا وجہ ہی کہ اُس کے ماننے والے جہاں کہیں بھی ہیں مضمحل ہیں اور جو تدبیریں بھی اپنی بہبودی کی اختیار کرتے ہیں وہ راس

نہیں آتی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہی کہ قومی جسم سے ہر وقت خون جاری ہی اس لئے بہترین غذائیں و اعلےٰ ترین مقویات جو استعمال کی جاتی ہیں بے کار ثابت ہوتی ہیں اور اسی طرح بے کار ثابت ہوتی رہیں گی جب تک کہ قومی جسم سے بہتا ہوا خون بند نہ ہو۔ وہ خون کیا ہی؟ وہ خون وہ ہے جو سود کی شکل میں مسلمانوں کے جسموں سے بہتا رہتا ہے۔ اور جب تک کہ وہ جاری رہے گا باوجود تمام تر ترقی کی کوششوں کے اُن کی حالت روز بروز کمزور ہوتی چلی جائے گی۔

بعض ہمدردانِ قوم کا خیال ہی کہ اگر سود کے قانون میں مناسب ترمیمیں ہو جائیں تو مسلمان بربادی سے بچ سکتے ہیں چنانچہ کچھ عرصہ سے کوشش ہو رہی ہی کہ دام دوپٹ کا قانون جو بعض صوبجات میں ہندوؤں سے مخصوص ہی اُسے کل ملک کی جملہ اقوام کے لئے عام کر دیا جائے۔ دام دوپٹ سے یہ مراد ہی کہ دائن کو اصل رقم سے زیادہ سود نہ دلایا جائے۔ مسلمان سمجھتے ہیں کہ اس طریقہ کے رائج ہونے سے مسلمانوں کو جو ایک ایک کے دس دس دینے پڑتے ہیں اُس سے نجات مل جائے گی اور اُن کی حالت بہتر ہو جائے گی مگر غور طلب امر یہ ہی کہ جن مقامات میں اُن کے خلاف دُگنی رقم سے زیادہ ڈگری نہیں دی جاتی ہا اُن کی حالت کیوں خراب ہی مثلاً بعض ریاستوں میں جن میں سے ایک جودھپور ہی مجھے معلوم ہوا کہ وہاں کی عدالتیں اصل رقم سے ڈیوڑھے یا دوگنے سے زیادہ کی ڈگریاں نہیں دیتیں تاہم وہاں کے مسلمان غیر اقوام کے سرمایہ داروں کے دست نگر مفلس اور پریشان حال ہیں۔

مسلمانوں کا ایک یہ بھی خیال ہی کہ وہ بالعموم مسرف ہیں اس لئے مقروض رہتے ہیں۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اسراف کی علت بھی یہی ہی کہ وہ روپیہ کا مصرف اس سے زیادہ نہیں جانتے کہ جب اُن کے ہاتھ میں آئے اُسے خرچ کر ڈالیں۔ اس لئے جب اُن کے پاس نہیں ہوتا تو وہ قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔

پس مسلمانوں کے مرض کا حقیقی علاج یہی ہی کہ اُنھیں روپیہ کا بچانا اور بڑھانا سکھایا جائے۔ مگر جب تک کہ روپیہ کا بڑھانا نہ سکھایا جائیگا اُنھیں بچانے کی ہرگز رغبت نہ ہوگی اب بڑھانے کے متعلق سوچنا پڑیگا کہ اُس کی کیا صورت ہی؟ اُس کی صورت یہ ہی کہ پیسوں سے لے کر روپیوں تک جو کچھ بچے اُسے بلا انتظار اس کے کہ کوئی بڑی رقم جمع ہو کسی ڈاکخانہ یا بنک میں جمع کیا جائے۔ نفع آور کاموں میں لگایا جائے۔ مسلمان دوکان داروں کاریگروں کو معیّن اور غیر معیّن منافعہ پر دے کر اُنھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزادی دلائی جائے بنفرداً اور مشترکاً کاروبار اور روپیہ کے لین دین کی کوٹھیاں کھولی جائیں جو مناسب شرح منافعہ پر کاروبار کرنے والے مسلمانوں کو روپیہ دیں۔

بعض اصحاب ناواقفیت کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ آپس میں مسلمانوں میں معین منافع پر روپیہ کا لین دین جاری ہوگا تو اُن کے دل سخت ہو جائیں گے۔ وہ بے رحم ہو جائیں گے۔ اُن کے دلوں میں اپنے بھائیوں کا درد باقی نہ رہیگا۔ مگر مسلمان آنکھیں کھول کر دیکھیں تو اُنھیں معلوم ہوگا کہ دنیا کی ہوا بالکل بدل چکی اور بہت سی اخلاقی خوبیاں اُن قوموں میں منتقل ہو گئیں جو روپیہ کا کاروبار کرتی اور تجارتی سود کا لین دین کرتی ہیں اور مسلمان جو اُس سے بچتے ہیں اُن میں سے باہمی محبت و اخوت ہمدردی اور دردمندی سب ہو گئی اُن کے قومی کاموں کی جو حالت ہے وہ اوپر مختصر طور پر عرض کی گئی اور انفرادی حالت ہر شخص اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں میں دیکھ سکتا ہے۔ یتیموں اور بیواؤں اور اُن کے مال و جائداد کی حالت تقریباً ایسی ہی مخدوش ہے جیسی کہ اسلام سے قبل تھی کہ جو اُن کا ولی و سرپرست ہوتا تھا وہی یتیموں اور بیواؤں کا مال خرد برد کیا کرتا تھا۔ اب افلاس اور صرف قومی تہیدستی نے زن و شوہر میں، باپ اور بیٹے میں بھائی اور بھائی میں بے اعتباری پیدا کر دی ہے۔ ایسی قوم سے جس کے افراد میں اس قدر نفسی نفسی کا عالم ہے یہ توقع کرنا کہ وہ مل کر اپنی قوم اور ملک کو بچا سکیں گے ایک خیال خام ہے۔ لہٰذا میں مختصر طور پر اپنے برادران قومی کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ وہ مندرجہ بالا کاروبار جاری کرنے کے علاوہ اپنے خانگی پروگرام میں سب سے اول حسب ذیل تدابیر کو جگہ دیں۔

(۱) ہر شخص اپنی آمدنی کا ایک معین حصہ پس انداز کر کے اُسے کسی ایسے معتبر بنک میں رکھے یا کام میں لگائے جہاں وہ بڑھتا رہے۔ اگر کسی شخص کو اس قسم کا منافع اپنے صرف میں لانے میں تامل ہو تو وہاں سے لے کر کسی کار خیر میں لگا دے جس کی نسبت علمائے کرام میں اختلاف نہیں ہے۔

(۲) اپنے ہر بچہ کے لئے گھر میں گولک بنا دے۔ بچہ جو پیسے اُس میں جمع کرے اس پر انعامات دیئے جائیں۔

(۳) اپنی زندگی کا بیمہ اور اپنے بچوں کا تعلیمی بیمہ کرالے۔

ان کاموں کی انجام دہی کے لئے ایک انجمن از نام "فلاح المسلمین" قایم کی جائے۔ اور اُس کا کام باقاعدہ شروع کیا جائے۔

مسلمانوں کی دوسری ضروری چیز تعلیم ہے جس کی اہمیت سے سب واقف ہیں۔ بالعموم مسلمانوں کو جب تعلیم کی طرف توجہ ہوتی ہے تو وہ اپنے طور پر بچوں کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں اپنی کتب، مدرسے اور اسکول کھولتے ہیں۔ سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ درسگاہیں خراب حالت میں رہتی ہیں اور انجام کار اُن میں پڑھنے والے بچے برباد ہوتے ہیں اس کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ جس قدر سرکاری اور دیگر اقوام کے مدرسے ہیں اُن سے بلا تکلف مسلمانوں کو نفع اٹھانا چاہیئے اور اپنے بچوں کو ان میں زیادہ سے زیادہ

تعداد میں داخل کراکر انھیں وہاں پڑھانا چاہیئے اور جو بچے نادار ہیں اُن کی فیس اور کتابوں کا انتظام اپنی انجمن سے کرکے انھیں دینا چاہیئے۔ اس صورت سے تھوڑے صرف اور تھوڑے وقت میں زیادہ تعداد میں بچے پڑھ جائیں گے۔

اس زمانہ میں تعلیم کا ہر مقام پر اور ہر قوم میں چرچا ہے اس لئے ہندی اور ناگری اور صرافی اور اپنے دیس کی زبانوں کو لوگ تھوڑے وقت میں سیکھ کر حساب کتاب لکھنے اور کتابیں پڑھنے لگتے ہیں اور سال دو سال میں بازار میں بیٹھ کر تجارت کے کام میں ماہر ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ کوئی علم اور کوئی زبان کیوں نہ ہو اُس کے پڑھنے سے عقل میں ترقی ہوتی ہے۔ اس لئے جس زبان اور جن حروف کا اُن کے دیس میں رواج ہو وہ اپنے بچوں کو ضرور بالضرور پڑھوانی چاہیئے تاکہ مقامی کاروبار اور ملازمتوں میں حصہ پانے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ اس لئے میں مسلمانان جودھپور کی خدمت میں ملتجی ہوں کہ اگر ریاست کے دفتروں اور بازاروں میں ہندی حروف اور حساب و کتاب کا رواج ہے تو وہ ضرور بالضرور اپنے بچوں کو ہندی زبان میں تعلیم دیں۔ بعض اصحاب کو اندیشہ ہوتا ہے کہ ہندی یا انگریزی زبان پڑھنے سے مذہب میں کچھ خلل آجاتا ہے۔ یہ محض توہمات اور تخیلات ہیں جس زمانہ میں مسلمانوں کے تمام مذہبی علوم صرف عربی زبان میں تھے تب مسلمان فارسی پڑھانا ناجائز سمجھتے تھے۔ جب فارسی میں مذہبی علوم آگئے تو سمجھا جاتا تھا کہ مذہبی تعلیم کے لئے فارسی لازمی چیز ہے۔ اب خدا کے فضل سے اردو میں دینیات کی کتابیں بہ کثرت ہیں اور لاکھوں آدمی نہ عربی جانتے ہیں اور نہ فارسی۔ تاہم مذہبی ارکان سے بخوبی واقف ہیں۔ اسی طرح کروڑوں مسلمان چین میں آباد ہیں جو عربی، فارسی اور اُردو میں سے کوئی زبان نہیں جانتے تاہم وہ کم پختہ مسلمان نہیں ہیں بلکہ سُنا گیا ہے کہ وہ بوجہ اقتصادی حالت میں بہتر ہونے کے اسلام کی خوب اشاعت کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک وہ زمانہ تھا کہ انگریزی پڑھنے والا لامذہب سمجھا جاتا تھا مگر اب بہت سے انگریز مسلمان ہیں اور انگریزی زبان میں مذہب اسلام کے متعلق بہ کثرت کتابیں اور رسالے اور اخبارات جاری ہیں پس اسلام کی قوت اس میں نہیں ہے کہ اُسے کسی خاص زبان پر محدود کر دیا جائے بلکہ ضرورت ہے کہ ملک کی مختلف زبانوں کو اسلامی اور مذہبی معلومات سے مالا مال کر دیا جائے جو اصحاب مذہب اسلام کو زندہ رکھ کر اُسے قوی بنانا چاہتے ہیں اُنھیں چاہیئے کہ جس زبان اور حروف کا اُن کے ہاں رواج ہو وہ اپنے بچوں کو پڑھائیں اور اُس زبان اور حروف میں اپنی مذہبی اور دینی کتابوں کی بھرمار کر دیں۔

آخر میں مسلمانان جودھپور کی خدمت میں ملتجی ہوں کہ وہ مندرجہ بالا معروضات کو پیش نظر رکھکر خود اپنے لئے ایک راہِ عمل تجویز کریں کسی بیرونی شخص کو مقامی حالات کا صحیح اندازہ ہونا مشکل ہے قوم کے

سربرآوردہ اصحاب جمع ہوکر اپنی قوم کی مالی اور تعلیمی حالت کا جائزہ لیں اور باہمی مشورہ سے جو کچھ طے ہو اُس پر مضبوطی سے قایم رہ کر کم ازکم پانچ سال تک اُس کا تجربہ کریں۔ اگر مسلمانانِ جودھپور خدا کے فضل وکرم سے اپنی مقامی حالت درست کرنے میں کامیاب ہوگئے تو وہ دوسری ریاستوں کے مسلمانوں کے لئے ایک عمدہ نمونہ قایم کریں گے۔

غیر ملکی سرمایہ کی روک

طفیل احمد

مسٹر پی سی سیتھنا نے ایوان تاجران ہند کے سہ ماہی جلسہ میں ایوان کی اس پالیسی کی تائید کی کہ غیر ملکی کمپنیات یا افراد کو ہندوستان میں تجارت کرنے کے لئے لیسنس لینا چاہئے اور اگر وہ مشترکہ سرمایہ کی کوئی کمپنی یہاں قایم کرنا چاہیں تو اس کا نصف سرمایہ ہندوستانیوں کا ہو اور اُس کے ڈائرکٹروں میں غالب تعداد اہل ہند کی ہو۔ ان قیود کے عائد کرنے سے غیر ملکی سرمایہ کی آمدنی میں کچھ کمی واقع نہ ہوگی لیکن اس امر کا البتہ اطمینان ہو جائے گا کہ وہ ہندوستان کے وسائل دولت کو لوٹ لینے کے واسطے نہ آنے پائے گا اور اہل ہند کو اپنے ملک کی تجارت اور صنعت وحرفت پر پورا اختیار اور اقتدار حاصل ہو جائے گا۔

بہت سے ممالک نے اپنے حدود کے اندر اس سے کہیں زیادہ سخت پابندیاں غیر ملکیوں کی تجارت پر لگا دی ہیں۔ اس لئے فرزندان ہند کو لوٹ کھسوٹ سے بچانا کچھ نامناسب اور ناموزوں نہیں ہو سکتا۔

(ایڈیٹر) غیر ملکی سرمایہ کو روکنے کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ اہل ملک کفایت شعاری کرکے زیادہ سے زیادہ روپیہ صنعتی اور تجارتی اور نفع عامہ کے کاموں میں لگائیں۔ ہندوستان میں حالت یہ ہے کہ غیر مسلموں کا سرمایہ تو مسلمانوں کی جائدادیں خریدنے میں صرف ہوتا ہے اور مسلمانوں کا روپیہ اسراف، عیش پرستی، نام ونمود کے کاموں، زیور اور عمدہ کپڑے بنوانے میں صرف ہوتا ہے۔ اگر ہندو مسلمان دونوں کا زیادہ سے زیادہ روپیہ نفع آور کاموں میں لگے اور یہاں کی شرح سود گھٹے تو بیرونجات کا سرمایہ ہندوستان میں آنا خود بخود کم ہو جائے گا جب تک کہ اہل ہند زیادہ سے زیادہ روپیہ نفع آور کاموں میں لگانا شروع نہ کریں بیرونی سرمایہ کو روکنے کے معنی یہ ہونگے کہ ہزاروں کاریگر جو بڑے کارخانوں میں کام کرکے اپنی زندگی کے دن پورے کرتے ہیں وہ مزدوری نہ ملنے سے بھوکے مرنے لگیں۔ اس سے ہماری یہ غرض نہیں کہ ایوان تجارت سے جو کوشش بیرونی سرمایہ کو روکنے کے لئے کی ہے وہ صحیح نہیں بلکہ ہمیں اُن سے کلیتاً اتفاق ہے البتہ مسلمانوں کے لئے غور طلب امر یہ ہے کہ وہ ملکی سرمایہ میں حصہ لینے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

خطوں کا خلاصہ

خواجہ حسن نظامی صاحب کا خط جناب خواجہ صاحب کا یہ والانامہ سال گزشتہ میں موصول ہوا تھا جو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

آپ کا مضمون اخبار علی گڑھ گزٹ میں دیکھا۔ آپ نے بنیادی خرابی کو محسوس کیا ہے۔ اصل خرابی افلاس کی ہے اور افلاس کی بڑی وجہ سودی قرض لینے کی ہے۔ میں ۱۹۰۰ء سے بنک کے سود کو جائز خیال کرتا ہوں اور جب میں نے دیکھا کہ میرا جائز سمجھنا دوسروں کے لئے موثر نہیں ہے تو میں نے وہی کیا جو مسلمانوں کو کرنا چاہئے یعنی خود بنک کا سود لینا شروع کیا۔ اُس وقت سے آج تک میں سیونگ بنک اور دوسرے بنکوں میں روپیہ رکھ کر سود لیتا ہوں اور میرا ایمان مجھکو اس پر ملامت نہیں کرتا بلکہ مجھے تسلی ہوتی ہے کہ میں بالکل ٹھیک راستہ پر ہوں۔

ایک ارتداد کیا مسلمانوں کی زندگی خطرہ میں ہے وہ ہم کو ہندو اور غلام بنا کر مطمئن نہیں ہونگے ان کے اخباروں نے صاف صاف لکھدیا ہے کہ ہم اُن کو بُدھوں کی طرح ہندوستان سے جلاوطن کردیں گے جیسا کہ عیسائیوں نے مسلمانوں کو اسپین سے خارج کردیا تھا۔

یہ دھمکی کتنی ہی خلاف قیاس معلوم ہو مگر ہندوستان کی تاریخ کے خلاف نہیں ہے ایسا ہونا ممکن ہے اور انگریزوں کی حکومت ہی میں ممکن ہے کیونکہ برٹش کانسٹی ٹیوشن (انگریزی نظام حکومت) انہیں کمزوروں کی حمایت کرتا ہے جو تعداد میں کمزور ہوں مگر روپیہ میں کمزور نہ ہوں۔ وہ مفلس کا ساتھی نہیں ہے۔ اس لئے یقیناً انگریز ہندوؤں کے ہاتھ سے بچانے میں ہماری مدد نہ کرسکیں گے۔ ہم کو خود ہی اپنا بچاؤ سوچنا ہوگا۔ پہلے تو ان خیالات پر ہنسی اڑائی جاتی تھی پھر اتحاد کا زمانہ آیا تو یہ خیالات زبان پر لانے قومی جرم ہوگئے لیکن سوامی شردھانند نے بہت مہربانی کی کہ ہم کو آزادی سے دل کا خیال ظاہر کرسکنے کی حالت عنایت فرمائی۔

سود کی حرمت میں بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سے انسان خود غرض ہوجاتا ہے اور اسلام کے اخلاق خود غرضی سے اعلی ہیں۔ مگر اب تو خود غرضی کیجا خود حفاظتی کا معاملہ پیش آرہا ہے اور تجارتی سود میں تو خود غرضی کا کوئی شائبہ بھی نہیں معلوم ہوتا۔

اگر آپ میرے اس خط کو شائع کرنا چاہیں تو مجھے اس کے عام کرنے میں کچھ عذر نہیں ہے لیکن درحقیقت تو یہ خط آپ کے مضمون کو پڑھ کر آپ کے نام میں نے لکھا ہے۔

کاروبار میں ہندو مسلمانوں کی خصوصیات کلکتہ کے ایک ہمدرد سوداگر صاحب نے اپنے ایک خط میں حسب ذیل تحریر فرمایا ہی۔

اب کی دفعہ میں نے اپنے سفر میں سوائے اپنے تجارتی معاملات کے دوسری طرف بھی نگاہ ڈالی جس کی تفصیل یہ ہی

ہندو	مسلمان
(۱) لیکن بڑے بڑے اور سرمایہ کے پیشے زیادہ تر ہندوؤں کے قبضہ میں ہیں۔	(۱) جتنے سخت اور جانفشانی کے پیشے ہیں وہ اکثر مسلمان کرتے ہیں۔
(۲) لیکن مسلمان صرف کماناہی جانتا ہی اور ہندو رکھتا بھی ہے	(۲) ایک ہی مقدار اور تعداد کا کام کرنے پر مسلمان زیادہ کما لیتا ہی اور ہندو کم۔
(۳) مگر ہندو دس برس بعد ایک بڑا بیپاری اور پیسہ والا ہو جاتا ہی۔	(۳) مسلمان باوجود کمانے کے دسوں برس تک ویسا ہی رہتا ہی جیسا کہ تھا۔
(۴) مگر ہندو کے پاس پیسہ آنے لگتا ہی تو وہ فالتو پیسہ کو بیکار نہیں رکھتا اور اُسے بڑھاتا رہتا ہی۔	(۴) مسلمان فالتو پیسہ ہو جانے پر خرچ کرنے کے لئے نئی رسمیں تک بھی ایجاد کرتا ہی کیونکہ فالتو پیسہ کا اُس کے پاس کوئی مصرف نہیں۔

مدراس میں ایک لاکھ روپیہ سالانہ کا نقصان مدراس کے ایک ہمدرد مسلمان جناب محمد ہدایت اللہ صاحب ذاکر نے حسب ذیل خط تحریر فرمایا ہے۔

"تجارت میں اس طرح مشکلات پیدا ہوتی ہیں کہ الامان چنانچہ فقط گڑلگ گلی کے تاجر اندازاً اگر خاص ہنود سے سود (تجارتی سود) لیں تو ضرور ہر سال ایک لاکھ روپیہ ہونگے۔ کم از کم پچاس ہزار تو ضرور ہوں گے۔ دوسری بلا یہ کہ جب ہم لوگ سود کے لینے سے ڈرتے ہیں تو ہمارا روپیہ لوگ دیر میں دیتے ہیں۔ چھ ماہ بلکہ سال ہو جاتا ہی۔ برخلاف اس کے جو لوگ ہنود سے روپیہ لیتے ہیں تو جلد ادا کر دیتے ہیں اور ایسے بہت سے ابواب ہیں جو خاص مسلمانوں کے لئے تجارت میں بڑی رکاوٹ اور نقصان کا سبب ہوتا ہی اور اسی وجہ سے مسلمان تاجر ترقی نہیں کر سکتے بلکہ نقصان اٹھا کے تجارت بند کرنی پڑتی ہی۔"

سادگی اور صحت

(۲)

گزشتہ سے پیوستہ

۴ - مغربی تمدن کا ایک نقصان یورپ کا تمدن اپنے ساتھ ہندوستان میں دو متضاد چیزیں لایا ہی۔ اول زندگی کی کشمکش۔ دوسرے راحت اور آسایش کے سامان۔ زندگی کی کشمکش اور کثرتِ افکار تو اس دورِ حیات کے لازمی اجزاء ہیں جن سے کسی طرح مفر نہیں۔ البتہ راحت اور آسائش کے سامان اختیاری ہیں جنھیں بالخصوص مسلمانوں نے اختیار کرکے اپنے کو بربادی کے لئے خاص طور پر تیار کیا ہے۔ جسمانی راحت کے سامان اور کھانے پینے کے تکلفات بڑھ جانے سے وہ زیادہ آرام طلب ہوگئے اور اُن کی قوت ذائقہ نشو و نما پاتی رہی حتّٰی کہ اب اُن کے معدوں کو کسی وقت چھٹکارا نہیں ملتا جس کی وجہ سے وہ بیکار ہوجاتے ہیں اور جسم کی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔ پھر افکار کی گھنگھور گھٹاؤں نے صحت کے مطلع کو اور بھی تاریک کردیا ہی۔ ذائقہ دار اور چٹ پٹے ماکولات اور مشروبات کا سیلاب مسلسل پیٹ میں پہنچکر تندرستی کی تمام علامتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہائے چلا جاتا ہی اور اُن کے معدے طرح طرح کی بلاؤں میں مبتلا رہتے ہیں چنانچہ عام طور پر نوجوانوں کے قویٰ بُری طرح برباد اور تباہ ہو رہے ہیں اور وہ اپنی اٹھتی ہوئی جوانی کو کمزوری کے پنجہ میں دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں نتیجہ یہ کہ اس ملک میں آنکھ بند کرکے جدید تمدّن اختیار کرنے والے زیادہ عمروں تک کم پہونچتے ہیں۔ برخلاف اس کے قدیم طرزِ معاشرت رکھنے والے اشخاص جن کے ہاں آٹھ پہر میں صرف دو بار کھانے کا رواج باقی ہی اُن میں سے طویل عمروں تک پہونچ جاتے ہیں۔ جدید تمدّن کی رو سے دن میں پانچ پانچ بار کھانے نے نہ صرف ہمارے اہل مُلک کی صحتوں کو نقصان پہونچایا ہی بلکہ یورپ اور امریکہ میں بھی کم و بیش یہی حال ہی۔ وہاں کے حامیانِ صحت کو بھی اس بات کا احساس ہوگیا ہی اُنھوں نے مضرِ صحت رسوم کے خلاف جہاد کرنا شروع کردیا ہی۔

۵ - علالت میں انسان اور حیوان کا مقابلہ جنگلی جانوروں کے علاج کے لئے اُن میں کوئی طبیب نہیں ہوتا بلکہ وہ خود اپنی صحت قایم رکھنے کے لئے بیماری سے بچنے کے طریقے اختیار کرتے ہیں اور جب کسی روگ میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو جڑی بوٹی کھاکر خود اپنا علاج کرلیتے ہیں۔ پالتو جانور جو انسانوں کے گھروں میں رہتے ہیں وہ بیمار پڑنے پر جنگلی جانوروں کے مقابلہ میں بے بس ہوتے ہیں۔

کیوں کہ وہ جنگل میں جاکر اپنی دوا نہیں تلاش کر سکتے تاہم یہ ضرور کرتے ہیں کہ وہ جب تک تندرست نہ ہو جائیں کیسی ہی عمدہ غذا اُن کے سامنے کیوں نہ رکھدی جائے اُسے کسی طرح نہیں کھاتے۔ اس کے برعکس وہ انسان جس نے قوت ذائقہ کو اچھی طرح نشو و نما کیا ہی مریض ہوتے پر بھی کچھ نہ کچھ کھاتا رہتا ہی گو اُس کا معدہ غلاظتوں سے پُر ہو۔ وہ دواؤں کی تاثیر پر ایمان لاکر اپنے جسم کو اور زیادہ گندہ کر دیتا ہے۔ افسوس کہ وہ بیماری سے بچنے اور اُسے دور کرنے میں اپنی عقل کو کام میں لاکر صحت کا اتنا انتظام بھی نہیں کرتا جتنا بے عقل حیوانات کرتے ہیں۔

یہ کیوں؟ یہ صرف اس لئے ہی کہ تقسیم عمل کے اصول پر انسان نے صحت کا کام تمام تر طبیبوں اور ڈاکٹروں پر چھوڑ دیا ہی۔ ایک حد تک یہ درست ہی کہ صحت اور جان جیسی عزیز چیز کسی ماہر فن کے سپرد کر دی جائے مگر ماہران فن کے بھروسہ پر اپنے اُن اعضا کے افعال سے جن سے ہر لمحہ کام رہتا ہی اور اُن اشیاء سے جو اُن اعضاء کے تغذیہ اور تقویت کا کام دیتی ہیں واقفیت نہ رکھنا نہایت ہی خطرناک ہی۔

۶۔ **کھانے کا طریقہ** مثلاً منہ میں دو چیزیں ایسی ہیں جو غذا کو گلانے میں مدد دیتی ہیں اوّل دانت دوسرے لعاب دہن۔ مگر انسان نے ایسی خوش ذائقہ اور نرم غذائیں ایجاد کر لی ہیں جو منہ میں رکھتے ہی حلق میں سے ہو کر معدہ میں اُتر جاتی ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کی لذیذ غذائیں جو دودھ شکر اور نشاستہ سے مرکب ہوتی ہیں نرم ہونے کی وجہ سے زود ہضم ہوتی ہیں۔ مگر معاملہ بالکل اس کے برعکس ہی۔ ان چیزوں میں نشاستہ اور شکر وغیرہ کے لئے ضرورت ہی کہ اُن میں لعاب دہن شامل ہو تاکہ وہ حل ہو جائیں مگر جب کہ وہ جلدی سے معدہ میں پہونچ جاتی ہیں تو ثقیل ہوتی ہیں۔ عرصہ تک لوگوں کو اس امر کا یقین بھی نہ تھا کہ فیرنی اور پڈنگ زود ہضم نہیں ہیں۔ مگر پچھلے دنوں انگلستان میں بڑے بڑے ڈاکٹروں کا ایک کمیشن بیٹھا تھا اُس نے یہ طے کیا کہ نرم غذائیں جنھیں دانت سے چبانا نہیں پڑتا دانتوں کے لئے مضر ہیں اور دیر ہضم بھی ہیں اس لئے حتی الامکان خشک غذائیں کھانی چاہئیں جن سے دانتوں کو حرکت ہو اور وہ مضبوط ہوں اسی طرح اگر کھانے کو خوب چبا کر کھایا جائے تو کم غذا میں سیری ہو جاتی ہی اور جو غذا کھائی جاتی ہی وہ جزو بدن ہو جاتی ہی کھانے میں جلدی کرنے والے مقدار سے زیادہ کھا جاتے ہیں اور انھیں بار بار پانی پی پی کر غذا کو حلق سے اُتارنا پڑتا ہی۔ کھانے کو آہستہ آہستہ چبانے سے لعاب دہن غذا کو تر کرکے گلا دیتا ہی اور اس طرح غذا آسانی سے پانی کی امداد کے بغیر اُتر جاتی ہی کھاتے وقت زیادہ پانی پینا معدہ کے لئے مضر ہی۔

۷۔ **غذا کا انتخاب** (الف) پھل۔ یہ مانی ہوئی بات ہی کہ پھل سے بڑھ کر کوئی غذا عمدہ نہیں ہی ہمارے ملک میں ہر شخص کو پھلوں سے رغبت ہی مگر انھیں کھانے کے وقت غذا کی جگہ استعمال نہیں کیا جاتا۔ تفریح طور پر ذائقہ کے لئے پھل کھائے جاتے ہیں۔ ہندوستان کا خوشگوار پھل آم ہی جس کی سینکڑوں قسمیں

ہیں اور وہ کثرت سے اس ملک میں پیدا ہوتا ہے غربا کا طبقہ اس کو سالن کی جگہ استعمال کرتا ہے۔ اگر امرا اور اوسط درجہ کے اشخاص ایک وقت کی خوراک پھلوں پر محدود کر دیں تو معدہ کی اصلاح ہوتی رہے۔ پھل پکی ہوئی غذا سے زیادہ مقوی ہوتے ہیں۔ قدرت نے ترکاریوں اور پھلوں میں ایک برقی اثر رکھا ہے جو پکانے سے جاتا رہتا ہے۔ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ پھل ضعیف معدوں کے لئے نہایت مفید ہیں۔ ڈاکٹر لوئی کوہنی کے علاج میں جس میں ٹب میں نہانا جزو اعظم قرار دیا گیا ہے اکثر چیزیں کچی کھائی جاتی ہیں اور وہ جسمانی قوت کے قائم کرنے میں ممد ہوتی ہیں۔ جو لوگ ہمیشہ مرض کے ہاتھوں نالاں رہتے ہیں وہ پھلوں کو ایک وقت کی غذا قرار دیں تو امید ہے کہ اُن کی صحت کو فائدہ پہنچے گا۔ انگریز کھانے کے ساتھ پھل کھاتے ہیں اور یورپین تمدن کی ریس میں اکثر ہندوستانی گھروں میں بھی اس طریقہ کو اختیار کیا جاتا ہے۔ مگر پھل کو دوسری غذا کے ساتھ یا ترکاری کے ساتھ ملانا مفید نہیں ہے جسم کو توانا اور مضبوط بنانے کے لئے بہترین شکل یہ ہے کہ صبح کے ناشتہ کی جگہ خالص پھل کھائے جائیں یا دو کھانوں کے درمیان مثلاً سہ پہر کو پھل نوش جان کئے جائیں پھلوں کے بعد ترکاریوں کا نمبر ہے جو صحت کے لئے مفید ہیں۔ ترکاریوں کا استعمال بھی ایسے طریقہ سے کرنا چاہئے کہ اُن کا فائدہ باقی رہے اور اس کی وہی صورت ہے کہ ان کو زیادہ چکنائی اور مسالوں سے نہ پکایا جائے۔

(ب)، نمک کی زیادتی معدہ کے لئے مضر ہے۔ زیادہ نمک کھانے سے بدہضمی کا عارضہ ہو جاتا ہے۔ مرچ اور مسالوں کی آمیزش سے بدبودار غذائیں خوشبودار اور خوش مزہ معلوم ہوتی ہیں اور مقدار میں زیادہ کھائی جاتی ہیں اور ان چیزوں کے استعمال سے اچھی طرح بھوک لگتی ہے لیکن مزے دار چٹخاروں کا انجام یہ ہوتا ہے کہ مرچ اور مسالوں کی تیزی معدہ میں خراش پیدا کر دیتی ہے اور معدہ جگر اور گردوں کو نقصان پہونچتا ہے اور اس لئے عام صحت خراب ہو جاتی ہے۔

(ج)، ترشی۔ انسان کو مرغوب اور ایک حد تک مفید ہے مگر جہاں تک ممکن ہو اس کے لئے ترش پھل استعمال کئے جائیں۔ ترش پھل کھانے کا بہترین وقت صبح کا ہے۔ سرکہ جس کا رواج ہندوستان میں بہت زیادہ ہے معدہ کے لئے مضر ہے۔ البتہ لیموں اور نارنگی بہترین چیزیں ہیں اس لئے سرکہ کی جگہ ہمیشہ لیموں اور نارنگی استعمال کئے جائیں۔

(د)، شکر اور گھی۔ یہ دونوں چیزیں بہت شوق سے کھائی جاتی ہیں مگر کثرت سے ان کا کھانا مضر صحت ہے۔ زیادہ شکر کھانے سے انسان کے جسم میں چونہ کم ہو جاتا ہے جو ہڈیوں کے لئے ایک ضروری چیز ہے گویا زیادہ شکر کھانا ہڈیوں کو کمزور کرتا ہے۔ اور گھی کی یہ حالت ہے کہ وہ منہ یا معدہ میں ہضم نہیں ہوتا بلکہ آنتوں میں پہونچکر تحلیل ہوتا ہے۔ چنانچہ جو غذائیں تلی جاتی ہیں وہ معدہ میں ہضم نہیں ہوتیں بلکہ گھی کے ساتھ آنتوں میں پہونچ جاتی ہیں اور دیر میں ہضم ہوتی ہیں۔ طفیل احمد

قواعد انجمن فلاح المسلمین

مسلمانوں کی مالی اصلاح کے لئے ضرورت ہے کہ ہر مقام پر مندرجہ بالا نام کی ایک انجمن قایم کی جائے۔ ذیل میں بطور نمونہ کے چند قواعد درج کئے جاتے ہیں امید ہے کہ اس نمونہ پر انجمن قایم کرکے مقامی ضروریات کے مطابق قواعد بنائے جائیں گے اور جہاں کوئی انجمن پہلے سے موجود ہو وہ بھی مسلمانوں کی مالی بہبودی کے کام کو اپنے قواعد میں داخل کرلے گی اور اپنی کارروائی سے اڈیٹر سودمند کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتی رہے گی۔ جدید انجمن قایم ہونے کی خبریں رسالہ سودمند میں شایع کی جائیں گی۔

مجوزہ قواعد یہ ہیں:-

(۱) فلاح المسلمین کے مقاصد وہی ہوں گے جو صفحہ اوّل پر پہلی تین دفعات میں درج ہیں۔

(۲) ممبروں کے ذاتی فرائض حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) اپنی آمدنی کا کم سے کم دسواں حصہ کسی بینک یا ڈاک خانہ یا کسی محفوظ مقام میں جمع کرنا۔

(ب) اپنی زندگی کا بیمہ کرانا تاکہ پس ماندگان کسی کے دست نگر نہ ہوں اور ہر بچہ کا تعلیمی بیمہ کرانا تاکہ اس کی تعلیم بے کھٹکے ہر حالت میں جاری رہ سکے۔

(ج) اپنے بچوں کو ابتدا سے روپیہ بچانے اور بڑھانے کی تربیت دینا۔

(د) خود نہایت سادہ زندگی بسر کرنا اور شادی غمی کے مسرفانہ اخراجات سے بچنا۔

(۳) ممبروں کے ملی فرائض حسب ذیل ہوں گے

(الف) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر روپیہ کا کاروبار کریں اور مسلمان دوکان داروں اور کاریگروں کو معیّن اور غیر معیّن منافعہ پر روپیہ دیکر انھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرائیں۔

(ب) مسلمانوں میں انجمن ہائے امداد باہمی اور مشترک سرمایہ کی کمپنیاں قائم کرنا۔

(ج) مسئلہ سود کے اصلی معنی سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اور اس مضمون کی کتابیں مسلمانوں سے پڑھوانا اور ان کے مضامین ناخواندہ مسلمانوں کو پڑھ کر سنانا۔

مسلمانوں کی مالی حالت کا آئینہ

اسلامی انجمنوں اور مسلم ہمدردوں کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنے اپنے مقامات میں مسلمانوں کی مالی حالت کی نسبت تحقیق کریں اور اس سے ازراہ کرم ہمیں اطلاع دیتے رہیں تاکہ وہ حالات یا اُن کا خلاصہ مسلمانوں کی اطلاع کے لئے رسالہ **سود مند** میں شایع کیا جایا کرے۔ مالی حالت کی تفتیش میں حسب ذیل سوالات سے مدد ملے گی۔

(۱) آپ کے قصبہ شہر یا ضلع میں جہاں کا حال آپ کو لکھنا ہے دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کی نسبتی تعداد کیا ہے۔

(۲) بمقابلہ گزشتہ دس بیس سالوں کے مسلمانوں کی زمینداریاں اور جائدادیں اب بڑھ رہی یا گھٹ رہی ہیں۔

(۳) صنعت وحرفت اور تجارت میں مسلمانوں کی نسبتی حالت انداز آکیا ہے۔ آیا کسی خاص قسم کی تجارت یا صنعت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں۔

(۴) مسلمان کاریگر۔ کاشتکار اور دوکاندار بالعموم کس قوم کے لوگوں سے قرض لیکر اپنا کاروبار کرتے ہیں۔

(۵) مسلمان پیشہ ور بالعموم کفایت شعار اور خوش چلن ہیں یا مسرف اور بدچلن۔

(۶) مسلمانوں کو قرضداری کے چکر سے نکالنے اور اُن کا کاروبار درست کرنے کے لئے آیا آپ کے ہاں انجمن ہائے امداد باہمی یا مشترک سرمایہ کی کمپنیاں ہیں یا نہیں۔

(۷) شادی اور غمی کی تقریبات میں آپ کے ہاں برباد کن مراسم کیا کیا ہیں اور اُن کے بند کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

(۸) آپ کے ہاں مسلمانوں کی تعلیمی حالت کیسی ہے۔ کوئی قومی مدارس یا انجمنیں ہیں کہ نہیں۔

(۹) آپ کے نواح میں برادران وطن اپنے بچوں کے لئے کفایت شعاری کے کیا طریقے استعمال کرتے ہیں۔

(۱۰) آپ کے نزدیک مسلمانوں کی مالی حالت کی درستی کے لئے کیا طریقے ہو سکتے ہیں

(التماس) جو اصحاب یا انجمنیں یہ حالات جمع کر کے مہربانی سے ہمارے پاس بھیجیں وہ اُن کی نقل اپنے پاس بھی محفوظ رکھیں اور سال بہ سال اس کا مقابلہ مسلمانوں کی حالت سے کرتے رہیں۔

خاکسار

اڈیٹر سود مند

رجسٹرڈ نمبر سلے ۱۱۴۵

قوم کا خادم ہوں میں ... [illegible] ... بہبود و اور فلاح قوم مرکوز ہوں مستمند

سود

آنریری ایڈیٹر
جناب ... جعفر حسین

جو مہینہ میں ایک بار علی گڑھ سے شایع ہوتا ہے

جلد (۱)	یکم اگست سنہ ۱۹۲۵ء	چندہ سالانہ (عمہ)
نمبر (۳)		قیمت فی پرچہ (۳)

مقاصد

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس وگداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمن ہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ملک سے ربا کو جو برباد کن اور حرام ہے مٹائے

(۳) فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا - اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار و تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی - ذہنی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شایع کرنا

باہتمام محمد مقتدیٰ خان شروانی
مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۵ء

فہرست مضامین سود مند

قواعدِ خریداری سود مند

(۱) یہ رسالہ بالعموم ۲۴ صفحات پر مہینہ میں ایک بار شائع ہوگا

(۲) قیمت سالانہ دو روپیہ ہے جو منیجر سود مند علی گڈھ کے پاس بھیجدی جائے یا وی پی بھیجنے کی ہدایت فرمائی جائے۔

(۳) نمونہ کا پرچہ بلا قیمت روانہ ہوگا

(۴) رسالہ کے لئے مضامین اڈیٹر سود مند علی گڑھ کے پاس ارسال فرمائے جائیں

(۵) اشتہارات کا نرخ منیجر سے معلوم کیا جاسکے۔

رسالہ جوازِ سود معہ فتاویٰ

اس رسالہ میں مختصر طور پر سود کی حقیقت، ربا او سود کا فرق اور تجارتی سود کے جواز کی صورتیں معہ علمائے کرام کے فتووں کے دی گئی ہیں اور کفایت شعاری اور روپیہ جمع کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ جو صاحب ایک جلد منگانا چاہیں وہ ذیل کے پتہ پر آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیجدیں۔ ایک سے زیادہ جلدوں کی قیمت بحساب ایک آنہ فی جلد اور پانچ روپیہ فی سو جلد ہوگی۔

منیجر سود مند علی گڈھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سودمند

طبع ثانی

جلد (۱)	یکم اگست ۱۹۲۵ء	چندہ سالانہ (عہ)
نمبر (۳)		قیمت فی پرچہ (۳)

مقاصدِ سُودمند

از محمد قمر الحسن صاحب قمرؔ بدایونی

قوم کو اپنی جگا ئے سُودمند ایسا تو ہو
بھائیوں کے کام آئے سُودمند ایسا تو ہو

کام کی باتیں بتائے سُودمند ایسا تو ہو
رنج عسرت سے چھوڑائے سُودمند ایسا تو ہو

قوم مسلم کی بھلائی چاہتا ہے سودمند
اس ضرورت کے لئے شائع ہوا ہی سودمند

اس کی جو خدمات ہیں ان کے مناسب کام ہی
قوم کی اصلاح مالی اس کا اصلی کام ہی

جو مفید قوم ہو اس کا وہی پیغام ہے
سیدھی سادی زندگی اس کا اصولِ عام ہی

بیاہ شادی میں کفایت اس کو ہی مدِ نظر
داخلِ اسراف رسموں سے سکھاتا ہے حذر

چاہتا ہی اقتصادی جتنی معلومات ہوں
کاروباری فائدے کے جس قدر حالات ہوں

ہر طرف چرچے انھیں کے قوم میں دن رات ہوں ہم بھی اوروں کی طرح با کاروبار اوقات ہوں
ہیں جو اسباب ترقی اُن سے ہم آگاہ ہوں
اور یہ عذر جہالت پھر نہ سد راہ ہوں
اس کی خواہش ہو کہ ہم مشغول کاروبار ہوں جس طرح ممکن ہو سب کے سب شریک کار ہوں
دام والے دام دے کر مفلسوں کے یار ہوں کام والے دام والوں کے امانت دار ہوں
ورنہ اس حالت سے مر جائیں جیئے تو کیا جیئے
دس کمائے قرض لے کر سود میں بارہ دیئے
اہل دولت اپنے مفلس بھائیوں پر رحم کھائیں اور ان کو سود خواروں کے اڑنگے سے بچائیں
بینک کھولیں فنڈ قایم کر کے سرمایہ بڑھائیں دفن ہو جو گھر میں دولت کام میں اس کو لگائیں
اپنا لینا اپنا دینا اپنا کاروبار ہو
جب کہیں بحر فلاکت سے یہ بیڑا پار ہو
اپنے کام آئے یہ ہی ہو اپنی دولت کا مزہ اپنے بل پر ہو یہ ہے اپنی تجارت کا مزہ
باہمی ہمدردیوں میں ہے اخوت کا مزہ قوم سب خوش حال ہو جب ہو فراغت کا مزہ
کیوں کسی سے قرض مانگیں کیوں کسی سے مول لیں
اپنے سرمایہ سے اپنی کوٹھیاں خود کھول لیں

چھوٹے زمینداروں کی قرضداری

اراضیات مرہونہ کے بینک قایم کرنے کی اسکیم کو عملی شکل میں لانے کے لئے گورنمنٹ مدراس تدبیر کر رہی ہے اور اس کے لئے سال حال کے بجٹ میں دو لاکھ روپیہ رکھا گیا ہے۔ امسال اس قسم کے چار بنک قایم کرنے کا بندوبست کیا گیا ہے اور ایک بنک قایم کر دیا گیا ہے۔ ان بنکوں میں ہر ایک کو پانچ ہزار روپیہ گورنمنٹ دے گی اور اسی قدر رقم کواپریٹو ایجنسیاں دیں گی۔ ان بنکوں کا دائرہ عمل قرب و جوار کے بیس میل تک ہوگا کواپریٹو سوسائٹیوں کے برعکس یہ بنک طویل مدت کے لئے قرضہ دیں گے جس کی حد ۲۰ سال تک قرار دی گئی ہے تاکہ مقروض رعایا کو ساہوکاروں کے دست برد سے نجات دلائی جائے۔ اس اسکیم کی کامیابی کی توقعات کا انحصار صوبہ کی رقم پر ہے جس کی معافی کی منظوری گورنمنٹ آف انڈیا نے دیدی ہے۔

کیا طفیل احمد واقعی سحرنگار ہی؟

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو
مدت ہوئی ہی دعوتِ مژگاں کئے ہوئے

"صدائے مسلم" کانپور کے ایڈیٹر صاحب نے نہایت دلسوزی سے میری اقتصادی تحریک کے خلاف ایک ایک زبردست افتتاحیہ لکھا ہی جس سے ان کی مذہبی شیفتگی اور جوشِ اسلامی کا اندازہ ہوتا ہی اس مضمون میں اڈیٹر صاحب نے نہایت مہربانی سے اس خاکسار کے متعلق یہ خیال ظاہر فرمایا ہی کہ وہ "سحر نگار" ہی۔ میں اس حسن ظن کا شکر گذار ہوں کاش ایسا ہی ہوتا لیکن من آنم کہ من دانم۔

بلکہ میں بغیر کسی شرم و حجاب کے یہ عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ بے شبہ میری یہ تمنا ہی کہ میں سحر نگار ہوتا میری یہ آرزو ہی کہ میں جادو بیان ہوتا اور کچھ نہیں تو شاعر ہی ہوتا۔ کیوں ؟ اس لئے کہ میری آنکھیں جو الم ناک نظارے اور روح فرسا واقعات دیکھتی ہیں وہ دوسروں کو بھی دکھاتا، اور سُناتا، اور اس وقت قوم جس کرب و مصیبت میں مبتلا ہے اس کی سچی تصویر کھینچ کر قوم کو دکھاتا خود بھی روتا اور ان کو بھی رُلاتا، اور نالہ و شیون کی ایسی صدائیں بلند ہوتیں جو قوم کو خواب غفلت سے بیدار کر دیتیں۔ اے کاش! خدا تعالیٰ نے یا تو قوم کی مصیبت کا احساس نہ دیا ہوتا اور اگر احساس دیا تھا تو بقدر احساس زبان و قلم میں بھی طاقت دی ہوتی تاکہ میں قوم کو بتاتا کہ وہ اس وقت کیسے خطرہ کی حالت میں ہی اور اس کا مستقبل کیسا تاریک و اندوہ ناک ہی۔ افسوس کہ ؎

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

غرض واقعہ یہ ہی کہ میں تو سحر نگار نہیں ہوں لیکن میری غریب قوم، میری مصیبت زدہ قوم ضرور سحر زدہ ہی کاش وہ اس جادو کے قلعہ سے نکلتی اور دیکھتی کہ انبیا کی جیرہ دستیوں نے اب اس کو کس حالت پر پہنچا دیا ہے اور اس پر ستم یہ ہی کہ اب بھی ان کو تھپکیاں دے دے کر سُلایا جاتا ہی۔ افریقہ و ٹرکی کے مسلمانوں کی ترقی و عروج کی داستانیں ہندوستان میں افسانۂ بزم و انجمن ہیں اور بیچارے مسلمان اپنے دل کو اس طرح تسلی دے لیتے ہیں کہ خیر ہم نہ سہی، ہمارے دوسرے بھائی ترقی کر رہے ہیں اور مصر و حجاز میں مسلمانانِ ہند کے جوشِ ملی، اور حبِ وطن قومی کے قصے

زبان زد خاص وعام ہیں اور وہاں کے بہت سے خوش عقیدہ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانان ہند عالم اسلامی کی رہبری کریں گے اور ان کو مصیبت سے نجات دلائیں گے۔ مگر حقیقت یہ کہ

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

یہ سب کچھ درحقیقت اغیار کا پروپگنڈا ہی، اور سیمیائی جلوے ہیں جو ہم کو دھوکہ دے رہے ہیں کاش ہم مسلمان دیکھیں اور غور کریں سوچیں اور سمجھیں اور پھر اس جادو سے نکلنے کی کوشش کریں۔ لیکن اس کے لئے ضرورت ہی عزم وحوصلہ کی ہمت واستقلال کی۔ اگر مسلمان ایک دفعہ یہ عزم کرلیں اور اپنے دل میں یہ ٹھان لیں کہ ہم اگر اس دنیا میں ہیں تو عزت وآبرو کے ساتھ رہیں گے یو یقین کیجئے کہ ایسا ہی ہوگا! ہمارے اندر جو کچھ خرابی ہے وہ ہماری ہی بدولت ہی، اب اگر ہم خود ہی اصلاح پر متوجہ ہوں، تو ہم کو کون روک سکتا ہی۔ خدا انھیں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں ؎

عام ہیں اس کے تو الطاف شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

میں نہیں کہہ سکتا کہ قوم میں اپنی مالی اصلاح کا احساس کس حد تک پیدا ہوگیا ہی اور اس میں کتنے ایسے ہیں جو ہماری صدا سے متاثر ہوئے ہیں لیکن اگر قوم میں فی الحقیقت کوئی احساس پیدا ہوگیا ہی تو یہ ہماری سحر نگاری کا نتیجہ نہیں بلکہ واقعات کا اقتضا ہی واقعات ومصائب اس قدر دردناک ہیں کہ اب دامن صبر لوگوں کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہی اور وہ بے چین ہیں کہ اس مصیبت سے نکلنے کی کوئی راہ تلاش کریں جن لوگوں کو قوم کی اس درماندگی اور اضطراب کا احساس ہی وہ نیک نیتی سے اپنی اپنی سمجھ کے موافق طرح طرح کی تدبیریں بتاتے ہیں اور قوم حالت از خود رفتگی وسراسیمگی میں اُن تدابیر پر عمل کرنے کو جھک پڑتی ہی۔ لیکن نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ مایوسی! وناکامیابی! ناکامی ونامرادی اس لئے قوم دل شکستہ ہوجاتی ہی۔ اور جب امید کی کوئی روشنی اور کامیابی کی کوئی جھلک اس کو نظر نہیں آتی تو قدم ڈگمگا جاتے ہیں، استقلال رخصت ہوجاتا ہے اور وہ ہمت ہار کر بیٹھ جاتی ہی اور سمجھ لیتی ہے کہ تقدیر برگشتہ ہی، اور زمانہ مخالف۔ اس لئے کوشش بے سود اور جد وجہد لاحاصل ؎

حسرت پہ اس مسافر بیکس کی روئیے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

میں نے جب ہوش سنبھالا اور آنکھیں کھولیں تو قوم کی یہ عبرت انگیز حالت سامنے تھی کم وبیش ایک چوتھائی صدی

یکم اگست ۱۹۲۵ء

سوچا اور غور کیا کہ آخر اس مصیبت کا علاج کیا ہے؟ جو جو علاج بتائے جاتے تھے سب کو دیکھا، جانچا، آزمایا، مگر نتیجہ ہیچ۔ آخرکار ایک مدت کی تلاش و جستجو کے بعد وہ گوہرِ گم گشتہ جس کی تلاش تھی ہاتھ آگیا تو میں نے چاہا کہ اس کو قوم کے سامنے پیش کروں چنانچہ پانچ چھ سال سے بقدر اپنی طاقت و استطاعت کے اس خدمت میں مصروف ہوں۔ ہماری سب سے بڑی تمنا اور آرزو یہ ہے کہ افرادِ قوم فارغ البال ہوں۔ اُن کے چہرے شگفتہ ہوں۔ اُن کے ارادے زبردست ہوں، ان کے حوصلے بلند ہوں، اور زندگی کا صحت بخش خون بجلی کی طرح ان کی رگوں میں دوڑ رہا ہو، اور وہ مال و دولت اور شان و شوکت میں دنیا کی دوسری ترقی یافتہ اور سربرآوردہ قوموں کے دوش بدوش نظر آئیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری یہ صدا خوابِ غفلت میں سونے والوں کو تلخ و ناگوار ہوگی اور اس کا بار بار اعادہ اور بھی زیادہ صبر شکن، لیکن آخر چارۂ کار کیا ہے؟ ایک خوفناک طوفان کے آثار ہر طرف نمایاں ہیں۔ کالی کالی کوہ پیکر گھٹائیں اُمنڈ اُمنڈ کر آرہی ہیں۔ ایسی صریح خطرہ کی حالت میں خاموشی بظاہر مشکل ہے۔ اگر بعض محبان اور بزرگان قوم سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ چیخ پکار صدائے بے ہنگام ہے تو وہ جانیں اور ان کا کام۔ ہم تو ؎

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

اب سوال یہ ہے کہ وہ خطرہ کیا ہے؟ اور وہ کون سی چیز ہے جس نے اسلام کے زبردست و طاقتور جسم کو نحیف و نزار کر دیا ہے، اور وہ کون سی خوفناک طاقت ہے جس نے شیروں کو لومڑی بنا دیا ہے؟ وہ سُود کی "خوفناک" بلا ہے وہ سود کا "ہیبت ناک نشتر" ہے جس کی نوک رگوں سے ٹکراتی ہے اور خون اس کا خیر مقدم کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ لیکن بہت سے بدنصیب ایسے ہیں جن کو اپنے طاقتور جسم کی وجہ سے اس نشتر کی خبر بھی نہیں ہوتی لیکن تا کجے۔ جب اذیت پہنچتی ہے تو مڑ مڑ کر نگاہِ غلط انداز سے دیکھتے اور بے پروائی سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اپنی جسمانی قوت کے زعم میں یہ سمجھتے ہیں کہ اور تازہ خون پیدا ہو جائے گا لیکن ان کی یہ اُمید کبھی پوری نہیں ہوتی بلکہ کمزوری و ناتوانی روز بروز بڑھتی جاتی ہے جو آخرکار ان کو از کار رفتہ کر دیتی ہے، اللہ! اللہ! وہ مسلمان جو کبھی تیغ و تفنگ اور تیر و خنجر کے سامنے سینہ سپر ہو کر آتے تھے آج سود خواروں کے غلام ہیں اور اپنی دولت و عزت، مذہب اور خاندان کی حرمت کو اس طرح برباد کر رہے ہیں، اور اپنے بزرگوں کی جائدادوں کو خود اپنے ہاتھوں تباہ کر رہے ہیں، آہ! کس کو خبر ہے کہ ہماری قوم کے کتنے افراد ایسے ہیں جو سود کے کشتۂ ستم ہیں اور جن کو اسی غم اور مصیبت نے لبِ گور تک پہونچا دیا۔ وہ اس تکلیف دہ ذلت کو برداشت نہ کر سکے اور گھل گھل کر فنا ہو گئے اور ان کی اولاد جس کو انھوں نے نازو نعمت میں پالا تھا آج غریبی کی کشمکش میں تنہا رہ گئی۔

اے سنسان قبرستانوں کی خاموش قبروں، کاش خدا تمھیں لب گویا عطا کرتا اور تم ہمیں بتاتیں کہ تمہارے اندر کیسے کیسے جواہر گرانمایہ مخفی ہیں اور قوم کے کیسے کیسے تومند نوجوان تمہارے اندر محوخواب ہیں جو شیروں سے بھی ہاتھ ملانے میں نہیں ڈرتے تھے۔ لیکن سود کے حملہ کی تاب نہ لا سکے اور اپنی عزت و دولت اور ننگ وناموس کو برباد کرکے آبادی سے باہر ویرانہ میں آبسے تاکہ حشر تک آرام سے سوئیں۔

بہرحال مرنے والے تو مرگئے لیکن وہ اپنے ویران کھنڈروں شکستہ در و دیوار اور نقیبت زدہ کنبہ کو چھوڑ گئے ہیں تاکہ زندہ ان سے عبرت و بصیرت حاصل کریں اور غور کریں کہ پہلے وہ کیا تھے اور اب کیا ہیں؟ اور انھوں نے اپنی اولاد کو اس دنیا کی کشمکش کے لئے کس حد تک تیار کیا ہے۔ اے دوستو! خدا کے لئے ذرا سوچو تو کہ زمانہ کا رُخ کس طرف ہے؟ اور تم کس طرف جا رہے ہو؟ کیا یہ مقام عبرت نہیں ہے کہ جس قوم نے کبھی قیصرو کسریٰ کے سامنے سر نہ جھکایا آج وہ سرمایہ داروں اور سودخواروں کی انگلیوں پر ناچتی ہے سرمایہ دار جونک کی طرح اُس کا خون چوس رہے ہیں اور وہ اُف نہیں کرتی۔ برائے خدا ذرا سوچو تو کہ یہ کیا حالت ہے اور کدھر جا رہے ہو؟ اگر تم میں کچھ لوگ اتفاق سے دولت مند ہیں تو یہ نہ سمجھیں کہ یہ دولت اسی طرح ان کے خاندان میں رہیگی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آج جو تم میں غریب و مفلس ہیں وہ سدا سے غریب نہیں کبھی اُن کے باپ دادا کے پاس بھی دولت تھی، جائداد تھی، وہ بھی عزت و آبرو رکھتے تھے۔ لیکن آج محتاج ہیں جب تمہاری سلطنتیں مٹ گئیں تو یہ ذرا سی دولت کیا چیز ہے۔ شہنشاہ تغلق کی اولاد آج گھاس بیچتی اور تیموری شاہزادے بھیک مانگتے ہیں، جب حالت یہ ہے تو دوستو تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ تمہاری یہ دولت ہمیشہ باقی رہیگی۔ بالکل ممکن ہے کہ حوادث زمانہ اس کو تمہاری زندگی ہی میں برباد کردیں۔ کیا تم نے کسی کی دولت و جائداد کو کبھی تباہ ہوتے نہیں دیکھا، اگر دیکھا ہے تو پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ جو کچھ دوسروں کو پیش آیا وہ تم کو نہیں پیش آئے گا۔

پس اے دوستو مقتضائے عاقبت اندیشی یہ ہے کہ تم اس دنیا میں رہنے کے طریقے سیکھو اور اپنی اولاد کو دنیا کی کشمکش کے لئے تیار کرو، اور اُن میں ایسی قابلیت پیدا کرو کہ وہ دولت کمانا اور اس کا بچانا سیکھیں اور دلیری کے ساتھ حوادث زمانہ کا مقابلہ کرسکیں، تم اپنی اولاد کو جفاکش، مضبوط، محنت پسند اور کفایت شعار بناؤ اور خود بھی ایسے ہی بنو، تم سود کے علاج بالمثل کے لئے تیار ہو جاؤ پھر دیکھو کہ دولت اپنا رُخ کس طرف پھیرتی ہے مگر جو کچھ کرنا ہے جلد کرو کیوں کہ خطرہ کی گھنٹی بج رہی ہے مہلت کا وقت گزر چکا ہے اب انتظار کا زمانہ نہیں پند و وعظ کا وقت گزر چکا، اسپیچ و لکچر کا دور ختم ہو گیا نالہ و فریاد بے سود ثابت ہوئی، اب کام کا اور صرف "کام" کا وقت ہے ؎

تاچند رہو گے مست و سرشار　　اُٹھو کہ سحر ہوئی نمودار
سوچو تو ذرا کہ حال کیا ہے　　کس خواب میں ہو خیال کیا ہے

غفلت میں جو شب بسر ہوئی ہے — لو اب تو اُٹھو سحر ہوئی ہے
اغیار کے طنز کو بھی سن کر — لگتے نہیں کیا جگر پہ نشتر
ہو گرد رہِ صف لیس کیوں — اس قوم میں خوار ہو تمھیں کیوں
اس نے تمھیں اوج سے اتارا — اقبال نے کیوں کیا کنارا
کس پیچ میں رہ گئے ہو پھنس کر — کیا ہو کہ اُجڑ گئے ہو بس کر
شکوہ وہ ہیں بزدلی کے تم کو — لٹے ہیں جو نوکری کے غم کو
ہر علم و ہنر سے بے خبر ہو — صنعت میں جو تم شکستہ پر ہو
رونا ہی تمھیں اب آج جن کا — خود کردہ ہیں کیا علاج ان کا
دنیا کے نہ کام کے نہ دیں کے — افسوس رہے نہ تم کہیں کے
اب عیش نصیب ہے نہ آرام — گھر گھر میں مچا ہوا ہے کہرام
رونق کا اثر نہ عیش کی بو — اک خاک ہی اُڑ رہی ہے ہر سو

کچھ تم کو خبر ہے یا نہیں ہے — کچھ دل پہ اثر ہے یا نہیں ہے
دیکھو تو ذرا یہ حالتِ زار — کیوں قیدِ بلا میں ہو گرفتار
کیوں تم پہ ستم کا ہے نشانہ — بگڑا ہے تمھیں سے کیوں زمانہ
کیوں بار ہے تم پہ اس زمیں کا — کیوں برقِ بلا گری تمھیں پر
افلاس میں تم ہو ہو گرفتار — بیٹھے ہو جو نقش پا سے بیکار
حرفت کو جو ترک کر چکے ہو غارت — برباد جو ہو چکی تجارت
افعال جو سخت مبتذل ہیں — تدبیر کے دست و پا جو شل ہیں
غفلت میں جو خوب سو چکے ہو — ہونا جو نہ تھا وہ ہو چکے ہو
نکبت کی گھٹا ہے سر پہ چھائی — افلاس کی ہر طرف دہائی
برباد پڑے ہیں کارخانے — نکبت نے مٹا دیئے گھرانے
اُمید کے دن کی ہو چکی شام — خورشید اب آ گیا لبِ بام

اب وقت اخیر ہے خبر لو
جو کچھ کرنا ہے اب بھی کر لو

طفلِ احمد

اصلاح رسوم ٹرکی میں

سلطنت ٹرکی نے شہر قسطنطنیہ کی کونسل کو ہدایت کی ہے کہ وہ تقریبوں کے موقعوں پر فضول خرچی کو روکنے کے لئے قواعد تجویز کرے۔ یہ تجویز کیا گیا ہے کہ شادی کے موقعہ پر دعوتوں کو بالکل منسوخ کر دیا جائے اور مہمانوں کو صرف مٹھائی اور شربت تقسیم کیا جائے۔ برات میں پانچ گاڑیوں سے زیادہ لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ دولھا اپنی دلہن کو صرف ایک انگوٹھی بطور تحفہ کے دے سکتا ہے اور دلہن صرف ایک کمرہ کا فرنیچر گھر بنانے کے لئے دے سکتی ہے۔ دلہن کے جوڑے دو سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔

نوٹ ۔ اُمید ہے کہ سلطنت ٹرکی کے متعلق یہ فیصلہ دیکھ کر مسلمانانِ ہند اپنی فضول، برباد کن اور مسرفانہ رسوم پر نظر کریں گے اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہر مقام میں اصلاحی کمیٹیاں قایم کی جائیں جو اپنے شہر، قصبہ یا برادری کی حسبِ حال ہر تقریب کے لئے جدا جدا رقوم مقرر کر دیں جن سے تجاوز کرنے والوں پر جرمانہ کیا جائے اور وہ جرمانہ بچوں کی تعلیم یا کسی نیک کام میں صرف ہو جب کہ اس وقت ہندوستان کی خوش حال قومیں اپنے رسوم میں اصلاح کر رہی ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ مفلس مسلمان اس طرف کیوں توجہ نہیں کرتے۔ (اڈیٹر)

موجودہ صنعتوں کو ترقی دینے کا امکان

کواپریٹو بنک و اسٹورس

(ماخوذ از صنعتی رپورٹ آگرہ)

آگرہ کی قدیم دستکاریاں دری، قالین اور گوٹا ہیں لیکن ان کے کاریگروں کی حالت نہایت افسوس ناک ہی۔ یہ بیچارے بالکل ساہوکاروں اور دُکان داروں کے دست نگر ہیں اور صرف اُن کے مزدور بن کر رہ گئے ہیں جو اُن کو مختلف ترکیبوں سے بیحد پریشان کرتے ہیں ان کی محنت کا سارا نفع دُکان داروں کی جیب میں جاتا ہی۔ پیشگی روپیہ دینے کا رواج ہی اور شرح سود ناقابل برداشت ہی کٹوتی کا رواج اور اس میں جدید اضافہ کا ہونا نئی مصیبت ہی جو کاریگروں کو جبراً و قہراً برداشت کرنی پڑتی ہی۔ ان کے خود اپنے کارخانے نہیں لیکن کوئی بنک یا سوسائٹی ایسی نہیں ہی جو ضرورت کے وقت چھوٹی چھوٹی رقمیں ان کو ہلکے سود پر قرض دیدے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ کام کر سکیں وہ دُکانداروں کے لئے محنت کرتے ہیں اور مال تیار کر کے اُن ہی کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں اور اس مال کی قیمت دُکان دار اپنی مرضی کے مطابق ان کے حساب میں لگا دیتا ہی۔ دُکان دار ایک خاص قوم کے ہیں اور اس وجہ سے ان میں باہمی مقابلہ نہیں ہوتا ہی۔ جب کبھی وہ کسی خاص کاریگر کو نقصان پہونچانا چاہتے ہیں تو آپس میں مشورہ کر کے اس کے مال کی قیمت مقرر کر دیتے ہیں اور اس غریب کاریگر کی محنت اور مزدوری کا کچھ بھی لحاظ نہیں کرتے۔ چوں کہ کوئی اور خریدنے والی دُکان یا اسٹور موجود نہیں ہی اس لئے دُکاندار جو کچھ دیتا ہی وہ کاریگر کو منظور کرنا پڑتا ہی۔ اگر وہ اپنا مال فروخت نہ کرے تو اس کے گھر والے فاقہ مریں۔

گوٹہ والوں کی بھی حالت خراب ہی وہ بھی دُکانداروں کے مزدور ہیں کیوں کہ گوٹہ سازی کے کارخانہ داروں کے پاس اس قدر سرمایہ نہیں ہی کہ وہ خود مال تیار کر سکیں۔

پگڑی سازوں کی حالت اس واقعہ سے بخوبی ذہن نشین ہو جائیگی کہ پگڑی ساز جولاہی کی مزدوری چار آنہ یومیہ ہے جو اس کی خوراک کے واسطے بھی ناکافی ہی اور اسی وجہ سے وہ نیم برہنہ رہتے ہیں۔

دری بافوں کی خراب حالت

صیغہ صنعت و تجارت نے جس کا صدر مقام کانپور ہی ہر ضلع کے صنعتی کاموں کی تحقیق و تفتیش بڑے اہتمام سے کرائی ہی اور ہر ضلع کی جداگانہ رپورٹیں مرتب کی ہیں جو قابل ملاحظہ ہیں۔ ذیل میں ضلع آگرہ کے دری بافوں کی کیفیت درج کی جاتی ہی جو رپورٹ مذکور میں تحریر ہی۔

دری بافوں کو بمشکل ان کی روزانہ مزدوری ملتی ہے کیوں کہ سارا نفع دکان داروں کی جیب میں جاتا ہی۔ دری بافوں کو دری کے تاجر دو یا تین روپیہ سیکڑہ ماہوار سود پر پیشگی روپیہ دیدیتے ہیں۔ دری باف اس روپیہ سے سوت خریدتے ہیں پھر دن بھر دریاں بنتے ہیں اور شام کو کناری بازار میں دری کے تاجروں کے ہاتھ ان کو فروخت کر دیتے ہیں بعض وقت سوت بھی اُدھار لیا جاتا ہی لیکن اس صورت میں دری بافوں کو دو چند نقصان برداشت کرنا پڑتا ہی۔ اول تو اس کو بھاری سود دینا پڑتا ہے دوسرے اس کو سوت بازار کے نرخ سے گراں ملتا ہی۔ دری کی خرید و فروخت کا اصولاً یہ قاعدہ تھا کہ دری باف اپنی تیار کی ہوئی دری دکان دار کو دکھاتا تھا۔ اگر قیمت طے ہو جاتی تو اس کو فوراً دام مل جاتے تھے۔ دکان دار صرف ایک پیسہ فی روپیہ کٹوتی کاٹ لیتا تھا اگر اس دکان دار سے دام طے نہ ہوتے تو وہ اپنی دری دوسرے دکان داروں کو دکھاتا اور بالآخر جس کسی سے دام طے ہو جاتے اُسی کے ہاتھ اپنی دری فروخت کر دیتا تھا۔

لیکن اب اس طریقہ میں بہت کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہی۔ اب دری باف کلیتاً اپنے قرض خواہ اور دکان دار کے رحم پر ہی۔ وہ مجبور ہے کہ جس روز دری تیار کرے اسی دن اس کو فروخت کر دے خواہ اس کو مناسب قیمت ملے یا نہ ملے ورنہ دوسرے دن اُسے بھوکا مرنا پڑیگا۔ دری باف کو اکثر اپنے قرض خواہ یا اپنے دکان دار کے ہاتھ ہی دری فروخت کرنی پڑتی ہے جو اپنی مرضی کے مطابق اس کی قیمت لگاتا ہے اگر قیمت کم ہوتی ہی اور دری باف اس کو قبول نہیں کرتا تو اس کو اپنی دری کسی دوسرے دکاندار کے ہاتھ فروخت کرنی پڑتی ہی لیکن قرض خواہ دری باف سے کہتا ہی کہ میاں اوّل میرا روپیہ ادا کر دو اس کے بعد میں تم کو اپنی دکان سے دری لے جانے کی اجازت دوں گا۔ اس لئے دری کی مناسب قیمت لگانا صرف دکاندار کی نیک نیتی پر منحصر ہے جس کو دری باف بھی بخوشی منظور کرے۔ بعض دھرم کے کاموں کے لئے کٹوتی تین پیسے فی روپیہ لگا دی گئی ہی جو دری بافوں سے وصول کی جاتی ہی۔ دکان داروں کی ان نامناسب کارروائیوں سے عاجز آ کر دری بافوں نے پنچایت کر کے ہڑتال کر دی اور فیصلہ کر لیا کہ ہم تین پیسے فی روپیہ کٹوتی ہرگز نہ دیں گے جو دکان داروں کی بعض مذہبی

سوسائیٹوں کے لئے ہم سے وصول کیا جاتا ہے اور جن سے ہمارا کوئی مقصد اور کچھ تعلق نہیں ہے۔ ہڑتال پورے ایک مہینہ تک رہی اس کے بعد باہمی تصفیہ ہو گیا جس میں شرح کوٹی دو پیسہ فی روپیہ قرار دیدی گئی۔

دری بافوں کے لئے دوسری مصیبت یہ ہے کہ دُکان دار دری ناپنے میں بے ایمانی کرتے ہیں۔ جب وہ دری ناپتے ہیں تو مربع فٹ کی کسرات کو حساب میں نہیں لگاتے۔ اس لئے غریب دری بافوں کا افلاس روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے اور اندیشہ ہے کہ عنقریب اس صنعت میں بہت کچھ زوال آجائے۔ اس لئے یہاں پر دری بافوں کو چھوٹی چھوٹی رقمیں قرض دینے، ان کو سوت دینے اور اُن سے دریاں خریدنے کے واسطے ایک کواپریٹو اسٹور قایم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ صرف اسی تدبیر سے غریب دری باف ظالم اور بیرحم دکانداروں کے دست تظلم سے نجات پاسکتے ہیں''۔

مسلم بنک

مسلم بنک لاہور سنہ ۱۹۱۲ء میں قایم ہوا تھا۔ اخبار مسلم آؤٹ لک نے اس کی کمی سرمایہ پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے اس کی حسب ذیل تفصیل دی ہے۔

سنہ ۱۹۱۲ء میں ۱۰۵۷۰۰ روپیہ	سنہ ۱۹۱۷ء میں ۱۰۰۰۰۰ روپیہ
سنہ ۱۹۱۳ء میں ۱۲۸۵۰۰ روپیہ	سنہ ۱۹۱۸ء میں ۱۳۰۰۰۰ روپیہ
سنہ ۱۹۱۴ء میں ۸۱۰۰۰ روپیہ	سنہ ۱۹۱۹ء میں ۱۸۵۰۰۰ روپیہ
سنہ ۱۹۱۵ء میں ۶۶۰۰۰ روپیہ	سنہ ۱۹۲۴ء میں ۶۳۸۰۰۰ روپیہ
سنہ ۱۹۱۶ء میں ۸۱۰۰۰ روپیہ	

گویا بارہ سال میں مسلم بنک کا سرمایہ کل چھ لاکھ اڑتیس ہزار تک پہونچا ہے۔ برخلاف اس کے سنٹرل بنک کا جو مسلم بنک کے ساتھ قایم ہوا تھا اس وقت سرمایہ بائیس کروڑ یعنی مسلم بنک سے ۳۴۵ گونہ ہے۔ مسلمانوں کا ہندوستان بھر میں صرف یہی ایک بنک ہے جس کی حیثیت اوسط درجہ کے ایک مہاجن کے کاروبار کے برابر ہے برخلاف اس کے پنجاب میں ہندوؤں کے متعدد بنک ہیں جن کا سرمایہ کروڑوں روپیہ ہے۔ اس زمانہ میں بنک ہی مرکز تجارت کا ہے۔ جس قوم کا حصہ بنکوں میں نہیں وہ تجارت سے خارج ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ روپیہ اپنے یا دیگر اقوام کے بنکوں میں لگانا چاہیئے۔ بیشک ابتدا میں نقصانات کا اندیشہ ہے مگر اب تو سراسر ٹوٹا ہی ٹوٹا ہے بنکوں میں روپیہ لگا کر نقصان اُٹھانے کے بعد افراد قوم کو کچھ تو تجربہ ہوگا جس سے وہ آیندہ کے لئے ایسے طریقے سکھیں گے جس سے روپیہ کا کاروبار اُن کے قبضہ میں آجائے۔

اسراف و مسئلہ سود

مسلمانوں کی مالی حالت بیحد قابل افسوس ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دولت نے دیگر اقوام سے قول دار لیا ہے مگر مسلمانوں سے دولت اور ثروت کو قلبی نفرت ہے۔ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو نہ دولت پیدا کرنا آتا ہے اور نہ اس کا رکھ رکھاؤ۔ جس کسی مسلمان کو کبھی چھپر پھاڑ کر کچھ مل بھی جاتا ہے تو وہ اس کی قدر نہیں کرتا بلکہ اسراف کے ذریعے دور کر دیتا ہے۔ یہ بات مانی ہوئی ہے کہ دولت ہی قوت ہے جس کے پاس دولت نہیں وہ بے زر اور بے پر کہلاتا ہے کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں پے در پے فاتح آئے اور ہندو قوم صدیوں تک محکوم رہی ہے سینکڑوں مرتبہ لٹی مگر اب بھی دولت اس قوم کی باقی ہے۔ اور مسلمانوں کی سلطنت کو گئے ہوئے بہت بڑی مدت نہیں گذری بلکہ کہنا چاہیے ؎

بزم کو برہم ہوئے مدت نہیں گزری بہت
اٹھ رہا ہے گل سے شمع بزم کے اب تک دھواں

مگر مسلمان اتنی ہی مدت کی محکومی میں مر مٹے۔ کسی شہر میں جائیے اور خاموشی سے گشت کیجئے تو مسلمانوں کے محلوں کی حالت زار خود زبان حال سے بتا دیتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی اجاڑ بستیاں ہیں، مکانات کھنڈر یا بے مرمت میلے کچیلے۔ فرش۔ کھرنجے ندارد۔ کیوں کہ میونسپلٹی ان محلوں میں فرش پختہ بناتی ہے جہاں دولت مند ٹیکس دینے والے آباد ہوتے ہیں مسلمان محلوں میں جو آدمی گھروں سے نکلتے یا گلیوں میں نظر آتے ہیں ان کی صورت اور پوشش سے مفلسی ظاہر ہوتی ہے جو مسلمان خال خال خوش حال ہیں وہ چوں کہ سود نہیں لیتے لہذا ان کی دولت گھٹتی ہی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمان دولت بڑھانے کے مزے سے ناواقف ہیں ان کو صرف بیجا کے جلد فنا ہو جانے والے گل چھروں میں بڑا لطف آتا ہے موقعہ اور بے موقعہ روپیہ اٹھانے کا ایک ہی طریقہ ان کو معلوم ہے ان کو یہ خبر ہی نہیں کہ دولت کے بڑھانے میں بھی ایک سرور ہوتا ہے جس کو یہ حال معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دولت بڑھ رہی ہے اس کو بھی ایک خاص قسم کی دل جمعی اور ایک خاص لذت آتی ہے۔ یہ وہی لطف اور سرور ہے جو مہاجنوں کو اسراف سے روکتا ہے۔ لذات اور چٹخاروں کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ ہم جب کسی خوش حال دولت مند ساہوکار کو سادی وضع اور اپنی دانست میں اس کی حیثیت سے کم خرچ کرتے دیکھتے ہیں تو چپکے چپکے آپس میں کہتے ہیں "دیکھو فلاں ننانوے کے پھیر میں پڑا ہے روپیہ جوڑ رہا ہے" ننانوے کا پھیر وہ خیال ہے جو قرض دینے والے کی امید بڑھاتا ہے کہ میری دولت بڑھ رہی ہے کوئی دم جاتا ہے کہ ننانوے کے بعد سینکڑہ پورا ہوا چاہتا ہے۔ یہی خیال ہے

جو اسراف کے زہر کے لئے تریاق کا کام دیتا ہے۔ جو سُود لیتا ہے وہ مُسرف نہیں ہوتا بلکہ اگر مسرف سود پر روپیہ لگانا شروع کر دیتا ہے تو اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ ہاتھ روک لیتا ہے اور صَرف بیجا سے پرہیز کرنے لگتا ہے۔

جب مُسلمان دُنیا پر حکمراں تھے تو اور بات تھی مگر اب تو بقول غالب یہ حال ہے ؎

وہ بادۂ شبینہ کی سرمستیاں کہاں
اُٹھئے بس اب کہ لذّتِ خوابِ گراں گئی

عاشقی اور عشق بازی کا زمانہ گذر گیا مولانا روم نے عشق کی شان میں فرمایا ہے کہ "اے دوائے جملہ علت ہائے ما" مگر ہم کہتے ہیں کہ فی زمانہ تو سُود مسلمانوں کے جملہ امراض مفلسی کا مجرّب علاج ہے جس کو یقین نہ ہو آزما دیکھے۔

قسیم بیگ چغتائی

مسلمانو حالت کو اپنی سنبھالو

(از چودھری اُلفت علی خاں۔ ساکن لاہا ضلع انبالہ)

ذرا پردہ غفلت کا اب تو اُٹھالو نہ آنکھیں کرو بند کچھ دیکھ بھالو
تساہل طبیعت سے اپنی نکالو تباہی سے ہستی کو فوراً بچالو
مسلمانو حالت کو اپنی سنبھالو

ملی خاک میں آبرو ہے تمہاری نہیں دیکھی جاتی ہے ذلیل و خواری
گئیں جائیدادیں بھی ہاتھوں سے ساری بجاؤ گے ڈگڈگی کیا بنو گے مداری
مسلمانو حالت کو اپنی سنبھالو

تمہیں ساہوکاروں نے یہ دن دکھایا دیئے دس تمسک ہے سو کا کرایا
پھر اُن کی کیا نذر جو کچھ کمایا مگر سو کے سو ہی رہے پھر بقایا
مسلمانو حالت کو اپنی سنبھالو

پڑی پاؤں میں بیڑیاں ہیں یہ کیسی رہائی ہے مشکل یہ آفت ہے کیسی
بہی کو جو دیکھو تو ویسی کی ویسی بس اس لینے دینے کی ایسی کی تیسی
مسلمانو حالت کو اپنی سنبھالو

اس آفت سے بچنے کی صورت بناؤ سبھی مل کے اِک بنک اپنا بناؤ
نہ پھر پاس لالہ کے زنہار جاؤ نہ جا کر وہاں ذلّتیں تم اُٹھاؤ
مسلمانو حالت کو اپنی سنبھالو

اگر ہو گئی بنک جاری تمہارے پھریں گے یہ پھر لالہ جی مارے مارے
دکانوں پہ اپنی کریں گے گذارے مزے سے وہ بیچیں گے پھر شکر پارے
مسلمانو حالت کو اپنی سنبھالو

(منقول از مسلم راجپوت امرتسر)

اسکولوں میں کفایت شعاری کی تعلیم

اسکولوں اور کالجوں میں جتنے لڑکے پڑھتے ہیں اُن میں زیادہ تر ایسے ہوتے ہیں جن کی تعلیم ناقص رہ جاتی ہے اور بہت کم اعلیٰ جماعتوں تک پہونچ کر کامیاب ہوتے ہیں اور کامیاب ہونے والوں میں زیادہ تر دفتروں میں کلرکیاں یا اس سے بڑھکر اوسط درجہ کی ملازمتیں پاتے ہیں اور بہت کم اعلیٰ درجہ کے عہدوں پر پہونچ سکتے ہیں پھر اعلیٰ عہدوں پر پہونچنے والوں میں سے بھی کم ایسے ہوتے ہیں جن کا خرچ اُن کی آمدنی کے اندر رہتا ہو اس لئے بالعموم متردد و پریشان رہتے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ علوم عامہ کی تعلیم سے یہ ضروری نہیں کہ انسان سکونِ قلب اور اطمینانِ خاطر کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔ البتہ کفایت شعاری کی تعلیم ایسی چیز ہے جس کے حصول کے بعد انسان خواہ کیسی ہی ادنیٰ حالت میں کیوں نہ ہو حقیقی معنوں میں اطمینان کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم سے کسی نے پوچھا کہ حقیقی خوشی انسان کو کس طرح حاصل ہو سکتی ہے فرمایا اس طرح سے کہ انسان دس روپیہ کما کر اس میں سے آٹھ خرچ کرے اور دو بچائے۔ اس کے مقابلہ میں ایک شخص دس ہزار روپیہ کمائے اور گیارہ ہزار خرچ کرے تو اس کے ترددات اور پریشانیوں کی کوئی حد و انتہا نہیں رہتی۔ واقعہ یہ ہے کہ بالخصوص مسلمانوں کی قوم اسی مرض میں مبتلا ہے کہ کمانے سے زیادہ خرچ کرتی ہے جس سے اس کے افراد روز بروز تنزل اور پستی کی طرف جا رہے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ ابتدا سے بچوں کو اسکولوں میں کفایت شعاری کی تعلیم دی جائے جس سے وہ امتحانات میں اور امتحانات کے بعد اعلیٰ عہدے پانے اور اعلیٰ مراتب پر پہونچنے میں کامیاب ہوں یا نہوں تاہم جس حالت میں ہوں فارغ البال اور خوش و خورم رہیں۔ آج کل غریب سے غریب شخص بھی اپنے بچوں کو پیسے دیتا ہے اور وہ ان کے سامنے مٹھائی اور چاٹ کی چیزیں کھا کر چٹورپن اور اسراف سیکھتے ہیں۔ اس منصر عادات سے انھیں بچانے کے لئے اسکولوں کے منیجر اور ہیڈ ماسٹر صاحبان اپنے اپنے اسکولوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو کفایت شعاری پر ششماہی یا سالانہ انعامات دیا کریں۔ اس کے لئے حسب ذیل قواعد یا اُن کے قریب قریب جو مناسب ہوں۔ جاری کئے جائیں۔

۱۔ اسکول کے کسی ماسٹر یا کلرک کے پاس ایک رجسٹر رہے جس میں ہر طالب علم کے نام سے حساب کھول دیا جائے۔

۲۔ جو لڑکا اپنے جیب خرچ میں سے بچا کر ایک پیسہ سے لے کر روپیوں تک جو کچھ بھی دے اور جتنی بار دے وہ جمع کر لیا جائے اور ہر رقم کی رسید بچے کو دی جائے۔

۳۔ جب طلبہ زیادہ جمع کرنے لگیں اور ہیڈ ماسٹر کو اس کا انتظام کرنے میں دقت ہو تو یہ صورت اختیار کیجا سکتی

ہے کہ ہر روز دو کلاسوں کی باری مقرر کر دی جائے کہ صرف اس کے لڑکے اس دن روپیہ داخل کر سکیں۔ مگر جہاں تک ہو سکے اس قسم کی بندشیں نہ کی جائیں۔

۴۔ ڈاکخانہ کے سیونگ بنک میں ہیڈ ماسٹر اپنے عہدے کے اعتبار سے حسب قاعدہ ۴۴ (و) قواعد سیونگ بنک حساب کھول لیں اور طلبہ جو کچھ جمع کریں وہ وقتاً فوقتاً ڈاکخانہ میں جمع کرتے رہیں اس میں یہ آسانی ہے کہ طلبا کا جدا جدا حساب صرف ہیڈ ماسٹر کے رجسٹر میں رہیگا اور ڈاکخانہ میں یکجائی رقم جس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے جمع ہو سکے گی۔

۵۔ ہیڈ ماسٹر یہ دیکھتے رہیں کہ جس لڑکے کا روپیہ اتنا ہو گیا ہو کہ اس میں کیش سرٹیفکٹ خریدا جا سکے تو فوراً اس لڑکے کے نام سے خرید کر اُسے دے دیں یا اپنے اسکول میں بحفاظت رکھیں اگر کسی لڑکے کو کوئی رقم یکمشت مل جائے تو اس سے بھی کیش سرٹیفکٹ فوراً خرید دیا جائے۔ واضح ہو کہ ساڑھے سات روپیہ میں جو سرٹیفکٹ خریدا جاتا ہے اُس سے پانچ سال میں دس روپیہ ہو جاتے ہیں اور پندرہ روپیہ سے بیس روپیہ اور سینتیس روپیہ آٹھ آنہ سے پچاس اور پچھتر روپیہ سے ایک سو روپیہ ہو جاتے ہیں۔

۶۔ طلبا کو کفایت شعاری پر انعام دیتے وقت یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کس لڑکے نے پابندی کے ساتھ معین اوقات پر پیسے، یا آنے، یا روپئے جمع کئے مثلاً ایک لڑکا سال بھر تک ایک پیسہ فی ہفتہ جمع کرتا رہا تو مقابلہ اس لڑکے کے جس نے صرف چار مرتبہ میں ایک سو روپیہ جمع کر دیئے۔ پیسے جمع کرنے والے کو انعام ملیگا۔ البتہ اگر ایک امیر اور ایک غریب لڑکا باعتبار پابندیِ وقت کے اور رقم جمع شدہ کے مساوی ہوں تو غریب لڑکے کو اس لئے ترجیح دی جائے کہ اس کے لئے پس انداز کرنا مشکل تھا۔

۷۔ کیش سرٹیفکٹ کے لئے اگر اُستاد بھی روپیہ جمع کرنے میں شریک ہو جائیں تو اچھا ہے کیوں کہ جب اُستاد کفایت شعاری کے فائدہ سے واقف ہوں گے تو وہ طلبا کو بھی اس کی ترغیب دیں گے۔

دوسرا طریقہ بچوں میں کفایت شعاری پیدا کرنے کا یہ ہے کہ اسکول میں جو قلم دوات اور کاپیاں اور کتابیں اور دوسرا سامان فراہم ہو وہ سب بچوں کے مشترک سرمایہ سے ہو اور اس کا نفع طلبا میں تقسیم کیا جائے تاکہ طلبا کو کاروبار سے دلچسپی پیدا ہو۔

اُمید ہے کہ منتظمان مدارس اس طریقہ کا رواج جلد سے جلد اپنے طلباء میں جاری کریں گے۔

جن والدین کے بچے ایسے مدرسوں میں پڑھتے ہوں جن میں یہ طریقے جاری نہیں ہیں وہ خود اپنے بچوں کے لئے گھروں میں گولکیں بنا دیں اور ڈاکخانہ میں اُن کے نام سے حساب کھلوا دیں اور انھیں کے ہاتھ سے داخل کرائیں اور کیش سرٹیفکٹ خریدوائیں اور اس کو تربیت کا ایک لازمی جزو قرار دیں۔ فقط

طفیل احمد

مسلمانوں کی بے نتیجہ محنت

(افسانہ)

آصف پور ایک پُرانا اور اُجڑا ہوا قصبہ تھا۔ حسن اتفاق سے ادھر اُدھر سے ریل نکلی اور چند روز بعد وہاں سے دوسری شاخ نکلنے کی وجہ سے وہ جنکشن ہوگیا۔ اس نواح میں روئی کی پیداوار بہت تھی۔ بس پھر کیا تھا کچھ بعد دیگرے روئی کے پیچ بننے شروع ہوگئے حتیٰ کہ چند روز بعد سوت بنانے کی ایک مِل بھی وہاں کھل گئی اب وہ روئی اور سوت اور غلہ کی ایک منڈی ہے بازاروں میں تمام مال بھرا پڑا ہے۔ بمبئی سے روزانہ تار دن کا ایک سلسلہ جاری ہے ایک طرف تو تجارت کی یہ چہل پہل ہے لیکن دوسری طرف اسی بستی کے ایک محلے میں شاندار مگر بوسیدہ عمارتیں کھڑی ہیں جن کی مرمت تو درکنار اچھی طرح جاروب کشی بھی نہیں ہوسکتی۔ ان کھنڈروں میں قاضیوں کا ایک پُرانا خاندان صدہا سال سے آباد ہے اور اس کے افراد اپنی بوسیدہ بیٹھکوں میں صبح سے آدھی رات گئے تک بیٹھ کر اور حقے پی پی کر اپنا وقت بیکار گزار دیتے ہیں جب خالی باتیں کرتے کرتے جی اُکتا جاتا ہے تو ایک شخص بوستانِ خیال یا طلسم ہوش رُبا پڑھتا ہے باقی بیٹھے سُنا کرتے ہیں۔ انھیں قاضیوں میں سے ایک صاحب فرحت علی نامی اٹاوہ کی کچہری میں مدتوں نوکر رہے ہیں اور اب پنشن لے کر اپنے وطن آصف پور چلے آئے ہیں۔ اٹاوہ مسلمان بچوں کی تعلیم اور بڑی عمر کے بہی خواہان قوم تیار کرنے کی ایک تربیت گاہ رہا ہے۔ بعض پُرانے شریف مگر برباد شدہ خاندانوں کے افراد اپنی قوم کی تباہی اور اپنے گھرانوں کی بربادی سے متاثر ہوکر قومی دردمندی کے مجسمے بن گئے ہیں اور شب و روز مسلمانوں کو تیرِ مذلت سے نکالنے کی دُھن میں لگے رہتے ہیں۔ لباس و معاشرت میں یہ لوگ واقعی طور پر مفلس قوم کے نمایندے ہیں۔ ادنیٰ قسم کے لباس اور بلا کنگھے کی داڑھی سے اُن کے حواس ظاہری اور قومی محویت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے البتہ ان کی خاندانی شرافت کی ایک علامت یہ باقی رہ گئی ہے کہ بے تکلفی کے جلسوں میں جب ان میں سے کوئی فرد تقریر کرنے کھڑا ہوتا ہے تو اپنے صدر کو مائی لارڈ کے لقب سے خطاب کرتا ہے جس سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس جماعت کے افراد ایک برباد شدہ نوابی خاندان کے ممبر ہیں۔

آصف پور کے فرحت علی جب تک اٹاوہ میں رہے اس قومی جماعت کے جلسوں میں کبھی کبھی شریک ہوتے تھے اس لئے اپنے وطن میں جب پہونچے تو آباد منڈیوں اور برباد کھنڈروں کے متضاد مناظر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایک روز قاضی محب الحق صاحب قاضی شہر کی بیٹھک میں بڑا مجمع تھا کہ قاضی فرحت علی اُدھر جا نکلے۔ اور راستے بہت سے لوگوں کو خالی دیکھ کر جو کچھ ان کے دل پر گزرا اُسے ضبط نہ کرسکے اور تھوڑا موقع پا کر انھوں نے

تحریک کی کہ جلسہ کو باضابطہ کر دیا جائے۔ قاضی صاحب شہر کو صدر قرار دے کر خاندان قضاۃ کی بربادی کے اسباب و علاجات کے متعلق تقریریں ہوں۔ چنانچہ صدر کی منظوری کے بعد سب طرف سے تقاضا ہوا کہ سب سے اوّل فرحت علی صاحب تقریر کریں۔ چنانچہ آپ نے کھڑے ہو کر ایک گھنٹہ کے قریب تقریر کی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"نامی لارڈ اور شرفاء آصف پور! سب سے اوّل میں آپ صاحبوں کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ ناچیز کو ان تکلیف دہ خیالات کے اظہار کا موقع دیا جو میں مدتوں سے اپنے زخم خوردہ دل میں لئے بیٹھا ہوں۔ آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں کہ اس قدیم قصبہ پر کیسے کیسے دور گذرے ہیں۔ مسلمانوں کی سلطنت کے زمانہ کو جانے دیجئے خود انگریزی عملداری میں ہمارے خاندان کے منصفوں اور صدر الصدوروں کا ایک سلسلہ رہا ہے۔ اب جو حالت ہماری ہو گئی ہے وہ ہماری اُداس صورتوں اور پژمردہ چہروں اور بوسیدہ مکانات کے شکستہ در و دیوار سے عیاں ہے۔ بظاہر تو ہم لوگ صبح سے شام تک خوش گپیوں اور ہنسی مذاق میں وقت گزار دیتے ہیں مگر اندر ہر وقت ایک قسم کا گھن لگا ہوا ہے جو ہمیں پنپنے نہیں دیتا۔ کیا یہ سب کچھ اس لئے نہیں ہے کہ ہم اپنے حقیقی فرض سے غافل ہیں۔ اس قصبہ میں بہت دفعہ انجمنیں بنیں، اسکول قائم ہوئے مگر برساتی کیڑوں کی طرح اپنی چند روزہ زندگی پوری کر کے ختم ہو گئے۔ کاروبار جاری کرنے، تجارت اور صنعت کے انتظامات کرنے کے لئے بارہا تجربے ہوئے مگر سب ناکام رہے۔ یہ سب کیوں؟ یہ اس لئے کہ ہم کاہل ہیں۔ ہمت و جرأت میں جسمانی قوت میں، خدا کے فضل سے ہم اب بھی دوسری قوموں سے گرے ہوئے نہیں ہیں مگر افسوس کہ استقلال کے ساتھ کسی کام کو انجام تک نہیں پہونچا سکتے۔ اسی قصبہ کی منڈی میں چلے جایئے پندرہ پندرہ برس تک کے لڑکے سینکڑوں ہزاروں کا کاروبار کر رہے ہیں اور صبح سے شام تک روپیہ کمانے میں مصروف رہتے ہیں اور ہم ہیں کہ ہماری بڑی کمائی اب یہ رہ گئی ہے کہ دو چار مہاجنوں میں گشت لگانے کے بعد سو پچاس روپیہ دو روپیہ سینکڑہ سود پر لے آئے جس سے چند روز گزار دیئے اور بمصداق این ہم بر سر علم، اپنے نکھٹو ہوئے متروکات اور اُن کی ڈگریوں میں بقدر ایک کے اضافہ کر لیا۔ مگر حضرات اب اپنے بچوں پر رحم کیجئے جنھیں دنیا سے جد و جہد کی سخت کشمکش کا مقابلہ کرنا ہے۔ انھیں زندگی کے لئے تیار کیجئے، خدا کے لئے اپنے خاندان اور اپنے بچوں کی بقا کے لئے کاہلی چھوڑ دیجئے اور کمر بستہ ہو کر کھڑے ہو جایئے اور جس طرح دنیا کے دوسرے خواندہ اور ناخواندہ عالم اور جاہل مختلف کاروبار میں داخل ہو کر کسب معاش کرتے ہیں آپ بھی کسی اختیار کر کے کامیابی حاصل کیجئے۔"

فرحت علی صاحب کی پُراثر تقریر نے حاضرین میں ایک حرکت پیدا کر دی۔ نصف

یکے بعد دیگرے کھڑے ہوئے اور پرجوش تقریریں کیں۔ ایک نے بچوں کے لئے اسکول قایم کرنے کا مشورہ دیا۔ دوسرے نے کپڑے کی کوٹھی کھولنے کی تجویز کی۔ تیسرے نے کہا کہ چار پانچ آدمی مل کر فنیچر کی دوکان کریں۔ چوتھے نے پیش کیا کہ مٹھائی کی دوکانیں کھولی جائیں اور قریب تھا کہ ان تجاویز کے لئے کوئی اسکیم مرتب ہو کہ ایک کونے میں سے ایک کوزہ پشت اور کم حیثیت شخص جو [illegible] جہ کے شیخ [illegible] دوں میں سے تھے اور جنہیں اس جلیل القدر مجمع میں بولنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا بالآخر ہمت کرکے اٹھ کھڑے ہوئے اور قاضی صاحب صدر سے عاجزانہ الفاظ میں عرض کیا کہ میں تقریر کرنے کی قابلیت تو رکھتا نہیں البتہ میں آپ صاحبوں کو کام کرنے پر آمادہ دیکھ کر بھی کان سے ایک مضمون اٹھا لایا ہوں جو حال میں ایک اخبار میں شائع ہوا ہے۔ فرحت علی صاحب نے چونکہ اپنی پُراثر تقریر میں اس قصبہ والوں سے کاہلی اور غفلت کو منسوب کیا اس لئے میرا ذہن اس مضمون کی طرف منتقل ہوا جو بعنوان "کیا مسلمان فی الواقع کاہل ہیں" شائع ہوا ہے۔ چنانچہ صاحب صدر کی اجازت سے وہ مضمون پڑھا گیا جو حسب ذیل ہے۔

کیا مسلمان فی الواقع کاہل ہیں

مسلمانوں کی نسبت بعض اصحاب کا خیال ہے کہ وہ اس لئے مفلس ہیں کہ وہ کسب معاش میں کوشش نہیں کرتے اور محنت و مشقت سے جی چراتے ہیں اس لئے ہمیں مختلف شعبہ جات زندگی پر نظر ڈالنی ہوگی۔ اسلامی سلطنت کے زمانہ سے مسلمانوں کے بالعموم چار پیشے تھے (۱) زمینداری (۲) نوکری (۳) تجارت (۴) صنعت و حرفت اور کاشتکاری۔

(۱) زمینداریوں کی نسبت متعدد مضامین میں دکھایا گیا ہے کہ وہ عرصہ دراز سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے قرضہ میں نکل رہی ہیں اور ان کے نکلنے کا سلسلہ جاری ہے۔

(۲) نوکریاں اُس وقت سے ملنی کم ہو رہی ہیں جب سے کہ تعلیم عام ہوگئی جب سے سب قومیں تعلیم پا کر نوکریاں لینے لگیں اور نوکری کے لئے علمی سند کی شرط ہوگئی۔ اور بوجہ افلاس کے مسلمانوں کا کثرت کے ساتھ اعلیٰ تعلیم [illegible] مشکل ہوگیا۔

(۳) تجارت مسلمانوں کے ایک محدود طبقہ میں تھی اور وہ اس وقت سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے [illegible] جب سے سود کاروبار تجارت کا جزو ہوگیا۔

(۴) صنعت و حرفت میں مسلمانوں کی اب بھی کمی نہیں مگر جب سے سرمایہ داروں نے اس میں ہاتھ ڈالا ہے [illegible] ان [illegible] میں جاتا ہے اور چھلکا کاریگروں کے ہاتھوں میں رہ جاتا ہے۔ اسی طرح کاشتکاری پر بھی

سرمایہ داروں کا قبضہ ہے۔

مگر مسلمان باوجودیکہ ہر شعبہ زندگی سے خارج ہو رہے ہیں تاہم معاش کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے میں کسی سے پیچھے نہیں بلکہ آگے ہیں۔ اگر انھیں ڈپٹی کلکٹری نہیں ملتی تو وہ کلرکیوں کے لئے جملہ دفاتر میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں اور ادنیٰ نوکریاں نہیں ملتیں تو ٹھیکہ داریوں میں تمام تمام دن کھڑے رہ کر مزدوروں سے کام لیتے ہیں۔ کارندہ گیری اور منشی گری میں گاؤں اور کچہریوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور مدت العمر کماتے کماتے گھسے اور گھلے جاتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو پس ماندگان کے لئے ایک دن کے سہارے کا سامان نہیں چھوڑتے مسلمانوں میں خاندان کے بزرگ کی مثال بالعموم یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی آمدنی کی مقدار کے اعتبار سے ایک چُغہ پہنے ہوئے ہے جس میں وہ وابستگان کو ڈھکے رہتا ہے۔ اگر آمدنی زیادہ ہے تو یہ چُغہ خوب لمبا چوڑا ہے جس میں دُور دُور تک کے رشتہ دار سما جاتے ہیں آمدنی مختصر ہے تو یہ چُغہ مختصر ہے جس وقت یہ بزرگ خاندان دُنیا سے رخصت ہوتا ہے اور اُس کے ساتھ اُس کا چُغہ اُٹھتا ہے اسی وقت تمام خاندان ننگا نظر آنے لگتا ہے اور اس کے افراد ستر پوشی کے لئے اِدھر اُدھر بھاگتے پھرتے ہیں جو بچے تعلیم پاتے تھے اور اعلیٰ درجہ کے بورڈنگ ہوسوں میں رہتے تھے اُنھیں وظیفہ اور قرض حسنہ کی تلاش ہوتی ہے جو فارغ التعلیم ہو کر ڈپٹی کلکٹری کے متلاشی تھے وہ کلرکی کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور بیوہ عورتیں مجبور ہوتی ہیں کہ چند روز بعد رہی سہی جائداد کو مکفول کر کے اپنی زندگی کے دن پورے کریں کیا یہ صرف اس لئے ہے کہ مسلمان محنت کرنے میں کوئی کسر اٹھا رکھتا ہے نہیں بلکہ جو کچھ وہ جان مار کر کماتا ہے اس میں سے بچانا اور اُسے بڑھانا نہیں جانتا اور نہ اپنی زندگی میں اپنے وابستگان کو اس کی تعلیم دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اُس کے مرنے پر پس ماندگان ننگے کھڑے رہ جاتے ہیں اور دیگر اقوام کے لوگ اسی آمدنی میں زمیندار ساہوکار اور تعلقہ دار بن جاتے ہیں دوسری قوم کا آدمی ایک خونچہ میں کچھ چیزیں رکھ کر اس سے اپنے بچوں کی پرورش کر کے کچھ پس انداز کرتا جاتا ہے اور ایک دن بڑا مہاجن بن جاتا ہے مگر مسلمان اس سے دس گونہ آمدنی میں مدت العمر مقروض اور قلاش رہتا ہے اور مفلس مرتا ہے۔ بہر حال زندگی میں مسلمانوں کی کامیابی یا ناکامی امر دیگر ہے وہ کوشش اور محنت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ البتہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو بظاہر کچھ نہیں کرتے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جو ہر قسم کی کشمکش کے بعد ناکام ہو کر اور تھک تھکا کر بیٹھ رہے ہیں ایک صاحب ہیں کہ اُنھوں نے اپنی زمینداری میں خود کاشت کا بھی تجربہ کیا ہے۔ تجارت بھی کی ہے خاص بمبئی سے سامان لاکر دوکان بھی کھولی ہے مگر روپیہ کی بازاری اور استعمالی قیمت اور تجارت کے جدید طریقوں سے ناواقفیت کی وجہ سے سب کچھ کھو چکے ہیں اور اب اُن کی بے اعتباری کی یہاں تک نوبت پہونچ گئی ہے کہ انھیں دستاویز لکھنے پر بیس روپیہ قرض نہیں ملتے۔ حالانکہ جو مہاجن کبھی اُن کی رعایا میں سے تھا اب اس قدر دولتمند ہو گیا ہے کہ ضرورت کے وقت منڈی میں سے اپنے نوکر کو بھیج کر بلا رسید پرچہ کے دس دس ہزار روپیہ منگا لیتا ہے۔ بہر حال اس قسم کے برباد شدہ مسلمان ہر طرف سے مجبور ہو کر حصول زر کے

لئے کیمیا اور اکسیر کے نسخوں کی تلاش اور اُن کے تجربوں میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں یا دست غیب اور گشائش رزق کے لئے وظیفے پڑھنے میں مصروف رہتے ہیں یا ریاستوں سے وظیفے مقرر کراتے یا وہاں سے بلا سُودی قرضہ ملنے کی کوششوں میں رہتے ہیں۔ غرض کہ جو لوگ آپ کو مسلمانوں میں بیکار یا کاہل نظر آئیں تو اُن کی نسبت ہرگز یہ نہ سمجھے کہ ان کا دماغ کسب معاش یا حصول زر یا زر کی محبت سے ایک سرے سے لئے خالی ہے جس کے آثار اُن کے متفکر اور متردد چہروں سے عیاں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب اُن کے ہاتھ کسی بیوہ یا یتیم کا روپیہ پڑ جاتا ہے تو باوجود قریب ترعزیز ہونے کے ذاتی ضرورتوں کی وجہ سے بلا ارادہ خرچ ہو جاتا ہے اور پھر اُسے وہ ادا نہیں کر سکتے۔ ابتدا میں تو اُن کے دل کو اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے اور وہ اس امانت کی ادائیگی کے لئے سخت بے چین رہتے ہیں مگر رفتہ رفتہ اس کی عادت ہو جاتی ہے اور پھر جس صورت سے جہاں سے بن پڑتا ہے اپنا پیٹ پالتے اور تن بدن ڈھکتے ہیں چنانچہ حال کی مردم شماری کی صوبہ متحدہ کی رپورٹ میں گداگروں۔ جادوگروں۔ آوارہ گردوں۔ کسبیوں اور قیدیوں میں ہندوؤں کی تعداد دولاکھ پانچ ہزار ہے۔ نسبتی مردم شماری کے اعتبار سے اس مد میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کا چھٹا حصہ یعنی صرف ۳۴ ہزار ہونی چاہیئے تھی مگر وہ دراصل ایک لاکھ ۹۰ ہزار ہے جو تعداد میں ہندوؤں کے تقریباً مساوی ہے اس حساب سے مسلمان ناجائز پیشوں میں اپنی تعداد کی اعتبار سے ساڑھے پانچ گنے ہیں جو میرے نزدیک قابل رحم ہے نہ کہ قابل ملامت کیوں کہ مسلمان نہیں جانتے کہ اس دُنیا میں زندگی کے دن کس طرح پُورے کریں؟"

یہ مضمون سُن کر حاضرین میں کچھ دیر تک ایک سکتہ کا عالم طاری رہا۔ اس کے بعد ایک ٹھیکہ دار صاحب نے اپنی سرگزشت بیان کی اور کہا کہ میں نے محنت کرنے میں مزدوروں کو اور روپیہ پیدا کرنے میں بڑے بڑے مہاجنوں کو مات دی۔ مگر کمائی کا بڑا حصہ روپیہ والوں کی نظر ہوتا رہا جن سے میں قرض لیتا تھا۔ اپنا ذاتی روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم میں سے بڑے بڑے لوگوں کا وجود مثل ایک کانچ کے جسم کے ہوتا ہے کہ ذرا سی ٹھیس لگنے ذرا سے حادثہ سے چور چور ہو جاتا ہے۔ بہرحال محنت کرتے کرتے میں ختم ہو گیا۔ محض ایک انجینیر کی ناراضی سے میرا کاروبار بگڑ گیا اور اب میں بقول مضمون نگار کے تھک تھکا کر بیٹھ گیا ہوں۔ ٹھیکہ دار صاحب کے بعد دیگرے کئی اصحاب کھڑے ہوئے کسی نے اپنی خود کاشت میں ناکامی کے حالات سُنائے۔ کسی نے تجارت اور دوکانداری کے، بالآخر قاضی مختار احمد جو مرحوم اسلامیہ اسکول کے سکرٹری رہ چکے تھے رسالہ سُودمند ہاتھ میں لئے کھڑے ہو گئے اور انھوں نے اس کا آخری صفحہ کھول کر پڑھا اور کہا کہ اب زیادہ گریہ و بُکا کی ضرورت نہیں۔ اب کام کرنے کا وقت ہے میں تحریک کرتا ہوں کہ یہاں بھی **فلاح المسلمین** کے نام سے ایک انجمن قایم کی جائے اور اس کے ذریعے سے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک سب کو کفایت شعاری کی تعلیم دی جائے۔ پھر قاضی مختار احمد صاحب نے سُودمند میں سے قواعد فلاح المسلمین پڑھ کر سُنائے۔ مقامی حالات کے مطابق کسی قدر ترمیم و اضافہ کے بعد سب نے انھیں منظور کیا۔ اور

قرار پایا کہ روئداد کی ایک نقل دفتر سود مند کو بھیجی جائے۔ قراردادوں میں سے چند اہم امور یہ ہیں۔

(۱) سب سے اوّل ایک انجمن امداد باہمی قایم کی جائے۔ اہل خاندان میں سے جس کو روپیہ کی ضرورت ہو اُسی سے بازار سے کم شرح پر قرض لے تاکہ جو کچھ سود دیا جائے اس کا منافعہ لوٹ کر قرض دار کو جو حصہ دار ہوگا حسب سیدھا یہ انجمن زیور رکھ کر قرضہ دینے کو ترجیح دے گی۔

(۲) اہل خاندان کی ضروریات کے لئے مشترک سرمایہ سے ایک دوکان کھولی جائے جس کی باقاعدہ رجسٹری کرائی جائے۔

(۳) اُن کاریگروں اور دوکانداروں کو خواہ اس انجمن کی طرف سے یا انفرادی طور پر حسب رواج قصبہ قسطوں پر روپیہ دیا جائے۔ مثلاً دس روپیہ دیکر سال بھر میں اُن سے بارہ روپیہ وصول کئے جائیں اور اس طریقہ سے انھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرایا جائے۔

ان قراردادوں کے بعد صاحب صدر کا شکریہ ادا کیا گیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

میرے مرجانے کے بعد

(از حکیم مظفر حسین صاحب۔ متوطن مظفر نگر)

کیا خبر کیا حال ہوگا میرے مرجانے کے بعد
کس غضب میں ہوگی زوجہ میرے مرجانے کے بعد

حشر کیا ہوگا مرے بچوں کا اور بیوی کا حیف
ٹھوکریں کھائے گا کنبہ میرے مرجانے کے بعد

مفلسی میں کون ہوگا بال بچوں کا شریک
مُنہ تکیں گے ہر کسی کا میرے مرجانے کے بعد

راکھ مرگھٹ کی بنوں گا یا دبایا جاؤں گا
رُوح بھٹکے گی ہر اک جا میرے مرجانے کے بعد

مجھ کو جیتے جی نہ آیا رحم کچھ اولاد پر
غیر کو دھیان آئیگا کیا میرے مرجانے کے بعد

میری بیوی زندگی میں مونس و غمخوار تھی
کون اس کا ساتھ دیگا میرے مرجانے کے بعد

بھوک سے بچے مرے تڑپیں گے میری بوٹیاں
پیسنے پیسے گی وہ کیا میرے مرجانے کے بعد

پھل پھلاری دُودھ گھی اوروں کے بچے کھائیں گے
میرے گھر میں ہوگا فاقہ میرے مرجانے کے بعد

کچھ کما کر کمپنی میں بھیجتا رہتا اگر
رُوح کو آرام رہتا میرے مرجانے کے بعد

جان کا بیمہ مری ہوتا تو پھر کچھ غم نہ تھا
ہوتا بچوں کا سہارا میرے مرجانے کے بعد

میں نے جو کچھ بھی کمایا سب لٹایا دن کے دن
یہ نہ سوچا کیا بچے گا میرے مرجانے کے بعد

خیر اسی میں تو سکھا دیتا ہے بیمہ بالیقین
کب مجھے یاد یہ آیا میرے مرجانے کے بعد

جان بیمہ کیا ہے یہ کہنا تھا بسمل ورنہ میں
کیوں ردیف اس کی یہ رکھتا میرے مرجانے کے بعد

یادگار اجرائے سُودمند

سُودمند مسلمانوں کے قومی ام الامراض عالمگیر مفلسی کے شفابخش علاج کا اعلیٰ نسخہ ہے جو مہینہ میں ایک مرتبہ شائع ہوتا ہے آسودگی قوم کی کنجی اور بہبود فلاح و ترقی کی راہ تجارت ہی میں ہے ربوا اور تجارتی سُود میں فرق نہ سمجھنے سے ہم تجارت کے نفعوں سے محروم ہیں اگر تجارتی سُود کے جواز سے نفع اندوز ہونے لگیں تو مفلسی اور بے بضاعتی کی مصیبت سے نجات پاجائیں۔ خسارہ دین و دُنیا سے بچیں۔

تنگیٔ معاش، عدم دستر‌س، اسراف بیجا اور آئے دن بیماریوں میں دبے پڑے ہیں اخلاق بگڑ گئے، شرم و حیا جاتی رہی ذلت کو ذلت نہیں جانتے پورے طور پر پیٹ نہیں بھرتا۔ ایک سل ہے کہ چھاتی پر ہر وقت دھری ہے۔ ہر گھڑی کے صدمے چکی کے پاٹ ہیں کہ پسے ڈالتے ہیں مفلس پر جو کچھ گذرتی ہے اُس ہی کا جی جانتا ہے ؎

صدمے پسے ہوؤں سے ۔ پوچھو فشار کے
چکی کے پاٹ بار ہیں لیل و نہار کے

اس مصیبت کے پہاڑ کو ٹال دینے اور اس بار عظیم سے سبکدوش ہونے کے لئے وہی قوت درکار ہے جس کا نام دولت ہے اور جو صنعت و حرفت اور تجارت اور فراخیٔ معاش سے حاصل ہوسکتی ہے اس دیرینہ مہلک مرض سے شفایاب ہونے کا وہی علاج ہے جو اصول اسلام کے مطابق قوم کے صادق بہی خواہ دلسوز قوم نبض شناس طبیب تمدن حضرت سید طفیل احمد صاحب مدظلہ تجویز کرتے ہیں جس کے نسخے مستقل کتابوں کی صورت میں شائع کرچکے ہیں اور جس غرض کیلئے یہ پرچہ سودمند رسالہ کی شکل میں جاری کیا گیا ہے۔

ہمارا اتنا کام ہے کہ ارشاد خداوندی کے مطابق ہم حق بات کو سُنیں اور مانیں اس پر عمل کریں۔ دین و دنیا کی بھلائی ہو مفلسی کی خرابیوں سے نجات پاجائیں قعر مذلت سے نکلیں۔

اللہ ہماری قوم کو صلاح خیر پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ذی مقدور اور ذی اثر حضرات قوم اس اعلیٰ قومی خدمت میں حضرت مولانا صاحب کے دوش بدوش کھڑے ہوکر نزاع البقا میں اپنا فرض انجام دیں۔ تاکہ رسالہ کی اشاعت عام ہوکر غفلت کی نیند سونے والوں کو آوازِ جرس بیدار کرے اور وہ منزل مقصود کی طرف ثابت قدمی سے گام زن ہوجائیں۔ آمین! اجرائے پرچہ کی یادگار کا تاریخی قطعہ حسب ذیل ہے۔ **قطعہ**

پرچہ مولانا طفیل احمد نے کیا جاری کہ جب	جس کا ہر مضمون ہے حاجت روائے مستمند
از سر آسودگی کیلئے زر دئیے یادگار	قوم کی ہر رہبری ہوگی طفیل سُودمند

۱۳۳۲ + ۱۰ + ۱
۱۳۴۳ھ

خاکسار ابراہیم بیگ چغتائی متخلص بہ میرزا اکبرآبادی عفی عنہ

خطوں کا خلاصہ

ایک خواب کی تعبیر

ضلع فیروزپور سے ایک صاحب نے حسب ذیل خط لکھا ہے:-

آپ کا رسالہ "جواز سود" پہونچا۔ رسالہ کیا تھا؟ اپنے بھولے ہوئے خواب کی تعبیر تھی۔ جس طرح کسی نے خواب میں عجائب وغرائب دیکھے ہوں اور بیدار ہونے پر کچھ بھی یاد نہ رہا ہو صرف تعجب اور حیرت ہو جو اس کے دماغ پر مستولی ہو وہ بار بار اپنے ذہن اور حافظہ پر زور دیتا ہو مگر بجز زیادتی انتشار طبیعت اور ہجوم وہموم کچھ نہ حاصل ہو۔ یکایک ایک کتاب از یا درفتہ خواب کی پوری پوری معبّر۔ بلکہ جن امور کا رویا میں بھی اچھی طرح کشف نہ ہوا تھا اُن کی بھی مفسّر جناب سید طفیل احمدؔ کے طفیل گھر بیٹھے مفت مل گئی۔ آپ کے لطف وکرم کا بصد دل سے بہ یک دل ممنون ومشکور ہوں۔

عرصہ سے ترددات وتفکرات میں غلطاں وپیچاں ہوں۔ کوئی راہ نہ سوجھتی تھی۔ افلاس کا جو ام الامراض یا ام العیوب والنقایص ہے۔ بہترین مسہل جو جسم قوم میں متمکن ہو چکا ہے یہ آپ کا رسالہ ہے۔

یہاں کی حالت یہ ہے کہ پانچ چیدہ زمینداروں میں سے دو کے پاس ایک بالشت بھی زمین نہیں رہی سب کھتریوں کے پاس چلی گئی جس کا اکثر حصہ رہن ہے باقی بیع۔ اور اب اپنی ہی زمین دوبارہ بٹائی پر لے کر زندگی بسر کر رہے ہیں باقی تین جو ذرا زیادہ محتاط ہیں بیع سے بری۔ مگر تھوڑی تھوڑی رہن ہے۔ گویا قدم آگے اُٹھ چکا اور قطع منازل یا ارض اتنی جلدی وقوع میں آئیگا کہ ان بیوقوف گلے کو پتہ بھی نہ لگے گا اور ان کا صفایا ہو جائیگا۔ پھر تو کابل میں چلے جائیں یا بوجہ رعایت وطن مالوف اسی جگہ ذلت کی زندگی بسر کریں اور گورغریباں کا جزو بن کر ایک بے خبر قوم کو واعظ کا کام دیں

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔

مسلمان تجار غیروں کے دست نگر

کلکتہ سے ایک صاحب جو بڑے تاجر ہیں حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں۔

مکرم بندہ السلام علیکم۔ آپ کی کوشش ضرور بارآور ہوں گی۔ بلکہ اب بھی پہلے کی نسبت فضا بہت کچھ بدلی ہوئی ہے جو کہ عام طور پر مشاہدہ میں آتی ہے خاص کر کاروباری لوگ آپ کی تحریروں سے زیادہ متاثر ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ تقریباً ننانوے فی صدی مسلمان تجار روپیہ قرض لے کر اپنے وقت پر حاجت روائی کرتے ہیں (افسوس کہ اس کا سود ننانوے فی صدی غیر اقوام کے پاس چلا جاتا ہے) اب بہت سے تاجر جن کے پاس آپ کا رسالہ پہونچا ہے قائل اور اس سے متاثر معلوم ہوتے ہیں لیکن ابھی تک علانیہ کوئی کم ہی آمادہ ہوتا ہے۔

اب اسراف کو جی نہیں چاہتا

ایک صاحب ضلع کوہاٹ سے لکھتے ہیں کہ :۔

"آپ کا رسالہ بطور نمونہ ملا۔ اس میں ربا کا مضمون جناب سرسید مرحوم کی مطابقت کرتا ہے۔ قومی افلاس کے یہی اسباب ہیں۔ اگر یہ اسباب دُور ہو کر قوم آپ کی اور متفقہ علمائے کرام کی رائے پر رنگ جا دیگی تو اُمید ہے کہ خداوند کریم فلاکت دُور کرکے قوم مسلمین کو نہال کر دیگا۔ آپکے ہر دو رسالے دیکھ کر میں نے پچاس روپیہ نفع کمایا جس طرح پہلے اسراف کیا کرتا تھا اب ہرگز جی نہیں چاہتا۔

تمام آبادی مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئی

ایک صاحب مدراس سے لکھتے ہیں کہ :۔

مدراس میں ایک محلہ میلا پور کے نام کا ہے وہاں سے گول تھانہ تک سب آبادی تیس سال کے پیشتر مسلمانوں کی تھی یہ دو تین میل کا فاصلہ ہے اب وہ تمام جگہ ہندوؤں کے تصرف میں ہے اور اسی سود کی نذر ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ مسجدوں کے اطراف میں بھی زیادہ تر ہندو آباد ہوگئے ہیں۔ یہ تو مدراس کے ایک مقام کا ذکر ہے۔ مختلف حصص میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ جب تک مسلمان سود نہ لیں گے ہندوستان سے تو ضرور رُسٹ جائیں گے۔ مسلمان اس سرعت سے پستی کی طرف چلے جا رہے ہیں کہ اس کا اندازہ فقط چند دردمند دل ہی کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اپنی آیندہ زندگی کو اس مسلہ کے لئے وقف کر دیں تو اس سے بہتر زندگی کا مصرف میرے خیال میں موجودہ ادبار کی حالت میں اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

عروس قسمت مسلم ایک سبز پوش ڈولے میں

ایک مولوی صاحب سہارن پور سے رسالہ "سودمند" کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

میں آج علی الصباح بعض ادبی تفریح گاہوں میں محو خرام تھا کہ حسن اتفاق سے آنجناب کے نوبہر پودے "سودمند" پر نظر پڑی۔ خدا کی قسم طبیعت ہی تو باغ باغ ہوگئی۔ میرے اسلام کیش دماغ نے جو غور سے دیکھا خدا کی قدرت کا تماشا دیکھا۔ عروس قسمت مسلم کو اس سبز پوش ڈولے میں جلوہ فرما دیکھا۔ اس کی لچک دار شاخیں قوم مسلم کے اُبھرنے کی بشارت، اس کے دل فریب اور حیات پرور پھول اسلام کے مریض جسم کی رُوح رواں ہیں۔ میں اس کے محترم اور قابل تعظیم مالک سے مودبانہ التجا کروں گا کہ وہ اس کے چند پھول جو اسماء ذیل کے ساتھ موسوم ہیں مجھ کو بھی عنایت فرمائیں تاکہ یہاں کے بعض نخوت شعار اور کوتاہ فہم بزرگوں کو اُن کی خوشبو سے ہوش میں لایا جائے اور غفلت شعاریوں اور عیش پرستیوں کا مواد اُن کے دماغوں سے خارج کر دیا جائے اور گلشن اسلام کی ٹوٹی پھوٹی اور اُجڑی ہوئی روشوں کو از سرنو ترتیب و ترکیب دینے کی طرف متوجہ کیا جائے۔ فقط البتہ بس باقی ہوس۔

بھوساول میں مسلمانوں کی بربادی

ایک صاحب بھوساول سے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

آپ کا رسالہ "سودمند" موصول ہوا واقعی فی زمانہ ایسے رسالوں کی ضرورت ہی اور ایسے وقت میں یہ رسالہ مسلمانوں کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام دیگا۔ خدا آپ کو آپ کے ارادے میں کامیاب کرے اور جزائے خیر عطا فرمائے اور رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ وہ ضرور کامیابی عطا فرمائے گا خدا سے دُعا ہی کہ وہ مسلمانوں کو ہدایت نصیب کرے اور توفیق عطا فرماوے کہ وہ ہمدردان قوم کی زرّیں نصیحتوں پر عمل کرکے خود بھی فائدہ اُٹھائیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچانے کی کوشش کریں۔

شہر بھوساول کے مسلمانوں کی مردم شماری تین ہزار کی ہی لیکن بدقسمتی سے ان تین ہزار میں فی صدی دو آنہ خوش حال اور فارغ البال ہیں۔ ورنہ ہر ایک مقروض اور وہ بھی مہاجنوں کے۔ زیادہ تعداد ملازمت پیشہ لوگوں کی ہی۔ یہاں ریلوے ورکشاپ ہی اس میں ملازم ہیں فی کس بارہ روپیہ سے لے کر سو سوا سو روپیہ تک تنخواہ ملتی ہی لیکن بڑے تنخواہ دار بہت کم ہیں گویا آٹے میں نمک۔ اور بیشتر قرض دار۔ کھانے کو ہے تو پہننے کو نہیں۔ پہننے کو ہے تو کھانے کو نہیں۔ ریلوے کا چھبیس روز کا مہینہ ہوتا ہے اور اسی میں اگر چھٹیاں آگئیں یا بیمار ہوگئے یا کسی مجبوری کی وجہ سے چھٹی لے لی تو تنخواہ کٹ جاتی ہی جب تنخواہ کم ملتی ہی تو لامحالہ قرض لینا پڑتا ہے اور اس وقت یہ حال ہی کہ اگر دو روپیوں کی ضرورت پڑے تو پچاس چکر قرض دینے والے کے گھر کرنے پڑتے ہیں اور خوشامد الگ۔ خودداری کا خون ہوتا ہی لیکن مجبوری میں کیا کیا جائے۔ بغیر ایسا کئے فاقے کی نوبت آئے اور فضول خرچی رسم ورواج شادی بیاہ کے ارمان کم ہونے چاہئیں۔ قرض داری کیوں نہ ہو جائے پھر مبتلائے کہ قرض دار کیسے نہ ہوں۔

ناظرین سودمند کی خدمت میں ضروری التماس

آپ بخوبی واقف ہیں کہ سودمند کی غرض مسلمانوں کو افلاس کے بھنور سے نکالنا ہی۔ مگر یہ غرض اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک افراد قوم اس کام کے لئے کمربستہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے ناظرین کی خدمت میں التماس ہی کہ وہ رسالہ ہذا کے ٹائیٹل کے پہلے اور آخری دو صفحوں کو بغور ملاحظہ فرما کر قوم کو بچانے کے لئے کمربستہ ہو جائیں بسرد سودمند دو سال نکالنے کا ارادہ ہی اس دوران میں اس کام میں ہمہ تن مصروف رہ کر اپنی ذات، بچوں، گھر والوں محلہ والوں اور اپنے ہموطنوں کی مالی حالت کی درستی کی تدابیر اختیار کیجئے ان میں روپیہ کا کاروبار جاری کرکے تجارت وصنعت مضبوط بنیاد پر قایم کیجئے اور دو سال بعد اندازہ کیجئے کہ آپ نے اپنے کام میں کہاں تک کامیابی حاصل کی اور عملی کاموں سے ہمیں اطلاع دیتے رہیئے تاکہ اس کی کیفیت رسالہ ہذا میں شائع کی جائے۔

نیازمند - اڈیٹر

نظرات

ترک دنیا اس زمانہ میں بھی بعض نیک دل اصحاب نہایت نیک نیتی سے مسلمانوں کو ترک دنیا کی نصیحت کرتے ہیں اور مال و دولت کی مذمت کرتے ہیں اس ارشاد کے متعلق یہ عرض ہے کہ اب ترک دنیا کے بارہ میں وعظ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اگرچہ مسلمانوں نے تو دنیا کو نہیں چھوڑا لیکن خود دنیا نے مسلمانوں کو چھوڑ دیا، اور مقصد حاصل ہو گیا۔ یعنی مسلمان اس قدر نادار و مفلس ہو گئے کہ اب ان میں لاکھوں ایسے ہیں جن کو دو وقت کھانا بھی میسر نہیں۔ لاکھوں ایسے ہیں جو علم و ہنر سے محروم ہیں اس لئے بیکار بیٹھے ہوئے اپنے دوسرے بھائیوں کی کمائی کھاتے ہیں یا فاقہ کشی کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو آخر کار مجبور ہو کر کسب معاش کے ناجائز وسائل اختیار کر کے اسلام کو بدنام کرتے اور جیل جاتے ہیں۔

جائدادیں اور زمینداریاں در دسر تھیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو خواہ مخواہ دنیوی جھگڑوں اور روپیہ کے معاملات میں مبتلا ہونا پڑتا تھا، غنیمت ہے کہ یہ جائدادیں اب اُن کے قبضہ سے نکل نکل کر دنیا دار قوموں کے پاس بڑی تیزی سے جا رہی ہیں اور مسلمان آزاد و فارغ البال ہوتے جاتے ہیں دوکانداری و تجارت کے جھگڑوں سے وہ پہلے ہی آزاد تھے یہ بنیوں کا کام ہے بھلا ایسی بھی دنیا کی ہوس کیا کہ آدمی دن بھر بازار میں بیٹھا گاہکوں کی چاپلوسی کرے، یا تجارتی کاروبار کے دوسرے مشقت طلب شعبوں میں اپنے آپ کو خراب و خستہ کرے۔

البتہ ابھی دنیا کی صرف اتنی طلب مسلمانوں میں باقی ہے کہ وہ سرکاری ملازمتوں کے حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرتے ہیں اور اُن میں سے کم و بیش دس فی صدی ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں لیکن حریف کو یہ بھی گوارا نہیں، چنانچہ گزشتہ دو تین سال کی مدت میں نان کو اپریشن کے سلسلہ میں کوشش بھی کی گئی کہ مسلمان سرکاری ملازمتیں چھوڑ دیں تاکہ لے دے کر کسب معاش کا جو ایک ذرا سا سہارا باقی رہ گیا ہے وہ بھی نہ رہے۔ چنانچہ اللہ کے بندے ایسے بھی تھے جنھوں نے ایسا بھی کیا اور اس ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ بھگتا۔

مسلمان اور مصارف خیر آج کل ہمارے علماء کرام اور دوسرے قومی کام کرنے والوں کو یہ شکایت ہے کہ مسلمان مذہبی و قومی کاموں پر توجہ نہیں کرتے، توجہ نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ چندہ نہیں دیتے اس وجہ سے ان کی تمام مذہبی و قومی تحریکیں نیم مردہ حالت میں ہیں کیوں کہ اس زمانہ میں کوئی تحریک بغیر روپیہ کے سرسبز نہیں ہو سکتی اور روپیہ ملتا نہیں اس لئے کام چلے تو کیوں کر۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں میں ایثار، فیاضی اور قومی و مذہبی احساس نہیں ہے۔ اس بنا پر بعض بزرگ مذہبی رنگ میں صحابہ کرام اور سلف صالحین کی فیاضی و ایثار کے قصے سناتے اور دنیوی لیڈر یورپ کی قومی تحریکوں کی ولولہ انگیز داستانیں بیان کرتے ہیں اور اب چوں کہ برادران وطن میں بھی فیاضی کی مثالیں کچھ مدت سے روز افزوں ہیں۔ لہذا یہ واقعات بھی موثر طریقہ سے سنائے جاتے ہیں یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے جذبہ فیاضی میں جنبش پیدا ہو اور وہ مذہبی و قومی کاموں کے لئے کچھ دیں تاکہ نیم مردہ تحریکیں سرسبز ہوں اور قدیم و جدید درسگاہیں پُر رونق اور آباد ہو جائیں، گویا قوم میں از سر نو ایک حیات تازہ پیدا ہو۔

لیکن ہم باادب گذارش کریں گے کہ مسلمانوں کے متعلق یہ بدگمانی صحیح نہیں، مسلمان بہ لحاظ سیر چشمی، فیاضی اور جوش مذہبی کے کسی قوم سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں لیکن ان کے پاس روپیہ ہے کہاں جو دیں، جامہ ندارم، دامن از کجا آرم۔ مسلمانوں کا افلاس اب ایک مسلمہ ہے۔ جس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ ایسی حالت میں یہ توقع کرنا کہ وہ دولت مند قوموں کی طرح روپیہ کا سیلاب بہا دیں گے کس قدر مضحکہ انگیز ہے۔

ایک طرف ترکِ دنیا کا واعظ اور مال و دولت کی مذمت، دوسری طرف فیاضی کی ترغیب اور چندہ نہ دینے کی شکایت یہ عجب ستم ظریفی ہے۔

بے شبہ کہیں جدید مسجدوں کی تعمیر اور کسی جگہ شکستہ مسجدوں کی مرمت کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ کام روپیہ پر موقوف ہے بے شک قومی و مذہبی مدارس جو جدید و قدیم تعلیم کے لئے قایم ہیں اعانت کے محتاج ہیں لیکن مسلمانوں کے پاس اس قدر سرمایہ کہاں جو ان مدارس کو اعلیٰ پیمانہ پر چلا سکیں، فتنۂ ارتداد کا انسداد یقیناً ضروری ہے لیکن یہاں بھی روپیہ کا کھیل ہے اپنی ملکی زبان (اُردو) کو ترقی دینے اور تمام ملک میں پھیلانے کی سخت ضرورت ہے لیکن یہ بھی بغیر روپیہ کے ممکن نہیں، ملکی سیاسیات میں حصہ لینا بھی ناگزیر ہے لیکن اس کے لئے تو اور بھی زیادہ روپیہ درکار ہے۔ کم استطاعت مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دے کر ان کو دُنیا کے کاروبار کے لایق بنانا کس قدر ضروری ہے لیکن ان کی تعلیم کے لئے وظائف کہاں سے آئیں غرض ہر کام کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ روپیہ مسلمانوں کے پاس ہے نہیں یہی سبب ہے کہ اگرچہ مسلمان تمام اُمور خیر میں اپنی ہمت سے زیادہ صرف کرتے ہیں لیکن پھر بھی دوسری قوموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیوں کہ دولت کے لحاظ سے ان کو دوسری قوموں سے کوئی نسبت نہیں۔ لہذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمام قومی و مذہبی کام سرسبز ہوں تو ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ مسلمانوں کو افلاس سے نکالنے کی کوشش کریں اور ان کو ایسی تدابیریں بتائیں کہ وہ حصول دولت کے جدید وسائل سے متمتع ہو سکیں، جب مسلمان دولت مند ہو جائیں گے تو اُن کا کوئی مذہبی اور قومی کام ابتر حالت میں نہ رہے گا۔ بلکہ تمام قوم میں ایک حیات تازہ پیدا ہو جائے گی۔

ساہوکاروں کے متعلق پنجابی مثلیں

(از مسلم آؤٹ لک لاہور)

(۱) دام ایا جی کھیت پیا جی

یعنی سودی قرضہ کھیت میں پیازی گھاس کی مانند ہے جو اس کو خشک کر دیتی ہے۔

(۲) گھر لھا یا بیا جی۔ کھیت کھا یا پیا جی۔ دام لئے بیا جی۔

غلہ کی شکل میں سوائے دام ادا کرنا گھر کو تباہ کر دیتا ہے اور پیازی گھاس کھیت کو تباہ کر دیتی ہے اسی طرح سودی قرضہ تباہی کا موجب ہوتا ہے۔

(۳) باراں اندر رہٹری ہواسے نہ دو رٹھرں۔

یعنی بارش کا تھم جانا ممکن ہے لیکن قرضہ پر سود کا رک جانا ممکن نہیں۔

(۴) بس کا بنیا یار۔ اس کو دشمن کیا درکار۔

یعنی جس شخص کی دوستی بنیے سے ہو اس کو اور دشمن کی ضرورت نہیں ہے۔

(۵) بھائیو بنئے پھانس گیر ہوتے ہیں۔

یعنی اے بھائیو بنئے پھانس لگانے والے ہیں۔

(۶) راکم بدھی بنیا پیچھم بدھی چور۔

ترجمہ۔ بنئے کے مقابلہ میں چور بے وقوف ہے یعنی بنیا چور سے زیادہ نقصان پہونچاتا ہے۔

(۷) شاہ دے قابو آئے۔ گھر دن ہرادن جائے۔

یعنی جو شخص کسی ساہوکار کی گرفت میں آجاتا ہے تو وہ بے گھر ہو جاتا ہے۔

(۸) ساہوکار سے قرض لے کے دیکھے کا جو بیر + دھیرے دھیرے لاگی چوہا بلی بیر۔

یعنی اگر تو ساہوکار سے روپیہ قرض لیگا تو رفتہ رفتہ اس کو تیرے ساتھ ایسی عداوت ہو جائیگی جیسی کہ بلی کو چوہے سے ہوتی ہے۔

(۹) چٹان واہیاں۔ نے شاہ کھائیاں۔

یعنی زمیندار محنت کرتے اور ساہوکار ان کی محنت کا پھل کھاتے ہیں۔

(۱۰) چی پا ہندو شوی۔ پاکند شوی۔

یعنی اگر تم نے کسی ہندو سے قرضہ لیا تو گویا تم ایک خندق میں گر پڑے۔

(۱۱) جے دینا ہووے شاہ واتے تل وبہی گڈ۔

یعنی اگر تو کسی ساہوکار کا قرض دار ہے تو اپنے کھیت کو تیار کر کے پیشتر سے اس میں تل کی کاشت کرلے۔

مکتی فوج

جرائم پیشہ اقوام کو شائستہ بنانے اور ان کی حالت درست کرنے کے لئے عیسائی مشنریوں نے ایک مکتی فوج ہندوستان میں تیار کی ہے اس میں ان کو نہ صرف تعلیم و تربیت دی جاتی ہے بلکہ مختلف قسم کی ان کو دستکاریاں بھی سکھائی جاتی ہیں ۵ ؍ ۲ مئی ۱۹۲۵ء کو نمایش دہلی میں مکتی فوج کی تیار کی ہوئی مصنوعات کو ترتیب کے ساتھ آراستہ کرنے کی غرض سے ایک شاندار ڈرز دیا گیا۔ جس میں مسٹر بحبش کمشنر نے فرمایا کہ مکتی فوج کے بانی جنرل بوتھ کی ستر ھویں سال گرہ منانے کی رسم کی یادگار میں ہمارا ارادہ ہندوستان میں ۲ لاکھ پونڈ یعنی ۳ لاکھ روپیہ کی جدید عمارتیں تیار کرنے کا ہے۔ نوعمر ہندوستانیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ہم ہندوستان اور سیلون میں ایک عظیم الشان درس گاہ تعمیر کریں گے۔ دو جدید شفاخانے اور ایک ہسپتال جذامیوں کے معالجہ کے لئے بنائیں گے جس پر ۳ ہزار پونڈ یعنی ساڑھے چار لاکھ روپیہ صرف کیا جائیگا۔ کلکتہ کی صدر راور دیگر عمارتوں میں جو اضافے کئے جائیں گے اُن سے عمارات کی لاگت ایک لاکھ پونڈ یعنی پندرہ لاکھ روپیہ ہوجائے گی۔

نوٹ ہم اُمید کرتے ہیں کہ مرقومہ بالا خبر سے ہمارے مسلمان بھائی سبق حاصل کریں گے مسلمانوں میں اب بھی دولت مند اصحاب موجود ہیں جو اپنے غریب بھائیوں کی اصلاح اور آرام و آسایش کے کاموں پر معقول روپیہ صرف کرسکتے ہیں جس سے وہ اپنے نادار بھائیوں کی حالت درست کرکے اُن کو قوم کے لئے مفید اور کارآمد بنا سکتے ہیں کیوں کہ قومی ترقی کا اطلاق صرف چند تعلیم یافتہ یا چند خوش حال اور فارغ البال افراد پر نہیں ہوسکتا ہی اس لئے ضرورت ہی کہ قوم کے ہر طبقہ کے افراد کی اصلاح اور ترقی کی تدابیر کی جائیں۔

پنجاب میں انجمن ہائے امداد باہمی

انجمن ہائے امداد باہمی کا کام اس وقت پنجاب میں نہایت عمدگی سے ہورہا ہی چنانچہ انجمن ہائے مذکور نے اپنے ممبروں کو اس وقت ایک کروڑ روپیہ ادنیٰ شرح سود پر قرضہ میں دے رکھا ہی جس کا منافعہ انٹ کر بالآخر قرضدار ممبروں میں تقسیم ہوتا ہی۔ تاہم وہاں کے کاشتکار بقدر اُنیس کروڑ کے مہاجنوں کے مقروض ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہی کہ ابھی پنجاب میں سود خواروں سے نجات حاصل کرنے کے لئے کس قدر کوشش کی ضرورت ہی مگر وائے برحال صوبہ متحدہ کہ یہاں اب تک عام طور پر لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ یہ انجمنیں کیسی ہیں اور اُن کے اجراسے کس قدر فائدہ پہنچ سکتا ہی۔

استفسارات

بعض اصحاب نے ہمارے پاس "سودمند" میں شائع کرنے کے لئے کچھ سوالات بھیجے ہیں جو صاحب ان کے جوابات تحریر فرمائیں وہ ازراہ کرم نمبر سوال کے ساتھ رسالہ سودمند کا نمبر بھی تحریر فرمائیں سوالات یہ ہیں -

(۱) اگر کوئی کمپنی مقروض ہوکر دوالیہ ہو جائے اور بقیہ سرمایہ اداے قرضہ کے لئے کافی نہ ہو تو آیا قرضہ بھی جملہ شرکاء کمپنی کو حصہ رسد ادا کرنا ہوگا یا کیا -

(۲) جو کمپنیاں کامیابی کے ساتھ نہیں چلتی ہیں ان کے حصص سو روپیہ والے ساٹھ ستر روپیہ میں بکی فروخت ہوتے ہیں اور جو کمپنیاں کامیابی کے ساتھ چلتی ہیں ان کے سو روپیہ والے حصص دو چند اور سہ چند قیمت پر فروخت ہوتے ہیں مثلاً کسی ناکام کمپنی کا سو روپیہ والا ایک حصہ پچھتر روپیہ میں فروخت ہوا تو کمپنی ایک روپیہ کا منفع منافعہ دے گی اور اگر کسی کامیاب کمپنی کا سو روپیہ والا حصہ پانچ سو روپیہ میں فروخت ہوا تو بھی کمپنی ایک سو روپیہ کا منفع منافعہ دے گی اس صورت میں حصص کی کمی بیشی پر خرید و فروخت جائز ہے کہ نہیں ؟

(مستفسر - حاجی خلیل الدین احمد صاحب بریلوی)

(۳) مشین کے ذریعہ سے جس دودھ کی کریم نکالی جاتی ہے طبی طور پر اس کے کیا خواص و تاثیرات ہیں اس میں کیا مضر اثر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کس طرح مفید بن سکتا ہے -

(۴) دودھ کو کیوں کر زیادہ عرصہ تک محفوظ رکھا جا سکتا ہے کہ وہ گرمی اور برساتی گرمی سے محفوظ رہ کر اور کم سے کم ۴۸ گھنٹہ اپنی اصلی حالت میں رہے -

(۵) کیا دودھ کا سفوف بن سکتا ہے اور کس تدبیر سے - تجارتی نقطۂ نظر سے کیا توقع کی جا سکتی ہے -

(۶) ہڈی کی کھاد بنانے کی کیا سہل ترین ترکیب اور اس کے مفید ترین استعمال کی تدبیر کیا ہے کسی ایسی کمپنی کا پتہ مطلوب ہے جو ہڈیاں خریدتی ہو -

(مستفسر - محمد عبدالکریم خاں صاحب کیسلیہ ڈاکخانہ ڈاسنہ ضلع میرٹھ)

سادگی اور صحت

(۴)

(گزشتہ سے پیوستہ)

۸ - ایک وقت میں متعدد غذائیں

ایک وقت میں متعدد غذاؤں کا ہضم ہونا ایک ایسی مہم ہے جس کا سر کرنا انسان کے لئے نہایت مشکل اور انجام کار تکلیف دہ ہے۔ ماہران علم صحت کی رائے ہے کہ ایک وقت میں مختلف غذاؤں کا استعمال معدہ کے لئے مضر ہے بالخصوص مسلمانوں کی موجودہ مالی حالت کے اعتبار سے سراسر باعث بربادی ہے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے غذاؤں کی تعداد گھٹانی چاہیئے اور اتنی مقدار میں کھانی چاہئے جس سے معدہ پر زیادہ بار نہ پڑے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنی زیادہ مقدار میں کھانا کھایا جائے گا اتنی ہی زیادہ جسم میں قوت بڑھے گی۔ حالانکہ غذا کی زیادہ مقدار کو ہضم کرنے میں جسم کی زیادہ قوت صرف ہو جاتی ہے جس سے جسم کمزور ہو جاتا ہے اور معدہ پر زیادہ بار پڑنے سے وہ پھیل جاتا اور انجام کار کمزور ہو جاتا ہے۔ انسان کی قوت ذائقہ کا چونکہ نشو و نما ہو گیا ہے اس لئے کھاتے وقت اُسے یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ اُس نے زیادہ کھایا ہے یا کم کھانے کا معیار اس کے نزدیک یہ ہے کہ جب تک طبیعت رغبت کرے تب تک برابر کھائے چلا جائے اور متعدد غذاؤں میں یہی نقص ہے کہ جب مثلاً نمکین غذا سے طبیعت سیر ہو جاتی ہے تو میٹھے کھانے کھائے جاتے ہیں میٹھے سے طبیعت ہٹتی ہے تو ترش چیزیں چکھی جاتی ہیں اس کے بعد نمکین اور پھر دوبارہ میٹھے کا نمبر آتا ہے اور اگرچہ باقاعدہ کھانوں کا دور ختم ہو چکتا ہے تاہم متفرق چیزوں کا سلسلہ لامتناہی ابھی جاری ہے۔ میز پر انواع و اقسام کے تازہ اور خشک پھل رکھے ہیں جن کے ساتھ انصاف کرنا یا جن کا حق ادا کرنا ضروری ہے۔ پھر آئس کریم کی دو ایک طشتریوں سے کوئی معتدبہ بار معدہ پر نہیں پڑتا اور سب سے آخر میں کافی یا چاء کے دو گھونٹ بغیر تو دعوت نامکمل رہی جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر نشست کچھ دیر تک رہی تو غذا ہضم کرنے کے بہانہ سے سوڈا لیمنیڈا اور سبھری کے جھاگوں سے لبریز گلاسوں کا لطف اُٹھایا جاتا ہے۔ ایسی پُرتکلف دعوتوں میں معلوم ہوتا ہے کہ مہمان مختلف قسم کی غذاؤں کا بوجھ ڈھونے کے لئے معدے کرایہ پر لے آئے ہیں۔ جن کا اُن کے دل میں کوئی درد نہیں اور ان کی اصلی غرض زبان کے چٹخارہ سے ہے نہ کہ جسم کے تغذیہ سے۔ عجب نہیں کہ معدوں کی ان مصیبتوں کو دیکھ کر اہل یورپ کوئی ایسی ایجاد کریں کہ انسان فرمایشی دعوتوں میں جو کچھ کھاتا جائے معدے کے ایک تھیلے میں جو گلے میں لٹکا ہوا ہو اُترتا چلا جائے اگر یہ ایجاد مکمل ہو گئی تو عجب نہیں کہ خوش حال لوگوں کے کھانے کے اوقات بجائے پانچ چھ کے بیس۲۰ پچیس۲۵ ہو جائیں اور بالخصوص جو لوگ ہمہ وقت پان کھا کر لعاب دہن خارج کرتے رہتے ہیں وہ تو چوبیس۲۴ گھنٹہ میں سے

۸ گھنٹہ برابر کھانے پینے کا ہی قصہ جاری رکھیں۔

بہر حال جو لوگ معدہ کو اپنے جسم کا ایک حصّہ اور کار آمد حصّہ سمجھتے ہیں انھیں اُن پر رحم کرکے غذاؤں کی تعداد کو محدود کرنا چاہیئے اور حد سے زیادہ نہ کھانا چاہیئے۔

علم صحت کے ایک ماہر کا قول ہے کہ بہترین معیار کھانے کی مقدار کا یہ ہے کہ غذا کھانے کے بعد کسی قسم کی گرانی محسوس نہ ہو۔ اس سے زیادہ کھانا معدہ میں سڑے گا اور سڑنے سے کثیف خون پیدا ہوگا جو بالآخر طرح طرح کے امراض پیدا کرے گا۔

۹۔ غذا کے بعد آرام جب معدہ میں غذا پہونچتی ہے تو تمام جسم سے خون دوڑ کر معدہ کی طرف آتا ہے اور غذا کے ہضم کرنے میں مصروف ہوجاتا ہے۔ جس کی بڑی علامت یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہوجاتے ہیں اور کام کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ وہ وقت ہے جس کی نسبت تمام اطبا کا اتفاق ہے کہ اُس وقت دماغی یا جسمانی مشقت نہ کرنی چاہیئے مگر زندگی کی اس کشمکش کے دَور میں انسان اس قدر مجبور ہے کہ بالخصوص دن کے کھانے کے بعد اُسے آرام کا موقع نہیں ملتا اور جنھیں ملتا ہے وہ اس قدر زیادہ آرام کرتے اور سوتے ہیں کہ غذا کے ہضم کا موقع نہیں ملتا۔ حالاں کہ غذا کے بعد صرف گھنٹہ پون گھنٹہ سکون کی ضرورت ہے جس میں ہضم کا ایک درجہ طے ہوجائے۔ جو لوگ کھانا کھاتے ہی جسمانی یا دماغی مشقت کے کام شروع کردیتے ہیں وہ اپنے اس فعل سے خون کو دماغ یا دیگر اعضائے جسم کی طرف کھینچ کر لاتے ہیں اور اس طریقہ سے چوں کہ معدہ سے بھی خون ہٹ جاتا ہے اس لئے غذا غیر منہضم پڑی رہتی ہے۔ برخلاف اس کے کہ جو لوگ کھانا کھاتے ہی پڑ کر سو جاتے ہیں اُن کے معدوں میں غذا اس طرح بند ہوکر سڑنے لگتی ہے جیسا کہ کسی ہوا بند صندوق میں۔ سونے کے وقت قوت روحی یا حرارت غریزی کم ہوجاتی ہے۔ تمام اعضا آرام کرتے ہیں جس سے معدہ بھی ایک حد تک معطل ہوجاتا ہے اور غذا کو ہضم نہیں کرسکتا۔

چند غلط فہمیوں کا ازالہ غذا کے بعد آرام کرنے کے متعلق چند باتیں ایسی مشہور ہیں جن کی نسبت وضاحت سے عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے مثلاً۔

(الف) دن کے کھانے کے بعد قیلولہ کرنا اور رات کے کھانے کے بعد مشی کرنا یا پیدل چلنا اچھا سمجھا جاتا ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ دن کے کھانے کے بعد قدرے آرام کرنا جس میں قیلولہ بھی شامل ہے نہایت ضروری ہے اور جس کی خلاف ورزی کرنے سے ہزاروں آدمیوں کی صحتیں خراب ہوجاتی ہیں۔ جتنے لوگوں کا کچہریوں عدالتوں سے تعلق ہے وہ دن کا کھانا کھاتے ہی بھاگتے ہیں کاش اُن کا عمل مُلّاں دو پیازے کے اُصول پر ہوتا جن کا ایک دلچسپ قصہ مشہور ہے سُنا ہے اُن کا معمول تھا کہ دن کے کھانے کے وقت وہ ضرور کچھ نہ کچھ دیر کے لئے لیٹ رہتے تھے اور اس میں

کبھی ناغہ نہ کرتے تھے۔ بادشاہ سلامت کو ان کی یہ عادت معلوم ہوئی تو فرمایا کہ ہم دیکھیں گے کہ تم اس کی کیسے پابندی کرتے ہو۔ ایک روز بادشاہ سلامت نے ملاّں دوپیازہ کے عین کھانے کے وقت انھیں بُلا بھیجا اور سوار کو حکم دیا کہ جس حالت میں ملاّں صاحب ہوں اسی حالت میں اُنھیں ساتھ لے آنا۔ انھیں مہلت بالکل نہ دینا۔ سوار جب پہنچا تو ملاّں صاحب کھانے سے اٹھ رہے ہو۔ جب انھیں طلبی کا حال معلوم ہوا تو سوار سے کہا کہ میں ذرا پاجامہ بدل لوں۔ چنانچہ پاجامہ بدل کر سوار کے ساتھ ہو لئے۔ جب بادشاہ سلامت کے سامنے پہونچے تو حضور نے پوچھا کہ "آج بھی کھانے کے بعد لیٹے تھے کہ نہیں؟" جواب دیا "حضور لیٹ لیا"۔ پوچھا کیسے؟ جواب دیا "سرکار جب سوار پہونچا تو میں نے اس سے پاجامہ بدلنے کی مہلت مانگی اور پاجامہ اُتارنے اور پہننے میں میں نے زمین سے کمر لگا لی۔ بس یہ میرے لئے کافی تھا"۔ خیر یہ تو ایک قصّہ ہے۔ مگر جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انھیں دن میں آرام کرنے کا موقع نہیں مل سکتا وہ کم سے کم یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ کھانا کام کے وقت سے کسی قدر سویرے کھائیں اور کھانے کے بعد آدھ گھنٹہ یا پون گھنٹہ آرام اور سکون سے بیٹھ جائیں یا لیٹ جائیں جس سے ہضم کا عمل صحیح طریقہ پر شروع ہو جائے۔ رات کے کھانے کے بعد مشی یا ہوا خوری کرنے کے بارہ میں ایک عام غلطی یہ ہوتی ہے کہ لوگ کھانا کھانے کے بعد فوراً چلنا شروع کر دیتے ہیں حالاں کہ اس وقت بھی مثل دوسرے اوقات کے جسم کو آرام دینا چاہیئے تاکہ ہضم کا عمل شروع ہو جائے اور گھنٹہ دو گھنٹہ بعد جب غذا ایک حد تک تحلیل ہو جائے سونے سے قبل ٹہلنا چاہیئے تاکہ سونے سے پہلے غذا پوری طرح معدہ سے آنتوں میں اُتر جائے۔

(ب) ہندوستان میں ایک دستور یہ ہے کہ رات کو سونے سے قبل بعض لوگ دودھ پیتے ہیں تاکہ صبح کو اجابت با فراغت ہو۔ دودھ بیشک ایک عمدہ غذا ہے اور نسبتاً زود ہضم ہے مگر جس طرح سے کوئی اور غذا عین سونے سے قبل کھانے میں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ وہ معدے میں رات کو غیر منہضم رہ کر سڑے گی اسی طرح کم و بیش دودھ کے لئے بھی خطرہ ہے۔ ایک عام کلیہ یہ ہے کہ سونے سے قبل دو ڈھائی گھنٹہ تک کسی قسم کی کوئی غذا خواہ خشک ہو یا تر معدہ میں داخل نہیں ہونی چاہیئے۔

(ج) بعض لوگ جب سیر و شکار میں جاتے ہیں تو عمدہ عمدہ مرغن کھانے خوب کھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چلنے پھرنے میں سب ہضم ہو جائیں گے۔ بیشک جسمانی مشقت سے کھانا بالعموم خوب ہضم ہوتا ہے مگر یہ اُن لوگوں کے لئے ہے جو روزمرّہ جسمانی مشقت کے عادی ہوں مگر ان لوگوں کی جو سدا دماغی کام کرتے اور گھروں میں آرام سے رہتے ہیں حالت مختلف ہے۔ اُن کے جسم کی زیادہ تر قوت جو غذا کو ہضم کرنے میں صرف ہوتی حد سے زیادہ جسمانی مشقت کرنے سے کم ہو جاتی ہے اور تمام دن کا تھکا ہوا بدن کھانے کو ہضم کرنے سے عاری رہتا ہے اور بعض وقت بدہضمی ہو جاتی ہے پس جب کہ جسم محنت اور بھاگ دوڑ سے تھک کر چور ہو جائے اس وقت ثقیل اور بھاری کھانوں کی جگہ ہلکی اور زود ہضم غذا کرنی چاہیئے۔ فقط

طفیل احمد

قواعد انجمن فلاح المسلمین

مسلمانوں کی مالی اصلاح کے لئے ضرورت ہی کہ ہر مقام پر مندرجہ بالا نام کی ایک انجمن قایم کی جائے۔ ذیل میں بطور نمونہ کے چند قواعد درج کئے جاتے ہیں امید ہی کہ اس نمونہ پر انجمنیں قایم کرکے مقامی ضروریات کے مطابق قواعد بنائے جائیں گے اور جہاں کوئی انجمن پہلے سے موجود ہو وہ بھی مسلمانوں کی مالی بہبودی کے کام کو اپنے قواعد میں داخل کرے گی اور اپنی کارروائی سے اڈیٹر سود مند کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتی رہے گی۔ جدید انجمن قایم ہونے کی خبریں رسالہ سود مند میں شائع کی جائیں گی۔

مجوزہ قواعد یہ ہیں:-

(۱) فلاح المسلمین کے مقاصد وہی ہوں گے جو صفحہ اوّل پر پہلی تین دفعات میں درج ہیں۔

(۲) ممبروں کے ذاتی فرائض حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) اپنی آمدنی کا کم سے کم دسواں حصہ کسی بینک یا ڈاک خانہ یا کسی محفوظ مقام میں جمع کرنا۔

(ب) اپنی زندگی کا بیمہ کرانا تاکہ پس ماندگان کسی کے دست نگر نہ ہوں اور ہر بچہ کا تعلیمی بیمہ کرانا تاکہ اس کی تعلیم بے کھٹکے ہر حالت میں جاری رہ سکے۔

(ج) اپنے بچوں کو ابتدا سے روپیہ بچانے اور بڑھانے کی تربیت دینا۔

(د) خود نہایت سادہ زندگی بسر کرنا اور شادی غمی کے مسرفانہ اخراجات سے بچنا۔

(۳) ممبروں کے ملی فرائض حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر روپیہ کا کاروبار کریں اور مسلمان دوکان داروں اور کاریگروں کو معین اور غیر معین منافعہ پر روپیہ دیکر انھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرائیں۔

(ب) مسلمانوں میں انجمن ہائے امداد باہمی اور مشترک سرمایہ کی کمپنیاں قائم کرانا۔

(ج) مسئلہ سود کے اصلی معنوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اور اس مضمون کی کتابیں مسلمانوں سے پڑھوانا اور ان کے مضامین ناخواندہ مسلمانوں کو پڑھ کر سنانا۔

مسلمانوں کی مالی حالت کا آئینہ

اسلامی انجمنوں اور مسلم ہمدردوں کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنے اپنے مقامات میں مسلمانوں کی مالی حالت کی نسبت تحقیق کریں اور اس سے ازراہ کرم ہمیں اطلاع دیتے رہیں تاکہ وہ حالات یا اُن کا خلاصہ مسلمانوں کی اطلاع کے لئے رسالہ سودمند میں شایع کیا جایا کرے۔ مالی حالت کی تفتیش میں حسب ذیل سوالات سے مدد ملے گی۔

(۱) آپ کے قصبہ یا شہر یا ضلع میں جہاں کا حال آپ کو لکھنا ہے دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کی نسبتی تعداد کیا ہے۔

(۲) بمقابلہ گزشتہ دس بیس سالوں کے مسلمانوں کی زمینداریاں اور جائدادیں اب بڑھ رہی ہیں یا گھٹ رہی ہیں۔

(۳) صنعت و حرفت اور تجارت میں مسلمانوں کی نسبتی حالت کیا اندازاً کیا ہے۔ آیا کسی خاص قسم کی تجارت و صنعت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔

(۴) مسلمان کاریگر، کاشتکار اور دوکاندار بالعموم کس قوم کے لوگوں سے قرض لیکر اپنا کاروبار کرتے ہیں۔

(۵) مسلمان پیشہ ور بالعموم کفایت شعار اور خوش چلن ہیں یا مسرف اور بدچلن۔

(۶) مسلمانوں کو قرضداری کے چکر سے نکالنے اور اُن کا کاروبار درست کرنے کے لئے آیا آپ کے یہاں انجمن ہائے امداد باہمی یا مشترک سرمایہ کی کمپنیاں ہیں یا نہیں۔

(۷) شادی اور غمی کی تقریبات میں آپ کے ہاں برباد کن مراسم کیا کیا ہیں اور اُن کے بند کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔

(۸) آپ کے ہاں مسلمانوں کی تعلیمی حالت کیسی ہے۔ کوئی قومی مدارس یا انجمنیں ہیں کہ نہیں۔

(۹) آپ کے نواح میں برادرانِ وطن اپنی بچوں کے لیے کفایت شعاری کے کیا طریقے استعمال کرتے ہیں۔

(۱۰) آپ کے نزدیک مسلمانوں کی مالی حالت کی درستی کے لئے کیا طریقے ہوسکتے ہیں۔

(التماس) جو اصحاب یا انجمنیں یہ حالات جمع کرکے مہربانی سے ہمارے پاس بھیجیں وہ اُن کی نقل اپنے پاس بھی محفوظ رکھیں اور سال بہ سال اس کا مقابلہ مسلمانوں کی حالت سے کرتے رہیں

خاکسار

اڈیٹر سُودمند

رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۱۴۵

سود بہبود اور فلاح قوم کا ہوں متمند ✦ قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میر

سود

سید جعفری حسن

آنریری ایڈیٹر

جو مہینہ میں ایک بار علی گڑھ سے شائع ہوتا ہے

جلد (۱)	یکم ستمبر ۱۹۲۵ء	چندہ سالانہ (عہ)
نمبر (۴)		قیمت فی پرچہ (۳)

مقاصد

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس وگداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمن ہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ملک سے ربا کو جو برباد کن اور حرام ہے مٹادے

(۳) فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا۔ اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار و تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی۔ ذہنی ترقی اور عام بہبودی کا متعلق مضامین شائع کرنا

باہتمام محمد مقتدیٰ خان شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۵ء

فہرست مضامین سودمند

قواعدِ خریداری سودمند

(۱) یہ رسالہ بالعموم ۳۲ صفحات پر مہینہ میں ایک بار شایع ہوگا

(۲) قیمت سالانہ دو روپیہ ہے جو منیجر سودمند علی گڈھ کے پاس بھیجی جائے یا وی پی بھیجنے کی ہدایت فرمائی جائے۔

(۳) نمونہ کا پرچہ بلا قیمت روانہ ہوگا

(۴) رسالہ کے لئے مضامین اڈیٹر سودمند علی گڑھ کے پاس ارسال فرمائے جائیں۔

(۵) اشتہارات کا نرخ منیجر سے معلوم کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوز

طبع ثانی

جلد (۱)	یکم ستمبر ۱۹۲۵ء	چندہ سالانہ (عہ)
نمبر (۲)		قیمت فی پرچہ (۳/)

بغیر قومی سرمایہ کے تجارت کرنے کا نتیجہ

(از قمر الحسن صاحب قمر - بدایونی)

مسلماں اپنی طاقت کو بڑھائیں یہ نہیں کرتے
غریبوں مفلسوں کے کام آویں یہ نہیں کرتے

مسلمانوں کو کچھ احساس بھی اس کا اگر ہوتا
تو سب سے بیشتر یہ مسئلہ پیش نظر ہوتا

کہ موقع پر ہمیں اغیار جب آنکھیں دکھاتے ہیں
تو رہ رہ کر ہمیں ہر وقت یہ صدمے ستاتے ہیں

کہ غیر اپنی دکانیں بند کر دیں گے تو کیا ہوگا
ہمارے ہاتھ اگر سودا نہ بیچیں گے تو کیا ہوگا

یہ مجبوری سکھاتی ہے کہ خود اپنی دکانیں ہوں
بھروسہ کیوں ہو غیروں پر جو یوں خطرے میں جانیں ہوں

یہ وہ احساس ہے جو ہم کو سوتے سے جگاتا ہے
اسی احساس کا نتیجہ ہیں جلسے دکھاتا ہے

کسی جلسے میں طے ہوتا ہے غیروں سے نہیں سودا
کہیں تجویز ہوتا ہے کہ آپس میں کریں یکجا

ضروری ہیں جو چیزیں انتظام ان کی مہیا تک ہوں
کھلیں اپنی دکانیں اپنا سودا اپنے گاہک ہوں

پھر اس کے بعد الٹی سیدھی دو دکانیں بھی کھلتی ہیں
کہیں سے چیزیں آتی ہیں کہیں آ آ کے تلتی ہیں

مگر کب تک زیادہ سے زیادہ چند ہفتوں تک
پھر اس کے بعد وہ سودا نہ دوکانیں نہ وہ گاہک

سبب پوچھو تو کیا؟ بازار میں سودا نہیں ملتا
نہ سرمایہ نہ اپنا کوئی **قومی بینک** ہے ایسا

کہ جس سے کوٹھیاں کھل جائیں مال آئے دساور سے
بلا مجبوریوں کی یہ ہمیشہ کو ٹلے سر سے

پھر ۔۔ پر خود اپنے منحصر اپنی کمائی ہو
جو ہم سے فائدہ حاصل کریں وہ اپنا بھائی ہو

یہ کچھ دوکانداری ہے یہ کیا دوکانداری ہے
کہ ہیں جو غیر اُن کے ہاتھ میں گردن ہماری ہے

بظاہر یہ مسلمانوں کی معمولی شکایت ہے
مگر اس کا نتیجہ باعثِ صد ننگ و غیرت ہے

جو اس پہ غور کرتے ہیں کلیجے اُن کے ملتے ہیں
کہ سب دعوے ہمارے خاک میں کس طرح ملتے ہیں

ادھر تو یہ ذلت جو کہا وہ کر نہیں سکتے
ادھر یہ غم کہ اب اغیار ہم سے ڈر نہیں سکتے

ادھر تو بات کھوئی بیچا ٹھیرے بھرم کھویا
ادھر اغیار سمجھے اور کھوئیں گے یہ کم کھویا

ابھی تک بس نہ تھا لیکن مزاحمت تو کرتے تھے
کسی قابل نہ تھے مانا مگر جرأت تو کرتے تھے

اب اپنے پاس دولت ہے نہ ہمت ہے نہ جرأت ہے
کسی پر ہو نہ ہو ان پر ہماری بادشاہت ہے

ڈراتے تھے ہمیں جس سے وہ ان کا حوصلہ دیکھا
ہوا جھگڑا تو ہوا اب ہم نے ان کو آزما دیکھا

یہ حالت غور سے دیکھیں مسلماں اور شرمائیں
کریں سرمایہ کی فکر اب بھی اپنے دل میں ٹھہرائیں

کفایت شعاری کے مضمون پر انعام

'سودمند' کے سب سے پہلے پرچہ میں مندرجہ بالا مضمون پر انعام کا اعلان کیا گیا تھا۔ ہم نہایت ممنون ہیں کہ اس اہم اور ضروری عنوان پر ایسے ایسے قابل اصحاب نے مضامین لکھنے کی تکلیف گوارا کی جو انعام پانے کے خیال سے بالاتر تھے۔ دس مضامین ہمارے پاس موصول ہوئے جن میں سب سے بہتر مصورِ فطرت جناب مولوی سید ظہور احمد صاحب شاہجہاں پوری کا مضمون ہے جو دوسرے مقام پر اس رسالہ میں نقل کیا گیا ہے امید کہ اس مفید اور کارآمد مضمون سے ہمارے معزز ناظرین عملی فائدہ اٹھائیں گے۔

(ایڈیٹر)

کفایت شعاری کے عملی پہلو

(از ترجمان فطرت مولوی سید ظہور احمد صاحب وحشی شاہجہانپوری چیف ایڈیٹر رسالہ دین و دنیا دہلی)

سید صاحب کا یہ مضمون ہم نہایت شکرگذاری اور مخصوص مسرت کے ساتھ شائع کرتے ہیں۔ فخر اس بات پر ہے کہ موصوف نے باوجود خود ایک اوّل درجہ کے رسالہ کے ایڈیٹر ہونے کے سود مند کو اپنے بیش بہا نتائج قلم سے عزت بخشی۔ کفایت شعاری کے مضمونوں میں بالعموم ضروری اور غیر ضروری مصارف کا فرق بتا کر روپیہ بچانے کی تدابیر بتائی جاتی ہیں۔ مگر موصوف نے انسان کو کارآمد بنانے اور بیکار رہنے سے بچنے کے متعلق اس قدر مفید باتیں لکھی ہیں اور انہیں ایسے مرتب اور پراثر طریقہ سے بیان کیا ہے کہ بے اختیار پڑھنے والے کو ان پر عمل کرنے کی رغبت ہوتی ہے۔ ہزاروں آدمی ایسے ہیں جو کچھ کرنا چاہتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ کیا کریں اور دنیا میں کن طریقوں سے کامیابی حاصل کریں۔ مولوی صاحب نے بڑی عمدگی سے ایسے طریقے بتائے ہیں۔ یہ مضمون حسن اتفاق سے اس زمانہ میں موصول ہوا جب کہ سود مند کی طرف سے ایک انعامی مضمون کا اعلان ہوا تھا اور یہ بھی مرحلہ متعینہ موضوع میں یہ سب سے بہتر تھا۔ اس لئے اس کی بابت سود مند کی طرف سے اعلان شدہ انعام پیش کر کے منظوری کی استدعا کی جاتی ہے۔ (ایڈیٹر)

کفایت شعاری کی کیا بات ہے۔ کفایت شعاری کے بغیر آسودگی اور اطمینان دشوار ہے۔ لیکن اس وقت ملک کی ایسی حالت ہو رہی ہے کہ کفایت کا وعظ ہر شخص کو یکساں فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ آپ کہتے ہیں کہ بھئی مکھن علی گڑھ سے خریدو یہاں عمدہ اور بکثرت تیار ہوتا ہے۔ اس رہنمائی کا شکریہ لیکن اس سے وہ لوگ کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کو روکھی سوکھی روٹی بھی پیٹ بھر نصیب نہیں۔ حالت تو یہ ہو رہی ہے کہ جامہ ندارم دامن از کجا آرم۔ کچھ آمدنی ہو تو آدمی کفایت شعاری کے پہلوؤں پر غور کرے اور تن پیٹ کاٹ کر کچھ بچائے لیکن جب ایک سرے سے آمدنی ہی نہیں اور روٹی پر دال رکھ کر کھانا محال ہو رہا ہو تو بتائیے کفایت شعاری کا سبق پڑھانے اور جزرسی کے پہلو بتانے سے کیا حاصل۔

اس بنا پر اگرچہ مجھے کفایت شعاری کے عنوان پر اپنے خیالات ظاہر کرنے ہیں لیکن میں کفایت شعاری سے پہلے کچھ اور باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں جن کی نسبت میرا خیال ہے کہ قوم کی مالی حالت سنبھالنے میں بہت کچھ [illegible] اگر ان پر عمل کیا جائے تو لوگ افلاس کی کلفتوں اور اس کے لوازم و نتائج کی بے چینیوں سے بہت کچھ نجات حاصل کر سکتے ہیں

ہیں۔ اگر تم اپنی مالی حالت کی اصلاح چاہتے ہو تو تین باتیں اختیار کرو (۱) اپنے آپ کو کارآمد بناؤ (۲) بیکار نہ رہو (۳) خرچ کے وقت ضروری اور غیر ضروری مصارف کا امتیاز کرو جس کا دوسرا نام کفایت شعاری ہے اب میں ان تینوں باتوں کو کسی قدر تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔

اپنے آپ کو کارآمد بناؤ | دیکھو تم خواندہ ہو یا ناخواندہ۔ اگر تم خواندہ ہو تو تم نے معمولی اردو فارسی پڑھی ہے یا باقاعدہ عربی تعلیم حاصل کی ہے یا کسی یونیورسٹی سے انٹرنیس یا بی۔اے کا امتحان پاس کیا ہے مگر ان سب صورتوں میں تم ایک ہستی بیکار ہو۔ عربی میں عالم فاضل یا انگریزی میں گریجوایٹ بن کر ایک لمحہ کے لئے یہ نہ سمجھو کہ تمھاری زندگی کچھ کارآمد ہو گئی ہے یا ناخواندہ ہونے کی حالت میں ہاتھ پاؤں کی مضبوطی یا سینہ کی چوڑائی دیکھ کر کبھی اس وہم میں نہ پڑو کہ تم کو اچھی مزدوری مل سکیگی۔ سادہ محنت سے وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں۔ جس طرح کاغذ کا ایک پرزہ اور لکڑی کا ایک ٹکڑا نقش و نگار بنجانے سے پچاس گنا بلکہ سو گنا قیمتی بن جاتا ہے اسی طرح محنت کی قیمت کارآمد بن جانے کے بعد پچاس گنی بلکہ سو گنی بڑھ جاتی ہے ایک پچاس سالہ عمر کا مزدور جس کے ہاتھ تربیت یافتہ نہیں ہیں آٹھ نو آنہ روز کماتا ہے لیکن ایک بیس سالہ مزدور جو کھپریلوں کے اینٹنے۔ کچی دیواروں کے اٹھانے اور کچی چھتوں کے تیار کرنے میں مہارت رکھتا ہے روپیہ بیس آنہ روز کما لیتا ہے اس خیال کو اور وسعت دیجئے۔ ایک راج، ایک بڑھئی اور ایک لوہار ناخواندہ ہونے کے باوجود دو ڈھائی روپیہ روز کما لیتا ہے۔ فرنیچر اور سائن بورڈ وغیرہ نازک کام بنانے والا بڑھئی اس سے بھی زیادہ پیدا کرتا ہے۔ اب غور کیجئے کہ ایک مزدور اور ایک کاریگر کی حالت میں یہ فرق کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ ایک کی محنت سادہ ہے اور دوسرے کی محنت مشق و تربیت سے آراستہ ہے۔ یہی حالت خواندہ اشخاص کی ہے۔ اگر تم محض اردو فارسی پڑھے ہوئے ہو تو تمھاری مانگ کہیں نہیں ہو سکتی لیکن اگر تم نے کوئی کام سیکھا ہے مثلاً تم دیہات کی تحصیل وصول، دکانوں کی مخصوص نوشت و خواند۔ مہاجنوں کے بہی کھاتے، مقدمات کی پیروی، بچوں کی تعلیم و نگرانی یا اسی طرح کے کسی اور کام سے واقف ہو تو تمھیں نوکری ملنے میں دقت نہیں ہو سکتی۔ اگر تم عربی کے عالم فاضل ہو تو تمھاری زندگی اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک تم تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی کسی ایک فن میں کمال و شہرت حاصل نہ کرو یا جب تک درس و تدریس۔ وعظ گوئی۔ تصنیف و تالیف وغیرہ کی مشق بہم نہ پہنچاؤ۔ اگر تم انگریزی تعلیم یافتہ ہو تو اس وقت تک دنیا تم کو نہ پوچھے گی جب تک کہ تم کسی مخصوص علم و ہنر میں دستگاہ خاص حاصل نہیں کر لوگے۔ مثلاً مختاری۔ وکالت۔ اوورسیری۔ انجنیری۔ ڈاکٹری۔ فن زراعت۔ فن تعلیم۔ جرنلزم وغیرہ کسی ایسے کام میں مشق و مہارت پیدا نہ کر لوگے جس کی لوگوں کو ضرورت ہے۔ ایک گریجوایٹ کالج سے نکل کر ایک معمولی دکان پر کلرک کی خدمات بھی انجام نہیں دے سکتا جب تک وہ کمرشل معلومات بہم نہ پہنچا لے۔ اگر اسے مراسلات کا کام سپرد کر دیا تو تجارتی خط و کتابت سے ناواقف اور مقالات کے صحیح املا سے ناآشنا ہونے کی بنا پر

سے اپنے فرائض اطمینان بخش طور سے انجام نہیں دے سکتا۔ اور اس لئے اس کی قیمت بہت کم ہے۔

پس ہر شخص کا پہلا فرض یہ ہے کہ اپنی قیمت بڑھائے ایک مزدور چند روز کی توجہ میں معمار بن سکتا ہے ایک خدمتگار اگر معمولی نوشت و خواند سے چوتھے ماہ کی محنت میں ممکن ہے اپنی ضرورت اور قیمت دوگنی کر سکتا ہے۔ ایک معمولی اردو لکھا پڑھا اگر اپنی طبعی مناسبت پر غور کر کے حساب کتاب ہی کھاتہ - مقدمات کی پیروی۔ خوشنویسی وغیرہ میں کامل مشق بہم پہنچا لے تو اس کی مانگ اور قیمت میں نمایاں اضافہ ہو سکتا ہے۔ ایک عالم اور ایک گریجوایٹ تالیف و ترجمہ منطق و فلسفہ یا کسی اور کام میں کمال پیدا کرے جو طبعی پرواز کا اندازہ کرنے کے بعد دو چار سال میں ممکن ہے تو اس کی آمدنی اور قیمت دس گنی ہو سکتی ہے۔ قیمت بڑھانے اور کارآمد بن جانے میں نہ زیادہ وقت درکار ہے اور نہ غیر قابل برداشت محنت۔ صرف تھوڑی سی توجہ اور اس احساس کی ضرورت ہے کہ ہمیں کچھ سے کچھ بن جانا چاہئے۔

کارآمد بننے کا خیال صرف مردوں تک محدود نہیں رہنا چاہئے بلکہ اسے "نصف باطل" یعنی عورتوں تک متجاوز ہونا چاہئے۔ چنانچہ انھیں معمولی کھانے پکانے سینے پرونے کے علاوہ جو اُن کے طے شدہ مشاغل ہیں اور بھی ایسے کام سیکھنے چاہئیں۔ جو ان کی مخصوص معاشرت کے لحاظ سے مناسب ہوں اور جن کے ذریعہ سے وہ عزت آبرو اور شماتت ہمسائیگاں کے بغیر کچھ پیدا کر سکیں۔ جن گھروں میں بچے جاہل رکھے جاتے ہیں ان گھروں میں بچوں کو بھی آسان کام سکھائے جائیں یا گھر میں جو کام ہوتے ہوں اُن کاموں کے آسان حصے بچوں کے سپرد کئے جائیں اگر کام درزشی نوعیت کے ہوں تو لکھنے پڑھنے والے بچوں کو بھی عام کھیل کود کے بجائے اُن کاموں میں حصہ دیا جائے۔ بہرحال گھر کے ہر ممبر کو کارآمد بنانا چاہئے اور اس کا وقت کم و بیش کچھ نہ کچھ مالی مفہوم ضرور رکھتا ہو مثلاً ایک مزدور دو روپیہ روز کا کام کرے تو ایک عورت کو روپے بارہ آنے کا کام ضرور کرنا چاہئے اور دس بارہ سال کے بچوں کی اوسط دو چار پیسے سے دو چار آنے تک ضرور ہونی چاہئے۔

بیکار نہ رہو | اپنے آپ کو کارآمد بنانے کے بعد دوسری بات جو سانس لینے کی طرح ضروری ہے اور جس پر ہر شخص کو عزم و استقلال کے ساتھ عمل کرنا چاہئے یہ ہے کہ شدید مجبوری و معذوری کے سوا ایک منٹ بھی بیکار ضائع نہ کیا جائے اگر عادت ہو جائے تو ایک کمزور سے کمزور شخص بھی بلا امتیاز زن و مرد راحت کے وقفے مقرر کر کے بآسانی ۱۲ گھنٹے روزانہ کام کر سکتا ہے اور اس زمانہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ محنت بھی ایسی نہیں جس میں ایک اناڑی سے اناڑی آدمی دو تین پیسے فی گھنٹہ پیدا نہ کر سکے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہر شخص سادہ محنت میں چھ سات آنے روزانہ کما سکتا ہے اور اگر دو آنے آپ کو ہماری ہدایت کے مطابق کارآمد بنا لے تو یہ چھ سات آنہ کی رقم جو سادہ محنت کا معاوضہ ہے بڑھ کر چھ سات روپے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ تک پہونچ سکتی ہے۔

چونکہ محنت کو ہمیشہ سرمایہ کی غلامی کرنی پڑتی ہے اور اہل محنت اپنے تمدن میں دوسروں کے دست نگر اور

دوسروں کی دست نگر کے محتاج ہیں اس لئے شاید ہماری یہ ہدایت کہ ایک لمحہ بھی بیکار نہ ہو بظاہر قابل عمل معلوم نہ ہوگی اور یہ بالکل واقعہ ہے کہ ایک شخص جو ملازمت پیشہ ہے کوشش و جستجو کے باوجود چند ماہ یا چند سال بیکار رہے اہل حرفہ بازار میں کام نہ ملنے سے اور تجارت سرمایہ نہ ہونے سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں۔ لیکن ہم کو جو کچھ کہنا ہے وہ یہ ہے کہ ان بیکاریوں کے باوجود تم بیکار نہ ہو اور روزانہ دس بارہ گھنٹہ کام کی حالت میں گزارو۔ تمام زن و مرد کی پہلی کوشش تو یہ ہونی چاہیئے کہ وہ جتنے کام اختیار کر سکتے ہیں ان میں مفید ترین کام اختیار کریں لیکن مفید ترین کام کا موقع نہ ہو تو اس کے انتظار میں وقت ضائع نہ کریں۔ اس سے کم درجہ کا کام اختیار کریں۔ مثلاً ایک شخص کسی کارخانہ کی مینجری کا آرزومند ہے وہ زمانہ دراز اس انتظار میں بسر کر دیتا ہے۔ ہمارے اصول کے مطابق اُسے ایک دن بھی انتظار میں ضائع نہیں کرنا چاہیئے اگر مینجری نہیں ملتی تو مزدوری سہی جو کچھ ملے اُسے منظور کرے اور آئندہ بہتری و ترقی کی فکر میں رہے اور سب سے بہتر دوسرے راہ جوئی کرے۔ وہ انتہائی طریقہ کو فراموش نہ کرے تم اپنے آپ کو کسی ایک پیشہ میں محدود نہ کرو ورنہ بیکاری کے زیادہ مواقع پیدا ہوں گے جب معاش کی صدہا راہیں تمہارے سامنے موجود ہیں تو جس راہ کو اپنے لئے آسان تر اور مناسب وقت سمجھو اس میں در آؤ اور منزل پر جا پہنچو۔ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص کامیاب ملازم ثابت نہ ہو لیکن ایک کامیاب تاجر ثابت ہو یا ایک شخص بحیثیت اہل حرفہ کامیاب نہ ہو لیکن بحیثیت کاشتکار کامیاب ہو۔

اگر تم چند مقررہ گھنٹوں کے لئے کسی جگہ ملازم ہو تو اتنا وقت گزر جانے کے بعد یہ نہ سمجھ لو کہ اب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم کو باقیماندہ وقت میں اپنے لئے کوئی زرخیز صورت تجویز کرنی چاہیئے۔ اگر تم ناخواندہ ہو تو مزدوری محنت کے مواقع بکثرت مل سکتے ہیں۔ اگر خواندہ ہو تو کوئی ٹیوشن۔ کسی تاجر کی حساب نویسی یا اسی طرح کا کوئی کام مل جانا دشوار نہیں اگر یہ صورت نہ ہو تو کوئی تجارتی یا حرفتی مشغلہ اختیار کرو۔ بازار میں ایک دوکان لے لو جسے خالی اوقات میں کھولا کرو۔ یا گھر میں ایسی اجناس و اشیاء کا ذخیرہ بہم پہنچا لو جس کی فروخت سے فائدہ ہو پیچے یا سلائی۔ رنگائی۔ چھپائی دریوں قالینوں کا بننا۔ زردوزی وغیرہ ہزارہا کاموں میں سے کوئی کام اختیار کرو اگر تمہارے نصیب کا کوئی کام نہ ہو تو پھر اپنے گھر میں نوکری کرلو۔ اگر تمہارے گھر کا خرچ پندرہ بیس روپے ماہوار ہے تو چار پانچ روپے اور اگر پچاس ساٹھ روپے ماہوار ہے تو پندرہ بیس روپیہ کی تنخواہ کا مل جانا معمولی بات ہے۔ مثلاً تم اپنے آپ بازار سے سودا سلف لاؤ جس سے نہ صرف ایک نوکر کی تنخواہ بچیگی بلکہ ہر چیز بکفایت اور مناسب قیمت پر حسب مرضی مل سکے گی۔ پانی اپنے آپ بھرو جس سے نہ صرف سقے کا خرچ بچے گا بلکہ اعلیٰ درجہ کی ورزش بھی ہوگی۔ لکڑی اپنے ہاتھ سے چیرو۔ چارپائی اپنے ہاتھ سے بنو بلکہ بان بھی تیار کرو۔ گھر میں بشرط گنجایش ایک چھوٹی سی بھٹی بنا کر کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوؤ۔ بچوں کے بال اپنے آپ تراش لیا کرو۔ مکان کی شکست و ریخت کی مرمت اپنے آپ کرو۔ گھر کی عورتیں خالی نہ بیٹھیں چکی پیسیں جس سے نہ صرف بچت ہوگی بلکہ صحت بخش خالص آٹا کھانے کو ملیگا۔ اور تم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ چکی کا پیسنا عورتوں کو صدہا نسوانی امراض سے محفوظ رکھتا ہے

ضعیف ہوتی ہیں اور پرانی ہو گئی ہوں جس سے [illegible] چاہییں اور دیگر استعمال کے لیے کپڑا بنواؤ۔ بشرط گنجایش کاٹے جیسیں یا [illegible] کی خدمت [illegible] دودھ گھی [illegible] رکھو [illegible] تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو جاتے ہیں تکلف فروخت [illegible] اگر کہیں جانا ہو تو سادہ [illegible] منزل پر پہنچ کر جتنا [illegible] صرف ہوتا اتنا تم کما لیا۔ اس طرح اپنے آپ کو [illegible] کارآمد بنانے سے تمہارا خرچ جتنا گھٹ جائے گا یا آمدنی تمہاری [illegible] قدر بڑھ جائے گی اس کا اندازہ [illegible] ہے۔

اس وقت وہ لوگ [illegible] زیادہ نزاکت زدہ اور تباہ حال ہیں جن [illegible] کھانے والے ہیں لیکن [illegible] گھر کا کوئی [illegible] زیادہ خوش حال ثابت ہوں گے جن [illegible] کی تعداد زیادہ ہو۔ اگر تم اور تمہارا سارا گھرانا [illegible] کارآمد بنانے اور محنت کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا تو تم دیکھو گے کہ محنت کو [illegible] محنت کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ محنت پر روپیہ عاشق ہے اور محنت ہی وہ جادو ہے جو جیبوں [illegible] صندوقوں اور بینکوں سے روپیہ کھینچ لاتا ہے۔

کفایت شعاری اپنے آپ کو کارآمد بنانے اور [illegible] آمدنی اور بعض حالتوں میں روپے کی بارش ہیں اب ضرورت ہے کہ حاصل شدہ روپیہ کو [illegible] احتیاط کے ساتھ صرف کیا جائے اور اسی کا نام کفایت شعاری ہے۔ ہم اس جگہ پہ کفایت شعاری کے متعلق ایک سیدھا سچا اصول لکھتے ہیں جو ہزار صفحہ کی کتاب سے زیادہ کارآمد اور عملی ہے اور وہ یہ کہ جب تم کچھ خرچ کرنا چاہو تو یہ دیکھ لو کہ مذہب، تندرستی اور تمام معیار عزت کو نقصان پہنچائے بغیر تم اس خرچ کو روک سکتے ہو یا نہیں اگر روک سکتے ہو تو ضرور روک دو۔ بس یہی تمہاری کفایت شعاری ہے۔

اس گزارش کے مطابق زکوٰۃ دینا اور حج میں بشرط فرض روپیہ صرف کرنا کفایت شعاری کے خلاف نہیں۔ اگر طبی مشورہ ہو کہ قورمہ یا پلاؤ کھاؤ تو خواہ مخواہ دال اور گھاس پھونس کھانا۔ کم صرفی کے خیال سے میلے کچیلے کپڑے پہننا۔ گرمی سردی کا پورا بچاؤ نہ کرنا کفایت شعاری نہیں ہے اسی طرح یہ بھی کفایت شعاری نہیں ہے کہ انسان اپنے معیار سے گر کر کوئی کام کرے۔ لیکن معیار سے مراد ذاتی آمدنی کا معیار ہے نہ کہ خاندانی وجاہت اور موروثی شان و عظمت۔ مثلاً جس شخص کی آمدنی ہزار روپے ماہوار ہے اس کی عزت کا یہ معیار نہیں ہے کہ وہ لنگوٹی باندھ کر بازاروں میں گشت کیا کرے۔

اگر تم نے روپیہ کو اتنا روکا کہ خدا اور رسول کی خوشنودی کے خلاف ہوا تو تمہیں کبھی طمانیت حاصل نہیں ہو سکتی اور طمانیت ہی کے لیے تم روپیہ جمع کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم نے روپیہ کو اتنا روکا کہ تمہاری تندرستی خراب ہو گئی تو تمہیں کبھی مسرت حاصل نہیں ہو سکتی اور مسرت ہی کے لیے تم روپیہ کے خواہش مند ہو۔ اگر تم نے روپیہ کو اتنا روکا کہ خلق خدا میں کوئی عزت باقی نہ رہی تو تمام جدوجہد بے سود ہے کیوں کہ عزت ہی کے لیے تم روپیہ کے آرزومند

ہو۔ خوب یاد رکھو کہ روپیہ مقصود بالذات نہیں ہے۔ بلکہ وہ طمانیت، صحت، مسرت اور عزت کے حصول کا ذریعہ ہے اور اگر یہ تمام مدارج میں باقی نہ رہیں تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح آمدنی کے ساتھ خرچ کا بڑھنا نامناسب ہے اسی طرح خرچ کے ساتھ آمدنی کا گھٹنا بھی نامناسب ہے۔ مثلاً ایک شخص طرح طرح کی جد و جہد سے سو روپیہ ماہوار پیدا کرتا ہے اور سو روپیہ ہی مہینہ میں خرچ کر ڈالتا ہے تو اُسے کبھی آسودگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ایک شخص انتہائی کفایت شعاری کے ساتھ پچیس روپیہ ماہوار میں اپنی گزر کر لیتا ہے اور اسی قدر کماتا ہے تو وہ کبھی آسودہ نہیں رہ سکتا۔ آسودگی صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ آمدنی خرچ سے زیادہ ہو اور کفایت شعاری بھی اسی حالت میں کارآمد ہے کہ آمدنی کافی ہو ورنہ کفایت شعاری وہ نفس کشی ہے جو دل سے اس کے تمام ولولے چھین لے جس سے روح پژمردہ ہو جائے اور جو انسان کو اتنا کم خرچ اور بے حس بنا دے کہ اس میں کمانے کے جذبات باقی نہ رہیں مفید نہیں بلکہ مضر بلکہ مہلک ہے۔

اُمنگوں اور خواہشوں کا تعلق جہاں تک آمدنی سے ہے ان کو اچھی طرح اُبھرنے دو کیونکہ خواہشیں ہی راہ پیدا کرنے میں کمال رکھتی ہیں اور جہاں تک وہ خرچ سے تعلق رکھتی ہیں ان کو دباؤ۔ مثلاً ایک شخص کے دل میں جب ماہانہ آمدنی بیس روپیہ ہے یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ پچیس روپیہ کی لاگت سے ایک شیروانی بنوا کر اپنے پہنے۔ اب اس شخص نے یہ سوچ کر کہ میں غریب آدمی اتنی رقم کیوں کر خرچ کر سکتا ہوں اس جذبہ کو دبا دیا تو اس کی ترقی کا راستہ ہمیشہ کے لئے رُک گیا۔ اس کی طبیعت ہمیشہ کے لئے افسردہ ہو گئی۔ لیکن اس کے برخلاف اگر اس جذبہ کو اُبھارا تو فوراً اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ موجودہ آمدنی تو کافی نہیں ان مصارف کے لئے کوئی اور صورت اختیار کرنی چاہیئے اگر جذبہ صحیح ہے تو دماغ پر زور دے کر وہ مزید آمدنی کا ایک نہ ایک ذریعہ ضرور پیدا کر لے گا اور اسی طرح پچیس روپئے کی رقم مہیا کر کے رہیگا۔ اب اس کے بعد کفایت شعاری کا عمل شروع ہونا چاہیئے اور ... فرض ہے کہ وہ اتنی توجہات پیش کرے کہ یہ رقم صرف نہ ہو۔

مدعا یہ ہے کہ خرچ ہو یا نہ ہو ضرورت ہو یا نہ ہو لیکن آمدنی میں کمی نہ ہونی چاہیئے کہ اگر روپیہ نہیں ہے اور خرچ سامنے آگیا تو سخت زحمت کا سامنا ہے لیکن اگر خرچ نہیں ہے اور کوئی زحمت نہیں بلکہ دل کو ہر طرح اطمینان حاصل رہیگا۔

بعض لوگوں کے خیال میں کفایت شعاری کا مفہوم یہ ہے کہ ہر شے جو جہاں تک ... قیمت پر کہ دوکان دار اپنے منافع سے محروم رہ جائے حاصل کرنا چاہیئے ... شخص ... تین روپیہ سیر فروخت ہوتی ہے وہ اسے ڈھائی روپیہ سیر مل گئی ... یہی کفایت شعاری ہے ... سے پوچھے کہ ایک سیر سے چائے پینا ہی کونسی کفایت شعاری ہے اسی طرح ایک شخص ...

روپیہ گز ملتا ہی وہ اُسے آٹھ روپیہ گز مل گیا لیکن اس کفایت شعار کو یہ معلوم نہیں کہ آٹھ روپیہ گز کا کپڑا پہننا بجائے خود کفایت شعاری نہیں ہی۔

اسی طرح ایسی کفایت شعاری بھی مفید نہیں کہ ایک جذبہ کو دبا کر دوسرے جذبہ کو اُبھارا جائے مثلاً تم کو کہیں جانا ہی اور سواری استعمال کرو تو آمد و رفت میں ایک روپیہ صرف ہوتا ہی۔ تم پیادہ پا آئے گئے اور وہ اپسی پر ایک روپیہ کی مٹھائی خرید لی۔ اب غور کرو کہ اس تمام زحمت اور تکلیف کا نتیجہ یہ تھا کہ تم نے ایک روپیہ بچایا لیکن یہ سب کچھ فضول ثابت ہوا جب تم نے اسے بے ضرورت صرف کر ڈالا۔ اسی طرح خوراک کا خرچ کم کر کے پوشاک کے مصارف میں اضافہ کرنا اور ٹوپی کی قیمت گھٹا کر جوتی کے دام بڑھا دینا ایسی کفایت شعاریاں ہیں جن سے کچھ حاصل نہیں۔ جذبات کشی اور کسی صرفہ کی تخفیف سے اسی حالت میں مالی اصلاح ممکن ہی کہ اتنی رقم پس انداز ہو جائے۔

ہمارا زیادہ روپیہ جن باتوں پر خرچ ہو رہا ہی وہ یہ ہیں (۱) غذا (۲) لباس (۳) تکلفات (۴) دوا علاج (۵) رسوم۔ ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں جس کو ترک کر دیا جائے۔ البتہ ان میں سے ہر ایک میں تخفیف کی ضرورت ہی مثلاً (۱) غذا کے متعلق اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پُرتکلف اور قیمتی غذا زیادہ لذیذ ہوتی ہی حالاں کہ یہ مغالطہ ہے غذا کی لذت اشتہا پر موقوف ہی۔ سچی اشتہا کی حالت میں معمولی اور کم قیمت غذا بھی نہایت لذیذ معلوم ہوتی ہے پُرتکلف غذاؤں کی نسبت سادہ غذائیں مضرت کا بہت کم احتمال رکھتی ہیں اور سریع الہضم ہونے کی بنا پر جسمانی طاقت اور خون صالح کی تولید کا باعث ہیں۔ پس اگر ہم پُرتکلف اور غیر ضروری غذاؤں کو چھوڑ کر سادہ غذائیں اختیار کریں تو ہمارا خرچ بہت کم ہو سکتا ہی اور ہمارے جسم کو نقصان پہونچنے کی جگہہ نفع پہنچے گا۔

(۲) ہم قیمتی لباس صرف دوسروں کی نظر میں وقار حاصل کرنے کے لئے پہنتے ہیں اگر ہم اس احمقانہ خیال کو چھوڑ دیں اور لباس میں صرف آرام و صحت اور صفائی کا خیال رکھیں تو ہمارا بہت سا روپیہ بچ سکتا ہی۔

(۳) غذا۔ لباس اور طریق ماند و بود میں ہم نے جو تکلفات اختیار کر رکھے ہیں وہ بہت زیادہ برباد کن ہیں ان میں کمی کر دینے سے کافی بچت ہو سکتی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ تکلفات کو ایسا مفقود کر دو کہ ضرورتیں عریاں ہو جائیں اور زندگی بالکل بے لطف ہو جائے لیکن ان میں تخفیف کی شدید ضرورت ہی۔ تم ایک پختہ مکان میں رہو جس کے در و دیوار مُصفا ہوں لیکن اس کی کیا ضرورت ہی کہ دیواروں پر ریشم منڈھا ہو صاف ستھرے کپڑے پہنو لیکن اس کی کیا ضرورت ہی کہ وہ دس پانچ روپیہ گز کے [illegible] لیکن پچیس روپیہ کا "شو" بھی نہ پہنو۔

(۴) دوا علاج میں بھی ہمارا بہت سا روپیہ خرچ ہوتا ہی۔ اگر ہم اپنے اور اپنے [illegible] میں حفظ ما تقدم کا خیال رکھیں اور خورد نوش وغیرہ میں محتاط رہیں تو [illegible]

حاصل کر سکتے ہیں۔ بہت سی بیماریاں ہماری بے احتیاطی اور ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہوتی ہیں اور اس طرح کی بے احتیاطی نہ صرف ہماری صحت کے لئے تباہ کن ہے بلکہ ہماری فارغ البالی اور خوش حالی کو بھی برباد کرتی ہے۔

(۵) رسوم میں ہمارے پس انداز سرمایہ کا بیشتر حصہ تباہ ہوتا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ رسوم کے معاملہ میں خصوصیت کے ساتھ پابند شرع بن جائیں اور خواہ کیسا ہی مورد ملامت بننا پڑے لیکن اپنے قایم کردہ اصول سے کبھی تجاوز نہ کریں۔ اس کا یہ منشا نہیں کہ مُردوں کے لئے خیرات نہ کی جائے۔ بیٹیوں کو جہیز نہ دیا جائے اور شادیوں میں ولیمہ سے احباب داعزہ کو محروم رکھا جائے لیکن ان سب باتوں میں سادگی کفایت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی حیثیت ملحوظ رکھنی چاہیئے۔

کمائے ہوئے روپیہ کو احتیاط سے خرچ کرنے کی طرح خرید کی ہوئی اشیاء کو احتیاط سے زیادہ عرصہ تک قایم رکھنا اور آخری مدتوں تک اُن سے فائدہ اُٹھانا بھی کفایت شعاری ہے مثلاً:-

کھانا ضرورت سے زیادہ نہ پکایا جائے۔ اگر زیادہ پک جائے تو اُسے قرینہ سے رکھ کر دوسرے وقت صرف کیا جائے۔ لباس گھر کے اندر اور ہو اور گھر کے باہر اور۔ اگر تم اپنے گھر میں ایک شلوکے اور تہ بند سے کام لو تو تمہارے لباس کی عمر دونی ہو جائے گی۔ اور ساتھ ہی دُھلائی کا صرفہ گھٹ جائیگا۔ پس اگر تم دھلائی اور کپڑوں پر سالانہ بیس روپئے خرچ کرتے ہو تو صرف دس روپیہ خرچ ہوں گے یہی حالت ٹوپی اور جوتی وغیرہ کی ہے۔

کھانے پینے کے ظروف۔ لمپ اور ان کی چمنیاں۔ گھڑے۔ چارپائیاں اور تمام لوازم خانگی کی عمر بہ احتیاط کرنے سے بہت بڑھ جاتی ہیں جس سے سال میں کافی بچت ہو سکتی ہے۔

بڑوں کا لباس ناکارہ ہو کر سلیقہ مندی کے ساتھ چھوٹوں کا لباس بن سکتا ہے اور پھٹی ہوئی چادروں میں یہ صلاحیت ہے کہ ان سے دسترخوان تکیوں کے غلاف اور دیگر ضروری اشیا تیار کر لی جائیں۔

ایک گھر میں جتنے چیتھڑے گودڑے اور ردی کاغذ کے پُرزے سال بھر میں پھینک دیئے جاتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ تھوڑی سی دستکاری شامل کر دی جائے تو وہ روپیوں بلکہ اشرفیوں سے بدل سکتے ہیں۔

ایک باورچی خانہ جس میں دس پندرہ سیر لکڑی روزانہ جلتی ہو اگر ذرا سی توجّہ کرے تو آنچ سے کامل فائدہ اُٹھانے کے بعد بھی سال میں کئی من کوئلہ جمع کر سکتا ہے جن کی قیمت کئی روپیہ ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ مالی اصلاح چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ روپیہ کی طرف سے اطمینان کریں انھیں چاہیئے کہ اپنے آپ کو جس قدر کارآمد اور ہنرمند بنا سکتے ہیں بنائیں اپنے وقت کا ایک لمحہ بیکار ضائع نہ کریں اور جو کچھ کمائیں اُسے پوری احتیاط کے ساتھ صرف کریں۔ اور آمد و صرف کے وقت تمام جزئیات کو پیش نظر رکھیں۔

جو لوگ کفایت شعار نہیں ہیں ان کو ابتداً بڑی زحمت ہوگی لیکن جب ان کا دماغ کام کرنے لگے گا اور ان کی طبیعت خوگر ہو جائے گی تو کسی طرح کی دقت محسوس نہ ہوگی اور وہ آسانی کے ساتھ مذکورۂ بالا تمام ہدایتوں پر عمل کر سکیں گے۔

لیکن جو لوگ کفایت شعاری کی زندگی بسر کرنا چاہیں گے ان کو دو دشمنوں سے مقابلہ ہوگا اگر ان دشمنوں پر انھوں نے قابو حاصل کر لیا تو منزل مقصود تک راستہ صاف ہے۔ پہلا دشمن تو خود اُن کا نفس ہے جو بڑی مشکل سے لذات و تکلفات چھوڑنے پر رضامند ہوگا اور دوسرا دشمن وہ گروہ ہے جس نے عزت و وقار کا غلط معیار قائم کر رکھا ہے اور جو سادہ اور کم خرچ معاشرت کو ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ پہلے دشمن پر فتح پانا ان ترغیبات کی بنا پر آسان ہے جو کفایت شعاری کے اندر موجود ہیں یعنی سرمایہ پس انداز لیکن اس دوسرے دشمن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سوسائٹی کی امداد درکار ہے جب تک سوسائٹی فضول خرچی اور تکلفات کے متعلق نفرت و ذلت اور کفایت شعاری و سادگی کے متعلق رغبت و عزت کے جذبات دلوں میں پیدا نہیں کرے گی اس وقت تک کفایت شعاری کا عملی صورت میں آنا دشوار رہے۔ پس ضرورت ہے کہ قوم کے وہ معزز افراد جن کا دانش مندا اور قابل تقلید ہونا مسلمہ ہے۔ کفایت شعاری کو خود نمونہ بن کر رواج دیں۔ سوسائٹی مسرفین کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور سادہ معاشرت اختیار کرنے والوں کی عزت کی جائے۔ لوگ قیمتی لباس۔ وسیع دسترخوان اور موٹروں سے مرعوب ہونا چھوڑ دیں ہر گھر میں دو چار ایسے کتبے ضرور آویزاں ہوں جن میں سادگی، کفایت شعاری۔ کارآمد بننے اور مصروف رہنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہو مثلاً :-

"بیکار نہ بیٹھو"

"وقت روپے کا دوسرا نام ہے"

"مالی مشکلات محنت سے دور ہوتی ہیں"

"۲۴ گھنٹے میں تم نے کیا سیکھا؟"

"آدمی جیسا چاہے بن سکتا ہے"

"چند سال میں جاہل عالم اور بے ہنر ہنرمند بن سکتا ہے"

"حیثیت سے زیادہ خرچ نہ کرو"

"آج تم نے کیا بچایا"

"بے ضرورت خرچ نہ کرو تاکہ ضرورت کے وقت پریشانی نہ ہو"

بچوں کو کفایت شعاری کی تعلیم دی جائے ہر درسی ریڈر میں چند سبق کفایت شعاری کے متعلق ضرور شامل

کیے جائیں۔ مدرسوں میں ان لڑکوں کو انعامات تقسیم کیے جائیں جن کا لباس وغیرہ نمایش و تکلف وغیرہ سے خالی اور بالکل سادہ ہو۔ کم از کم پرائیوٹ کاروبار کے دفاتر وغیرہ میں ان ملازمین کی حوصلہ افزائی کی جائے جو کفایت شعار وجز رس ہوں۔ شہروں اور قصبوں میں جو لوگ کفایت شعاری کی قابل تقلید مثالیں قایم کریں ان کا تذکرہ اخبارات میں پوری فراخ دلی کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ قومی انجمنوں اور جلسوں میں لوگوں کو سادہ معاشرت کی ترغیب دی جائے ہر پبلک جلسہ میں اور شادی بیاہ کی محفلوں میں ان لوگوں کی پوری آؤبھگت کی جائے جو کم قیمت اور سادہ لباس میں ہوں یا ان کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اپنی زندگی کفایت شعاری کے ساتھ بسر کر رہے ہیں۔ علما کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے سامنے صحابہ کرام کی معاشرت کا حال بیان کر کے اصلاح حال کی طرف توجہ دلائیں۔

مجھے فضل الٰہی سے توقع ہے کہ اگر ان تدابیر پر عمل کیا گیا تو مسلمانوں کی مالی حالت ضرور درست ہو جائیگی اور جو گھر آج قرض و افلاس کی مصیبت میں گرفتار ہیں وہ چند روز میں تمام مصائب سے نجات پا کر ہر طرح فارغ البال اور خوش حال نظر آئیں گے۔ واللہ الموفق وہو المستعان۔

امپیریل بنیک کا ششماہی جلسہ

یہ بنیک ہندوستان میں سب سے بڑا اور دولت مند ہے اور نیم سرکاری بنیک ہے۔ اس کا ششماہی جلسہ ۱۰ اگست ۱۹۲۵ء کو بمبئی میں منعقد ہوا۔ چیرمین صاحب جلسہ نے بیان کیا کہ بمقابلہ گزشتہ سال کے امسال روپیہ کی قلت نہیں ہوئی چنانچہ پارسال اس زمانہ میں بنیک کا نرخ ۵.۸ فی صدی تھا اور امسال ۸۵،۴ ہے (یہ نرخ وہ شرح سود ہے جس سے بنیک قرض لیتا ہے) چنانچہ امسال بنیک کو گورنمنٹ سے قرض لینا نہیں پڑا۔ چیرمین صاحب نے بیان کیا کہ الحاق کے وقت اس کی ۴۴ شاخیں تھیں اس وقت سے ۸۰ شاخیں اور ۱۶ سب ایجنسیاں کھولی گئی ہیں۔ الحاق کے وقت یعنی جب کہ بنگال بنیک سے یہ امپیریل بنیک ہوا اس وقت صرف ۱ شاخیں ہندوستانیوں کے زیر اہتمام تھیں مگر ۳۱ رجولائی ۱۹۲۵ء کو ۴۰ شاخیں ہندوستانیوں کے زیر اہتمام ہو گئیں اس وقت ہندوستانی افسر برائے نام تھے اب ۱۱ افسر اور ۴۸ دوسرے درجہ کے ماتحت اور ۱۳۵ پروبیشنری اسٹنٹ ہیں۔ منافعہ جو تقسیم ہوا وہ سولہ فیصدی سالانہ ہے۔"

(سودمند) اب سوال یہ ہے کہ ہندستانیوں کی ۴۰ شاخوں میں مسلمانوں کی کتنی ہیں اور ۱۹۴ افسروں میں مسلمان کتنے ہیں؟ کیوں کہ بنیکوں اور روپیہ کے کاروبار سے خارج ہونے کے یہ معنی ہیں کہ مسلمان تجارت کے کاروبار سے خارج ہیں۔

جمعیت اصلاح المسلمین برار

جناب محمد میاں صاحب یوسف زئی نے نہایت دل سوزی اور درد مندی سے ایک تحریر ہمارے پاس بھیجی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے برار کے مسلمانوں کو افلاس سے نکالنے کا تہیہ کرلیا ہے آپ کی تحریر کے دو حصے ہیں اوّل عرض حال۔ دوسرے غریبوں کو دعوت آسودگی یا تنظیم امورخانہ داری۔ حصہ اوّل کو آج شائع کرکے اُمید کی جاتی ہے کہ بزرگان برار خاں صاحب موصوف کی صدا پر لبیک کہیں گے۔ (اڈیٹر)

عرض حال

برار کے ۵۶۶۶۸۳۲ مسلمانوں میں صرف کئی مونفوس ہی ایسے نکلیں گے جن کی دُنیا میں آسودگی خوشحالی اور فارغ البالی سے گزری ہوگی۔ اس صوبہ کی بھی حالت اور صوبوں کے مسلمانوں کی طرح دن بدن بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔ باوجودیکہ یہ ایک زبردست زرخیز صوبہ ہے۔ اگر اس طرف فوری توجہ نہ کی گئی اور یوں ہی تساہل و تغافل برتا گیا تو جو چند ہستیاں آج اپنی معاشرتی۔ تمدنی۔ مذہبی اور اخلاقی حالات کی بنا پر قوم کے لئے باعث افتخار ہیں۔ کل وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوجائیں گی۔ جو چند افراد اپنی فارغ البالی اور دولت مندی کی وجہ سے آج برار میں ممتاز ہیں کل وہ بھی متوسط درجے کی صفوں میں آکھڑے ہوں گے اور جو متوسط درجے میں ہیں وہ غریب بن جائیں گے۔ مسلمانوں کی اقتصادی حیثیت کا اندازہ کرتے ہوئے آسانی سے وہ تین طبقوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں:- طبقہ اعلیٰ۔ طبقہ متوسط اور غریب۔

طبقہ اعلیٰ کے متعلق تو میں زیادہ کچھ عرض نہ کروں گا سوائے اس کے کہ وہ اپنی معاشرتی، تمدنی اور اخلاقی حالات میں اصلاح اور مذہبی پابندی سختی کے ساتھ کرتا رہے وہ نہ محض اپنی اقتصادی حالت کو برقرار رکھنے میں ہر جائز جدوجہد کرتا رہے بلکہ اس میں نمایاں ترقی کرکے دکھلائے۔ اپنی تمدنی۔ مذہبی اور اخلاقی کمزوریوں کو چن چن کر دُور کرے اور متوسط اور غریب مسلمانوں کے لئے وہ اپنے لیسے پاکیزہ اور مقبول نمونے پیش کرے کہ مسلمانان برار اس کے نقش قدم پر چل کر اپنی موجودہ غربت، افلاس و نکبت کو خیرباد کہہ کر اپنی دُنیا سنوار لیں اور اپنی شامت اعمال کی بنا پر آج جو بد سے بدتر ہوگئے ہیں از سرنو اپنی اصلی حالت پر آجائیں۔ یوں تو برار کے مسلمانوں کی اصلاح کی تمام ذمہ داریاں قوم کے ایک ایک دردمند فرد پر عائد ہوتی ہیں مگر غریب اپنی عام لاعلمی، بے خبری اور بے اثری کی وجہ سے طبقہ متوسط

مادہ تنظیم سے عاری، ادھوری و نکمی تعلیم و تربیت مطلق نہ ہونے اور بے زری اور بے اثری کی وجہ سے امداد کرنے سے قاصر ہے۔ البتہ طبقہ اعلیٰ اس طرف اپنی توجہ مبذول کرے تو یہ بیڑے ابھی پار ہو سکتے ہیں حقیقی رہبرانِ قوم اپنی ادنیٰ توجہ کو اس طرف رجوع فرما دیں تو ان کی جد وجہد سے بعید نہیں کہ ہماری حالت اچھی ہو۔

جن حالتوں میں آج مسلمانان برا گھرے ہوئے ہیں ان کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ دنیا کی اور قومیں ترقی کے آسمان پر چار چاند لگا رہی ہیں مگر مسلمان ہیں کہ دن بدن ہر شعبہ میں اعلیٰ درجہ سے متوسط درجے کی طرف اور متوسط درجے سے غریبوں کی صفوں میں ڈھکیلے جا رہے ہیں۔ زمانہ انھیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ تم نے اگر اپنے آپ کو زمانہ کے لائق نہ بنا لیا تو براد کے موجودہ گداگروں کی تعداد میں دن بدن ایسا ہی اضافہ ہوتا جائے گا جیسا کہ بتدریج ہو رہا ہے۔ ہر قوم اس زمانہ میں محنت، تعلیم، تنظیم، اخلاق، صداقت اور متوکل ہی کی بنا پر ترقی کر سکتی ہے اور اپنی ان جملہ صفات کو صرف علم، عقلمندی اور ممتاز سیرۃ ہی کی بنا پر برقرار رکھ سکتی ہے۔ مذکورہ بالا صفات کا قوم سے ناپید ہو جانا انتہائی قوم کی بدنصیبی ہے لہٰذا اس فقیر نے جو کچھ غور و فکر کیا ہے اس کو قلمبند کرنے کے قبل اس کھلی ہوئی بات کو جس کو بار بار آپ سن چکے ہیں دُہرا دینا پڑتا ہے کہ اگر دنیا میں عزت و آبرو سے رہنا مقصود ہے۔ انسانوں کی طرح زندگی بسر کرنا مقصود ہے تو ایسے اُصول پر مسلمان زندگی بسر کریں کہ آج مالی حیثیت سے جو دولت مند ہیں وہ اپنی دولت میں ترقی کرتے رہیں۔ جو متوسط درجہ کے لوگ ہیں وہ پستی کی طرف جانے کے بجائے ترقی کی راہ میں گامزن ہوں اور جو غریب ہیں وہ بتدریج متوسط درجہ کے لوگوں کی صفوں میں آ جائیں۔

ضرورت ہے کہ پہلے مسلمانوں کے اس عام مرض کا پتہ لگایا جائے جو انھیں بربادی کے گھاٹ اُتار رہا ہے مرض کی تشخیص کرنے پر مرض یا امراض کا پتہ چل جانے پر مفید اور تیر بہدف نسخہ جات تجویز کئے جائیں اور ان کڑوی ادویات کو جبراً قوم کے حلق سے اُتارا جائے تاکہ ملت اسلامیہ کی حالت آہستہ آہستہ اچھی ہوتی جائے اور انجام یہ ہو کہ ملت صحت یاب ہو کر اور قوموں کی طرح دُنیا میں باعزت زندگی بسر کر سکے۔ انسانوں کی طرح دنیا میں رہ سکے۔ دُنیا اس کے لئے بوجھ نہ ہو۔ اشدھی کی یہ شکار نہ ہو۔

اپنے مقدور بھر فقیر نے اپنے صوبہ کی تلاش کر کے جن امراض کا پتہ لگایا وہ حسب ذیل ہیں:-

مسلمان اس زمانہ میں بھی اپنی عام بے خبری اور افلاس کی بنا پر تعلیم سے محروم ہیں اور ان میں سے کچھ لاپروا ہیں (اور جو تعلیم پا رہے ہیں ان کی تعلیم میں کیا نقایص ہیں یہ ایک جداگانہ بحث ہے اور اس بحث کو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے) تربیت جو تعلیم کی رُوح رواں ہے وہ گھر اور مدرسہ سے ناپید ہو گئی۔ عام جہالت کوتاہ اندیشی، اسراف، مذہب سے انتہائی لاعلمی (نماز اور ناظرہ قرآن مجید پڑھ لینے کو ہی اکثر مسلمانوں نے دینی

علم سمجھ رکھا ہے) فضول رسم و رواج، تن آسانیاں، محنت و مشقت سے نفرت، توکل اور قسمت کے معنی سمجھنے میں غلط فہمی، رہبانیت سے محبت اور تمدن سے نفرت، بیکاری، اولاد سے بیجا لاڈ و پیار، قرض، مقدمہ بازی، آپس کا نفاق، غیر منتظم طبیعتیں (یہ مرض تو عام ہی) ضد، غصہ، آوارگی، خانہ جنگی، بدکاری وغیرہ وغیرہ الغرض کہاں تک گنوایا جائے جس قدر بھی برائیاں اس زمانہ میں ہمارے گھروں میں بُوم ہو کر بس گئی ہیں اور ہمارے گھروں کو جائے پناہ سمجھ کر ہماری رگ رگ میں داخل ہو گئی ہیں اس کا آسانی سے نکل جانا غیر ممکن سا ہو گیا ہے ان تمام مذکورہ بالا امراض کے دفعیہ کے لئے ایک نسخہ تجویز کیا جاتا ہے وہ یہ کہ سب سے پہلے اس صوبہ کے نمایندوں کو مدعو کر کے ان کی کانفرنس کی جائے اور مسلمانان صوبہ کی موجودہ حالت پر بحث و مباحثہ و تبادلہ خیالات کر کے موجودہ عام افلاس و نکبت، عام تنگدستی و غربت کے سدباب کے لئے مفید نسخہ جات و تجویزیں پاس کی جائیں اور باقاعدہ نظام کے ماتحت ان کو عملی جامہ پہنانے کی جدوجہد کی جائے اور ان تجاویز پاس شدہ پر ایک ایک ضلع کے مسلمانوں سے عمل کرایا جاوے چوں کہ یہ فقیر برار کے مسلمانوں کا خادم ہے اس لئے میری اپنے صوبہ کے تمام تعلیم یافتہ طبقے اور رہبران قوم سے یہ حقیر درخواست ہے کہ انھیں امراض کے دفعیہ کے لئے بمقام پرت واڑہ اس صوبہ کی ایک مجلس بنام جمعیت اصلاح المسلمین برار ۳ محرم الحرام ۱۳۴۱ھ کو قایم کی گئی ہے۔ یہ بھی اس کے اجلاسوں میں طے پایا کہ ہر ضلع میں اس کی ایک ایک شاخ قایم کی جائے اور ایسے اراکین انتخاب کئے جائیں جو جمعیت ہذا کے لئے اہل اور موزوں ہوں۔ چنانچہ ضلع امراوتی میں اس کی ایک شاخ قایم بھی کی گئی ہے برار میں متفرق مقامات پر آج اس کے چند اراکین بھی موجود ہیں۔

جمعیت کا اراکین بنانے سے منشا اور مدعا یہی ہے کہ برار کے ہم خیال بزرگوں کو اکٹھا کر کے ان کی طاقت کو مرکز پر لایا جائے اور جمعیت اصلاح المسلمین برار کے ماتحت باقاعدہ۔ معاشرتی۔ تمدنی۔ اخلاقی اصلاح اور مذہبی پابندی کا کام شروع کیا جائے۔ یہ ایک بہت مشکل کام ہے اور اس کار عظیم میں جس قدر مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں اور اٹھانی پڑیں گی اس کا اندازہ اس سے بآسانی ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایک غلیظ، مکروہ یا بُرے فعل میں مبتلا ہو گیا ہو تو اس سے اُس فعل کے چھڑوانے میں بغیر قانون یا حکومت کے کس قدر دشواریاں حائل ہوتی ہیں اور نتیجہ اخیر میں کوشش کنندگان کے حسب دلخواہ نصیب نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کی عام رفتار روز بروز برائیوں کی طرف ایک دریا کے سیلاب کی طرح بہی چلی جا رہی ہے اس کی روک تھام کرنا پیشواؤں اور اماموں کا کام ہے۔

رہبران قوم توجہ کریں تو امید ہے کہ اراکین جمعیت کی تعداد کافی ہو جائیگی اور یہ جال برار بھر میں پھیل جائیگا۔ اور اگر جمعیت اصلاح کے نظام کے ماتحت محض خدا اور رسول مقبول کی خوشنودی کے لئے وہ سختیاں اور تکلیفیں جھیل کر کام شروع کر دیں گے تو یہ برائیوں کا سیلاب کم از کم ایک صوبہ میں تو ضرور سست پڑ جاوے گا جو اراکین جمعیت کی

حوصلہ افزائی اور کام کا انعام ہوگا۔ دوسرے تیسرے زور پر یہ بہاؤ رُکتے رُکتے رُک جائیگا۔ یہ بہاؤ واقعی برسوں اور مدّتوں میں بند ہوگا اور جب یہ بہاؤ بند ہو جائیگا تو اس کے بہاؤ کا رُخ اچھائیوں کی طرف کرکے بہانا کوئی زیادہ مشکل ہوگا اس کا نتیجہ جو کچھ نکلے گا ظاہر ہے۔ مسلمانوں کی معاشرتی، تمدنی، اخلاقی اور مذہبی کھیتیاں از سرِ نو سرسبز ہوں گی، بارآور رہوں گی جس کے شیریں پھلوں سے ملت کی نسل متمتع ہوگی۔ آج ایک دل خوش کن تخیل ہے ایک بہترین خواب و خیال ہے اور بس۔ فقیر نے خدائے برتر کی راہ میں اس کا اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ کا نام لے کر اس کی ابتدا تو کر دی ہے۔ چنانچہ فقیر کی تحریک کو چند بزرگان دین نے لبیک بھی کہا اور ایک حد تک وہ (جہاں تک ان کا مقدور ہے) دامے، درمے، قدمے، سخنے جمعیت کی امداد کر رہے ہیں۔ کچھ دوستوں اور احباب کی امداد کا رُجحان بھی نظر آتا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا مگر اس وعدے پر کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ خدا کسی کی محنت رائگاں نہیں کرتا اک پست ہمت نے نہیں ایک پست قد نے اس کار خیر کو شروع کرکے تمام بلاؤں کو دعوت دے دی ہے اور راہ حق میں سینہ سپر کرکے تمام مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور خدا کے کرم کی طرف میری نظریں لگی ہوئی ہیں کہ وہ جلد خاصانِ خدا اور اس کے رسول کے سچے اُمتیوں کو توفیق دے اور عزم بالجزم کرکے اس بوجھ کو اپنا شانہ لگا کر منزلِ مقصود تک پہونچا دیں۔

میں اس عرض حال کے ساتھ جمعیت کے اغراض و مقاصد بھی شائع کئے دیتا ہوں کہ جو محترم بزرگ اور عزیز بھائی اس کار خیر میں حصہ لینا چاہتے ہوں اگر یہ ناچیز عرض حال میری خوش قسمتی سے اُن کے ہاتھوں تک پہونچنے کی عزت حاصل کر سکے اور اُن کا ضمیر جمعیت کی امداد پر آمادہ ہو تو وہ جمعیت کی ہر ممکن امداد سے دریغ نہ فرمائیں۔ مجھ پر احسان ہونے کے علاوہ اک کار ثواب ہوگا جس کا اجر عظیم مل کر رہیگا وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

"جمعیت کے اغراض و مقاصد"

مُسلمانوں کی آپس کی نااتفاقی کی جڑیں اُکھیڑ کر پھینکنا۔ ان میں رشتہ اخوت، ہمدردی اور اتفاق پیدا کرا کے اُن سے مذہبی پابندی و دنیوی اصلاح کرانا، ان میں مادہ تنظیم پیدا کرانا، اُن سے خدا جل شانہٗ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی پیروی کرانا۔ اُن کے برباد کن رسم و رواج ان کو غارت کرنے والے مراسم میں فضول اخراجات سے ان کو بچانا۔ اُن کے بچوں کو دینی و دنیوی تعلیم و تربیت کی ترغیب دینا و دلانا۔ ان کی اقتصادی حالت سنبھلوانے پر خاص توجہ دینا و دلانا، ان کو کفایت شعاری و تجارت کے گُر بتلا کر ان کی دین و دُنیا سنبھلوانا۔ ان میں ایمان و روحانیت پیدا کرا کے سچے و خود دار مسلمان بنانا، فتنہ ارتداد کے انسداد کا قلع و قمع کرنا و تبلیغ و اشاعت اسلام میں اپنی حقدور بھر کوشش کرنا اور کرانا۔ مذکورۂ بالا اغراض کے لئے رسالہ جات شائع کرنا اور تقریریں کرنا اور کرانا اور سب سے زیادہ یہ کہ

ایک یتیم خانہ قایم کرنا۔ الغرض مسلمانان برار کو جگانا ہوش میں لانا اُٹھانا، سنوارنا، اُبھارنا، چمکانا انھیں فرض کی انجام دہی کے لئے "جمعیت اصلاح المسلمین برار" کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔

جو بزرگانِ دین وعزیزان ملت جمعیت کے اغراض ومقاصد سے متفق ومتحد ہوں اور برضا و رغبت جمعیت کے رُکن بننا چاہتے ہوں وہ براہ کرم مندرجۂ ذیل پتہ پر اطلاع دیں تاکہ ضروری حلف نامہ خدمت میں ارسال کرنے کا شرف نصیب ہو۔

اخیر میں اس خالق اکبر کی درگاہ میں دُعا ہے کہ اے دلوں کو پھیرنے والے مقلب القلوب اپنی طرف رجوع کرنے والے جو کچھ بھی الفاظ اس گنہگار کے قلم سے نکلیں اگر ان میں درد و صداقت ہو، نیک نیتی ہو اور تیرے رسول کی خوشنودی ہو تو اسے خداوندا اپنے اور اپنے حبیب کے طفیل میں ہمیں گمراہیوں سے بچا اور (اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) ہمیں سیدھا راستہ بتلا ایسی حالت میں نہ تو ہم اس قابل ہیں کہ تیرے بندے کہلائیں اور نہ تیرے رسول کے اُمتی دنیا کو دنیا کی ترقیاں مُبارک ہمیں کسی سے رشک ہو نہ حسد۔ ہم تجھ سے گڑگڑا کر یہی التجا کرتے ہیں کہ اے معبود حقیقی ہم کو سچے معنوں میں مسلمان بنا دے اور یہ تیرے نزدیک کوئی مشکل نہیں ہے۔ تو دلوں کا پھیرنے والا ہے۔ ہم تجھی سے اپنے معاملات رجوع لاتے ہیں اور تجھ ہی کو اور صرف تجھ ہی کو معبود حقیقی جانتے ہیں اور تو اور صرف تو ہماری دعاؤں کو قبول کرنے پر قادر ہے اور ہماری دعاؤں کو تجھے کسی سے جا کر منظور کرانا نہیں ہے ؎

تو خود قادر ہے ہر شے پر توانا ہے
تجھے کیا کسی سے کچھ مانگنے جانا ہے

ہمارے دلوں کو پھیر دے! ہماری ضد کو دُور فرما!! ہم کو آپس میں ایک دوسرے پر چوٹیں کرنے سے باز رکھ!!! ہم کو ایک دوسرے پر نکتہ چینی و بیجا حملے کرنے سے بچا، اور ہمیں توفیق دے کہ تیری اور تیرے رسول کی خوشنودی میں ہم قربان ہوں۔ اسی حالت میں ہم تجھے مُنہ دکھانے کے قابل ہو سکیں گے۔ ہماری دین و دنیا دونوں غارت ہو رہی ہیں۔ خداوندا لیڈروں، رہنماؤں، پیشواؤں کو توفیق دے کہ وہ سیدھی راہ دکھائیں ہم بے خبر ہیں، بے علم ہیں، ہم نادان ہیں، اجہل ہیں۔ ہم کیا اور ہماری ابتلا و آزمایش کیا؟ اب ہمیں زیادہ امتحان میں نہ ڈال، ہمارا امتحان ہو چکا۔ خداوندا ہمارے دن پھیر دے اور ہمیں ایک اور صرف اخیر بار پھر آسودگی، فارغ البالی اور سب سے زیادہ ایمان داری و عمل کی زندگی نصیب فرما۔ ہم نے تیری امانتوں کی قدر نہیں کی۔ اس لئے ہم سے چھین لی گئیں ایک بار اپنی رحمت کے دریا کو جوش میں لا۔ ہماری شامت اعمال سے ہمیں درگذر فرما اب ہم حتمی وعدہ کرتے ہیں کہ جو کچھ تو ہمیں عنایت فرمائیگا ہم اس کی قدر کریں گے۔

میرے خداوندا! اس سیاہ کار اس بدبخت کا اعمال نامہ سب سیاہ ہو گیا۔ اس سیاہ کار کا دل ٹھیکری سے زیادہ

کا لاہو چکا ۔صرف سنتا ہی نہیں پڑھتا بھی ہوں اور ایمان بھی رکھتا ہوں کہ تو کریم ہو رحیم ہے کارساز ہو تیرے حضور میں کتنے بار اپنی سیاہ کاریوں کا اظہار کیا ۔ توبہ کی ۔ خداوندا مجھ پر رحم کرنے میں دیر ہو رہی ہو ۔ تیرے بندوں اور تیرے رسول کی اُمت کی خدمات کا یہ عاصی اگر اہل نہیں ہو تو تنظیم و اصلاح جیسے زبردست کام کی تونے کیوں توفیق دی ہو جب تو نے یہ توفیق دی ہو تو اے کرم و رحم والے اس کو اپنے کرم و رحم سے پورا بھی کر دے ۔ یہی اس عاصی پُر معاصی کی تیرے حضور میں دعا ہو ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ وَسَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمْ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

عَاصِی

برہت واڑہ ۔ یکم مئی ۱۹۲۵ء

محمد میاں خاں یوسف زئی

محکمہ تعلیمات بلڈانہ (برار)

جوابات

(بابت سوالات مندرجہ سود مند مورخہ یکم اگست ۱۹۲۵ء)

(۳) جس دودھ کی کریم بذریعہ مشین نکال لی جاتی ہو اُسے ڈاکٹرز و دہضم بتاتے ہیں ۔ اسپتالوں میں یہ دودھ مریضوں کو دیا جاتا ہو ۔ کیوں کہ اس میں چکنائی نہیں رہتی جس کو کمزور معدہ ہضم کر سکتا ہو ۔

(ایڈیٹر)

(۴) دودھ کو محفوظ کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اُسے جوش دے کر ہوا بند بوتلوں میں بند کر دیا جائے ۔ اس کے لئے خاص آلات استعمال ہوتے ہیں ۔

(ایڈیٹر)

(۵) دودھ کا سفوف بنانے کی ترکیب یہ ہو :۔

ایک ڈرام کاربونیٹ سوڈا کو ایک چھٹانک پانی میں حل کرو ۔ تازہ دودھ دو کوارٹ اور شکر دو پونڈ اس میں شامل کرو ۔ اس مرکب کو ایک لوہے کی کڑھائی میں آگ پر رکھ کر چلاؤ یہاں تک کہ سفوف ہو جائے (ترکیب استعمال) ایک چھٹانک سفوف گلاس میں ڈال کر اس میں آدھ سیر سے ایک سیر تک گرم پانی ملا دو اور جلد جلد اس کو چلاتے جاؤ یہاں تک کہ سفوف حل ہو جائے ۔ تجارتی نقطہ نظر سے مستفسر صاحب خود اس کی لاگت اور نفع کا حساب لگا لیں ۔

(انیس احمد کلکٹری علی گڑھ)

منقولات

سود کی تباہ کاری

معاصر المنیر نے سود کی تباہ کاری کا ایک عبرت آموز واقعہ لکھا ہے۔ ایڈیٹر صاحب "المنیر" ایک ضروری کام کے لئے وزیر آباد جا رہے تھے۔ گاڑی میں تحصیل حافظ آباد کا ایک جٹی زمیندار بیٹھا بیان کر رہا تھا کہ میرے باپ نے ایک ساہوکار سے اڑھائی سو روپیہ نقد لیا تھا جس میں سے وقتاً فوقتاً کچھ دیتا بھی رہا۔ لیکن اب اس نئی میعاد کے جھگڑے میں ساہوکار نے گوجرانوالہ کی ایک عدالت میں میرے خلاف ۲۰۴ روپیہ کا دعویٰ دائر کر دیا ہے۔ متعدد نارمیں بھگت چکے ہیں۔ زیادہ افسوس کی یہ بات ہے کہ میں ساہوکار کو کہتا ہوں کہ مال مویشی اور دیگر اسباب یا چند سالوں کے لئے زمین متاجری لے کر اپنا روپیہ وصول کر لے۔ مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ کہتا ہے۔ کہ خرچہ رکھ کر قیدی کرا دوں گا۔

"المنیر" سچ کہتا ہے کہ یہ ایک معمولی سی مثال ہے۔ ایسے ہزاروں تباہی خیز مناظر دن رات دیکھنے میں آتے رہتے ہیں اور پھر اس نئی میعاد کے جھمیلے نے تو سودی (میعادی مقروضوں کی حالت اور بھی نازک کر دی ہے ہزاروں لاکھوں روپے کے دعوے ہو گئے ہیں۔ غریب مقروضوں کو کہیں سے یک دم رقم نہیں ملتی۔ اور ادھر سودخوار دانت پیس پیس کر کہہ رہے ہیں کہ دیکھو تو سہی کیسے روپیہ وصول کیا جاتا ہے۔ غریب مقروضوں اور ان کے حامیوں کی ہر طرح ذلت و تباہی ہو رہی ہے۔ مگر رہنمایان و لیڈران قوم ٹس سے مس نہیں ہوتے وہ تو صرف زبانی ہاہو اور دار وگیر کے عاشق ہیں۔

لطف کی یہ بات ہے کہ کیڑے مکوڑوں کو لسی چاول اور کوتے کتوں کو روٹیوں کے ٹکڑے بلا ناغہ ڈالنے والے رحم دل سودخوار تا حال ع

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

کی مہارنی رٹے جاتے ہیں۔ اور وہ مسٹر مقبول محمود کے مسودہ قانون کی اس وجہ سے مخالفت کر رہے ہیں کہ اس کے پاس ہو جانے کی صورت میں مقروضوں کے نہ کسی طرف سے سانس نکلنے لگ جانے کا شک ہے۔

رہبران قوم کا فرض اولین ہے کہ وہ غریب مقروضوں کو ساہوکاروں کے پنجۂ حرص و آز سے بچانے کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں۔ کریں۔ زمینداروں پر جو قرضہ کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے ظلم عظیم ہو رہا ہے ان کا خون چوسا جا رہا ہے۔ کاش وہ لوگ جو ان کی رہنمائی کا دم بھرتے ہیں اور اپنے کو ان کا خیر خواہ ظاہر کرتے ہیں۔ ان تکالیف کا قرار واقعی انسداد کرنے کی کوشش کریں۔

(ماخوذ از مسلم راجپوت امرتسر)

(ایڈیٹر) ساہوکاروں کے حرص و آز سے بچنے کی اجتماعی تدبیر تو یہ ہے کہ انجمن ہائے امداد باہمی قایم کی جائیں۔ زراعتی صنعتی اور تجارتی بنیک کھولے جائیں اور انفرادی تدبیر یہ ہے کہ ہر شخص جو کچھ پیدا کرے اُس میں سے بچا کر اپنے بھائی کاشتکاروں کاریگروں اور دوکانداروں کو چھوٹی رقموں تک معین یا غیر معین منافعہ پر دے کر غیر اقوام کے سرمایہ داروں سے اُن کی گلوخلاصی کرائے۔ اپنے گھر میں نقد یا زیور کی شکل میں کچھ نہ رکھے۔ ڈاک خانہ اور مقامی بنیکوں میں حساب کھولے۔ بچوں کے حسابات ڈاک خانہ میں کھلوا دے اور اپنی ذات پر تکلیف اُٹھا کر زیادہ سے زیادہ روپیہ صنعت و تجارت میں لگا دے جس سے ملک کی شرح سود گھٹے۔ یہی سب سے بڑا علاج افلاس دور کرنے کا ہے۔

ہندؤں کا ایثار

ایثار و قربانی کی جو تعلیم مسلمانوں کو دی گئی تھی اس کو دیگر اقوام نے اپنا شعار بنالیا ہے اور وہ اس سے خوب بہرہ اندوز ہو رہی ہیں۔ ہماری ہمسایہ قوم ہنود نے اس بارہ میں خاص صلاحیت کا ثبوت دیا ہے اور جب ہم پنجاب کے علمی دور پر نظر کرتے ہیں تو ہندؤں کا اس میں نمایاں حصہ نظر آتا ہے۔ پنجاب میں سردار دیال سنگھ ایک معزز ہندو رئیس ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے ایک ٹرسٹ قایم کر کے اخبار "ٹریبون" کی بنیاد ڈالی جو ہندؤں کی بیحد خدمت کر رہا ہے۔ لاہور کا دیال سنگھ کالج بھی اسی سردار کی فیاضی کا نتیجہ ہے۔

سر گنگا رام ایک اور نامور ہندو ہیں۔ جنھوں نے اپنی جائداد کا ایک معقول حصہ اپنی قوم کی بیوگان کی امداد کے لئے وقف کیا اس وقف کے ماتحت ایک شفاخانہ، ایک لائبریری، ایک بیکاروں کو ملازمت دلانے والا شعبہ قایم ہے۔ اب بیکاروں کو روزگار پیدا کرنے کی تعلیم دینے کے لئے ایک آشرم راوی کے کنارے کھلنے والا ہے۔

ایک اور ہندو رئیس نے اپنی تمام جائداد قیمتی ایک لاکھ روپیہ ملتان و مظفر گڈھ کے ہندوؤں کے لئے وقف کی۔ اس کی سالانہ رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ اس جائداد کے منافع سے ہندو یتامیٰ۔ ہندو مستحقین اور ہندو بیواؤں کو ہر قسم کی تعلیمی اور اجتماعی امداد دی جاتی ہے۔ ہندو رئیس کے بعد اس کی بیوی نے اپنی بیس ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی بھی قوم کے لئے وقف کر دی۔

ایک ہندو لالہ ہیمراج نے وصیت کی کہ اُن کے لڑکے کو گورو کل میں اور اُن کی لڑکی کو کنیا مہاودیالہ جالندھر میں تعلیم دلائی جائے۔ اور اُن کی جائداد سے ہندو لڑکیوں۔ بیواؤں اور اچھوت اودھار کے لئے روپیہ خرچ کیا جائے چنانچہ اُن کی بیوہ اس وصیت پر پورا عمل کر رہی ہے۔

ایک اردڑمنسی لالہ کشن چند نے بوجہ علالت اپنی تمام جائداد جو بہتر ہزار روپیہ کی ہے بعض شرائط کے ساتھ اروڑ منس کھد سبھا کے سپرد کر دی ہے۔

یہ چند مثالیں پیش کرنے کے بعد ہم پوچھتے ہیں کہ پنجاب میں کتنے مسلمانوں نے اس قسم کے ٹرسٹ اپنی جائداد سے قایم کئے ہیں اور مسلم راجپوتوں میں کتنے ہیں جنھوں نے اس قسم کے قومی، علمی اور اجتماعی ایثار کا ثبوت دیا ہی۔ (ماخوذ از مسلم راجپوت امرتسر)

(ایڈیٹر) مسلم راجپوت نے مندرجۂ بالا تحریر میں حسب معمول نہایت دلسوزی اور دردمندی سے مسلمانوں کو نیک کاموں میں صرف کرنے کی طرف متوجہ کیا ہی۔ مگر ہم نہایت ادب سے موصوف کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ مسلمان سلطنتوں کی حالت یہ ہی کہ وہ غیر ملک سے قرضہ لے کر اپنا کام چلاتی ہیں۔ مسلمان تاجر غیر اقوام کے سرمایہ داروں اور بنکوں سے قرض لے کر مال چھوڑاتے اور اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ مسلمان کاریگر قرض داری کی حالت میں مثل مویشیوں کے کام کرتے ہیں۔ قصبات اور دیہات کے رہنے والے مسلمان تحصیل حافظ آباد کے بھٹی زمیندار کے اڑھائی سو روپیہ کی جگہ ۳-۲ سو روپیہ دے کر اپنا پیچھا چھوڑانا چاہتے ہیں مگر کسی طرح رُستگاری نہیں ہوتی۔ تو ایسی مقروض اور نادار قوم سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہی کہ اُس کے افراد کالج، شفاخانے، لائبریریاں قایم کرکے انفرادی یا قومی ایثار کا ثبوت دیں یہ تو مسلمانوں سے اُسی وقت ہو سکے گا جب کہ وہ روپیہ صرف پیدا کرنا نہیں بلکہ اُسے بچانا اور بڑھانا خود سیکھیں اور اپنے بچوں کو سکھائیں اور بس۔ دوسری قومیں اقتصادیات کی اعلیٰ درجہ کی ڈگریاں حاصل کر رہی ہیں اور مسلمانوں نے ابھی اس علم و فن کی ابجد بھی شروع نہیں کی۔

مقابلہ کا نیا میدان

مسلمانوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کل مقابلہ میدان جنگ میں تیغ و خنجر کے ذریعہ تھا جس سے وہ عہدہ برا ہو سکے لیکن آج مقابلہ کا میدان دوسرا ہی آج امن و سلامتی اور خاموشی کے ساتھ ہندوستان کے گاؤں گاؤں اور گلی گلی میں شدھی اور سنگھٹن کا جال پھیلایا جا رہا ہی جس سے کامیاب مقابلہ کے لئے غصّہ و غضب شجاعت و بہادری، جوش و خروش بالکل بیکار ہی۔ اس کے لئے غور و فکر، مُسلسل جد و جہد، ہشیاری و بیداری اور کام اور عمل کی ضرورت ہی۔ لوہے کے چنوں کو معدوں کے ذریعہ سے ہضم نہیں کیا جا سکتا۔ مگر کیمیاوی صنعت سے اُن کو پگھلا کر دوسری دھاتوں میں ملایا جا سکتا ہی۔

آریہ قوم ایک مدّت سے اپنے گروکلوں کے ذریعہ سے ایک کیمیاگر تیار کرنے کی دُھن میں لگی ہوئی ہی جو اس صنعت کو انجام دے سکیں تم نے اس توڑ کے لئے کیا کیا؟ ایک گروکل کانگڑی کے سالانہ جلسہ میں جو گزشتہ ایسٹر میں ہردوار میں منعقد ہوا تھا۔ جب چندہ کی اپیل کی گئی تو ایک لاکھ کے قریب نقد وصول ہوا اور ایک لاکھ کا وعدہ ہوا۔ ڈیرہ غازی خاں کے صرف ایک ہندو رئیس نے پچاس ہزار کا عطیہ دیا اس کے مقابلہ میں ہمارے عربی مدارس میں۔ کیا دیوبند اور ندوہ کو یہ دن کبھی نصیب ہوا۔ ندوہ کے لئے صرف پندرہ ہزار فی صوبہ کی

درخواست کی گئی۔ دیکھیں قوم اس کا کیا جواب دیتی ہے۔" (از معارف اعظم گڈھ)

(ایڈیٹر) ہماری دلی تمنا ہے کہ مسلمان، ندوہ، اور دیوبند کے لئے بیش قرار رقمیں دے کر اپنی فیاضی اور مذہبی حمیت کا ثبوت دیں مگر واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی سخاوت کے چشموں کے سوتے عرصہ ہوا کہ سوکھ چکے۔ مسلمانوں کو مذہب سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں چنانچہ گزشتہ دو سال میں جب سے کہ غیر اقوام نے مسلمانوں کو اپنے مذہب میں جذب کرنا شروع کیا ہے۔ مسلمان مضطرب اور بے چین ہیں۔ اُنھوں نے تبلیغ اسلام اور حفاظت اسلام کے لئے صدہا جلسے کر ڈالے۔ اپنے امکان میں بہت روپیہ فراہم کیا مگر ضروریات کے اعتبار سے وہ اونٹ کے منہ میں زیرہ کی مانند ہے۔ بقول معارف کے جب کہ ہندوؤں کے لئے اُن کے گروکل قومی کیمیا گر تیار کرنے کے کارخانے ہیں مسلمان بھی اپنے مدارس کے ذریعہ قومی کیمیا گر تیار کریں مگر واقعہ یہ ہے کہ اب مسلمان اس درجہ پر پہونچ چکے ہیں کہ ان ذرایع سے دوسری قوموں کو اپنی طرف کھینچنا اُن کے امکان سے باہر ہے زمانہ سابق میں کم و بیش ہر مسلمان فرد میں قوتِ جاذبہ تھی جس سے وہ دوسروں کو اپنے مذہب میں جذب کرتا اور کرسکتا تھا۔ مگر اب یہ صفت دیگر اقوام کی طرف منتقل ہو گئی ہے دیگر اقوام کے افراد اور جماعتیں اپنے روپیہ اور سیاسی قوت کے زور سے دوسروں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں بہ خلاف اس کے مسلمان بالعموم افلاس اور قرضہ داری کی وجہ سے خود دبے ہوئے ہیں اور جو چند تنخواہ دار مذہبی مبلغ کسی جگہ باہر سے پہونچتے ہیں وہ مقامی مسلمانوں سے زیادہ بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔ پس اس دور میں پُرانی قسم کی کیمیا بیکار ہو چکی۔ اب جدید کیمیا کا دور ہے اور جدید کیمیا کا انحصار سرمایہ پر اور سرمایہ کا دارومدار روپیہ سے روپیہ پیدا کرنے کے طریقوں کی واقفیت پر ہے پس قومی بقا کے لئے دنیاداروں سے لے کر دینداروں، علماء اور درویشوں حتیٰ کہ گوشہ نشین، تارک الدنیا اصحاب تک کو اپنے حجروں سے نکل کر مسلمانوں کی مالی اِصلاح میں پورا حصہ لینا پڑے گا۔ ورنہ قریب وقت ہے کہ دُنیا مسلمانوں پر تنگ ہو جائے اور اُن کے قومی وجود کا پتہ بھی نہ لگے۔

سود مند یا بے سود؟

(از صمدانی دہلوی)

شیخ صاحب نے جو میرے پاس دیکھا "سود مند"   مشتعل ہوکر یہ فرمایا کہ یہ "بے سود" ہی
یہ طفیل احمد یقیناً ملحد و زندیق ہے   یہ مسلمانوں کا دشمن دین سے مردود ہی
کس طرح کہتا ہے یہ گستاخ۔ جائز سود کو   حکم حرمت جب کہ خود قرآن میں موجود ہی

عرض کی میں نے کہ قبلہ! غور فرمائیں ذرا   کون سا ہے وہ ربوا جو شرع میں مطرود ہی
جاہلیت کا ربوا جو سود تھا بالائے سود   قید "اضعافاً مضاعف" میں وہی محدود ہی

اور حربی سے ربوا لینے کے بارے میں جناب   وہ حدیث "لا ربوا" تصریح سے موجود ہے

حکم ہی لَا تَاكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بِالْبَاطِلِ   اس میں بھی جو "مِنْكُمْ" ہی اس سے کیا مقصود ہے
غیر مسلم سے ربوا لینا ہی جائز لا کلام   ورنہ لفظ "مِنْكُمْ" قرآن میں بے سود ہے

آج کل کا سود۔ جس پر ہی مدار کاروبار   منحصر جس پر کہ ہر ایک قوم کی بہبود ہے
وہ ربوا ممنوع سے بالکل جداگانہ ہی چیز   ترک سے اس کے ترقی قوم کی مسدود ہے

مولوی احمد رضا خاں کا رسالہ دیکھئے   اس میں لکھا ہی کہ جائز کس طرح کا سود ہی

سود دینا ہی مسلمانوں کو بیشک سود مند   اور لینا حربیوں سے سود کا بے سود ہی؟

خطوں کا خلاصہ

حقیقی معنوں میں سود مند | جناب نیاز احمد صاحب ملیح آباد سے حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں :-

"آپ کے رسالہ سود مند کو جو حقیقی معنوں میں سود مند ہے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ قوم کی دیرینہ ضرورت پوری ہوتی ہوئی نظر آتی ہے بیشک قوم کو اگر اس وقت کسی چیز کی ضرورت ہے تو مالی حالت درست ہونے کی۔ نہ ادب کچھ تبدّل واقع کرسکتا ہے اور نہ شاعری ہے اُن کو تنزل اور مذلت کے قعر عمیق سے نکال سکتی ہے بلکہ کوئی اور چیز جس کے حاصل کرانے کا سہرا انشاءاللہ آپ کے سر پر رہے گا۔ چوں کہ مضامین کافۂ انام کی جن میں میں بھی شامل ہوں فلاح و بہبود کے لئے لکھے گئے تھے اس لئے بہت ہی دلچسپ معلوم ہوئے اور غیر خود غرضانہ انداز اور حقیقت نگار قلم نے انھیں اور بھی دلچسپ و متاثر بنا دیا۔

ایک معزز معاصر کی طرف سے ہمت افزائی | جناب خالق داد خاں صاحب ایڈیٹر اخبار تنظیم سندھی جاگن شکار پور سندھ سے تحریر فرماتے ہیں :-

میری مدت سے آرزو تھی کہ اس کام کی سرانجامی کے لئے جو آپ نے اپنے کندھوں پر اُٹھایا ہے رسالہ جاری کردں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ اس نے میری دیرینہ آرزو اپنے فضل سے پوری کردی۔ سود مند ملک و قوم سے خصوصاً مفلسی دُور کرنے کے لئے اور مسلمانوں کی بہبودی کے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوگا۔ اس میں تو کوئی شک و شبہ ہے ہی نہیں۔ میں آپ کے رسالہ جات و مضامین اخبارات میں پڑھتا رہتا ہوں اور میں نے آپ کا رسالہ "مسلمانوں کی مالی اصلاح" تمام و کمال سندھی زبان میں ترجمہ کرکے اور بعض آپ کے مضامین اُردو اخبارات سے نقل کرکے اپنے سندھی اخبار تنظیم میں چھاپتا رہتا ہوں۔ میرے دل کا پختہ اعتقاد ہے کہ جب تک مسلمان تجارتی سود کا لین دین نہ کریں تب تک اُن کا منزل اوج پر پہونچنا ناممکن ہے۔ میں رسالہ "سود مند" دیکھکر بہت خوش ہوتا ہوں خدا آپ کو اور حامیان رسالہ مذکور کو جزائے خیر دے اور مزید ہمت عطا فرمائے۔

سود مند اکسیر کا نسخہ ہے | جناب محمد رضا عرف کالو میاں انعامدار صاحب بھروچ سے تحریر فرماتے ہیں

آپ کے رسالہ سود مند کی تعریف حکیم غیاث الدین صاحب چشتی کی زبانی اور نیز رسالہ دیکھنے سے معلوم ہوئی۔ آفریں مرحبا۔ آپ کی مسلمانوں کے لئے سعی و کوشش قابل تعریف ہے اللہ آپ کو اس کی جزائے خیر عنایت فرمائے۔ آپ کا دم اسلام کے لئے موجب امرت یا آب حیات ہے۔ آپ کی تقریر (مسلمانان جودھپور سے خطاب مطبوعہ سود مند نمبر ۲) واقعی سحر بیان ہے آپ کی تشخیص بے شک و شبہ عمدہ ہے۔ جو جو تدابیر آپ بیان فرماتے ہیں وہ اسلام کے لئے اکسیر کا نسخہ ہے۔

بچّوں کیلئے روپیہ جمع کرنے کے طریقے

(۱) ایک صاحب جو ذات کے بنئے ہیں جب اُن کے بچّے کبھی پیسہ مانگتے ہیں تو وہ بجائے ایک پیسہ دینے کے بچّوں کو اکنّی یا دونی دے دیتے ہیں جس کی وجہ سے بچّے جھٹ گھر جاکر والدہ کے پاس جمع کرا دیتے ہیں یا مقرر کردہ ڈبیہ یا گلّے میں ڈال دیتے ہیں۔ اگر پیسہ دیا جاتا ہے تو بچّہ بازار میں خرچ کر دیتا ہے۔ اکنّی اور دونی کی صورت اور قیمت بچّہ پر اثر ڈالتی ہے اور اس کا جلد روپیہ بن جانا بچّہ کو خرچ سے باز رکھتا ہے۔ اس طرح بچّہ کے پاس چار پانچ روپیہ ماہوار جمع ہو جاتے ہیں۔

(۲) ایک اور صاحب جنٹو ہیں اُن کی لڑکی سات آٹھ سال کی ہے اس کی شادی کے لئے وہ اس طرح جمع کرتے ہیں۔ لڑکی کے پاس پانچ چھ روپیہ جمع ہو گئے تھے اس میں اتنے ملا کر ایک ہاتھ گاڑی خرید دی جس کو مزدور کرایہ پر لے جاتے ہیں تاکہ اس پر مال ڈھوئیں۔ وہ کرایہ لڑکی کو دیدیا جاتا ہے اس طرح ایک سال کے عرصہ میں اس کے پاس نوّے روپیہ جمع ہو گئے ہیں۔

(۳) ایک دوکاندار صاحب کے دو لڑکے ہیں وہ ہر دوسرے تیسرے دن ان کو دونی یا چونی دیدیتے ہیں جو اپنی ماں کے پاس جمع کر دیتے ہیں۔ اس طرح مہینہ میں چار یا پانچ روپیہ جمع ہوئے ان میں ایک دو روپیہ ڈال کر وہ اپنی دوکان پر جمع کر لیتے ہیں اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جس سے لڑکوں کو حوصلہ رہتا ہے کہ دوکان پر ہمارے بیس پچیس روپیہ جمع ہو گئے ہیں جس سے وہ فضول خرچی کی جگہ جمع کرنا سیکھتے ہیں اور باپ کو یہ نفع ہے کہ دیئے ہوئے پیسے خود اس کی دوکان میں لگے رہتے ہیں۔

(۴) ایک صاحب ہر روز اپنے بچّوں کو ایک ایک پیسہ علیٰحدہ علیٰحدہ دے دیتے ہیں اور اُن سے کہا ہے کہ جو بچّہ سب سے زیادہ جمع کرے گا اُس کو اتنے ہی پیسے جتنے کہ جمع کئے ہیں یکمشت اور ملیں گے۔ اس طریقے سے بچّے نہایت کفایت شعار ہو جاتے ہیں۔

یہ چاروں صاحب پانچ سات روز بعد بازار سے کچھ مٹھائی وغیرہ لے جاکر اپنے بچّوں کو بانٹ دیتے ہیں جس سے ان بچّوں کی مٹھائی کھانے کی خواہش بھی پوری ہو جاتی ہے۔ فقط

عبدالغفور خاں۔ بیدہ آٹا فروش
کھنہ ضلع لودھیانہ

آل انڈیا پنجابی سوداگران کی کانفرنس سے ایک سبق

چودھری اشتیاق احمد صاحب سکرٹری انجمن اسلامیہ و گورنر یتیم خانہ بریلی نہایت جوش کے ساتھ مختلف شکلوں میں قومی خدمات انجام دیتے رہتے ہیں وہ بریلی میں پنجابی سوداگران کے چودھری ہیں زمانہ سابق میں پنجابی سوداگران کی ہر مقام پر پنچایتیں قایم تھیں مگر جب سے وہ ٹوٹنے لگی ہیں چودھری صاحب اس امر میں کوشاں ہیں کہ ہر مقام پر پنجابیوں کی اصلاحی کمیٹیاں قایم ہوجائیں اور ایک صدر کمیٹی کسی بڑے مقام میں قایم ہو اس غرض کے لئے چودھری اشتیاق احمد صاحب۔ بریلی، پیلی بھیت، رام پور، نگینہ، میرٹھ اور مراد آباد کے کارکنان کی ایک جماعت لے کر ۲۴ جولائی ۱۹۲۵ء کو دہلی پہونچے اور ۲۶ جولائی ۱۹۲۵ء کو دہلی میں ایک عام جلسہ بعدارت حاجی محمد اسحاق صاحب بڑے اہتمام سے منعقد کیا گیا۔ جس میں یہ قرار پایا کہ پنجابیوں کی اصلاح کے واسطے ایک آل انڈیا پنجابی کمیٹی قایم کی جاوے جس کے مقاصد حسب ذیل ہوں۔

(۱) برادری میں اتفاق واتحاد قایم رکھنا۔

(۲) قوم کو تعلیم، صنعت وحرفت اور کاروباری زندگی کی طرف متوجہ کرنا۔

(۳) قومی اور تجارتی حقوق کی حفاظت کرنا۔

(۴) احکام اسلام کی پابندی کے متعلق قوم کو متوجہ کرنا۔

(۵) برادران قوم کو اپنی ہی برادری میں نکاح کرنے کی ترغیب دینا۔

(۶) آپس کے نزاعات اپنی پنچایت سے طے کرنا۔

(۷) اصلاح معاشرت اور مراسم میں فضول خرچیوں کو روکنے کی کوشش کرنا۔

اس کمیٹی کا صدر مقام دہلی قرار پایا اور یہ طے ہوا کہ ایک وفد بغرض حصول واشاعت مقاصد مختلف مقامات میں دورہ کرے اور کمیٹیاں قایم کرے۔ ممبری کمیٹی کا چندہ ایک روپیہ سالانہ ہو اور اوائل مارچ ۱۹۲۶ء میں کانفرنس کا ایک بڑا جلسہ ہو ان کاموں کی انجام دہی کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر ہوئی جس کے صدر حافظ محمد صدیق صاحب ملتان والے۔ سکرٹری شیخ رشید احمد صاحب اور خزانچی شیخ عطاء الرحمٰن صاحب قرار پائے۔

اس مفید کانفرنس کے قایم ہونے پر ہم بالخصوص اپنے مخدوم چودھری اشتیاق احمد صاحب بریلوی کو اور

بالعموم پنجابی سوداگران کو مبارک باد دیتے ہیں اور اُن کی کامیابی کے لئے دعا کرتے ہیں مگر اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کی کاروباری جماعت صدیوں سے کامیابی کے ساتھ تجارت کر رہی تھی اب وہ کون سے اسباب ہیں جن سے وہ کاروباری اور تجارتی میدان سے پسپا ہو رہی ہے۔ زمینداری پیشہ مسلمانوں کی جائدادیں جب قرضہ میں نکل جاتی ہیں، ملازمت پیشہ مسلمانوں کو جب نوکریاں نہیں ملتیں تب وہ تجارت اور صنعت کی طرف توجہ کرتے ہیں اور تاجروں کی دست گیری کے طلب گار ہوتے ہیں مگر تاجروں پر افسوس کہ "او خویشتن گم است" کی مثل صادق آ رہی ہے۔ حالات زمانہ اس قدر بدل گئے ہیں کہ مسلمان تاجر نہیں جانتے کہ اپنی حالت کس طرح قائم رکھیں اور سرمایہ داری کے سیلاب کا کس طرح مقابلہ کریں۔

اسی سیلاب سے پریشان ہو کر ہمارے تاجر برادران نے یہ کانفرنس قائم کی ہے مگر جو مقاصد ان اصحاب نے دہلی کے جلسہ میں قرار دیئے ہیں وہ تو مسلمان قریباً اپنے ہر جلسہ میں قرار دیا کرتے ہیں تاہم روز بروز گرتے ہی چلے جاتے ہیں۔ مسلمان دیگر اقوام کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جمع ہو کر باہمی اتفاق قائم کرنا چاہتے ہیں مگر اور زیادہ نفاق بڑھتا ہے۔ صنعت و حرفت کی طرف قوم کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ مسلمان اس صیغہ میں اپنی نسبتی تعداد سے پہلے ہی بدرجہا زیادہ ہیں لیکن سب پریشان حال اور دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام ہیں چھوٹے بڑے دوکان داروں کی مسلمانوں میں کمی نہیں مگر اس زمانہ میں تجارت کا طریقہ بدل جانے سے انھیں قدم قدم پر تجارتی سود دینا پڑتا ہے اور لے نہیں سکتے اور اپنے کاروبار چلانے کے لئے دوسروں کا سرمایہ استعمال کرنے کی وجہ سے ہر دم اُن کے دست نگر رہتے ہیں پس جب تک مسلمان اپنے مرض کا صحیح علاج نہ کریں بڑے بڑے جلسے منعقد کرنا، تجاویز پاس کرنا، دورے کرنا، سب کمیٹیاں قائم کرنا سب بیکار ہیں۔

مسلمانوں کو اگر زندہ رہنا ہے تو
اُنھیں اپنا موجودہ سبق بھلانا
اور اُس کی جگہ نیا سبق یاد کرنا پڑے گا۔

اور وہ یہ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر روپیہ کا کاروبار شروع کیا جائے اور مسلمانوں میں تجارتی سود کا عام طور پر رواج دیا جائے۔ مہاجنی کی کوٹھیاں، صرافہ اور ہنڈی کی دوکانیں قائم کی جائیں۔ بینک کھولے جائیں جن کی وساطت سے غیر ممالک سے مال منگایا جائے۔ انھیں ذرائع سے گئی ہوئی تجارت اپنے ہاتھوں میں آئیگی، اور تب ہی برادری میں اتفاق و اتحاد قائم ہو سکے گا، قوم میں تعلیم اور صنعت و حرفت کی ترویج کے وسائل حاصل ہوں گے، احکام اسلام کی پابندی کی طرف طبیعت متوجہ ہوگی اور افراد قوم میں خود کفایت شعاری، ایثار، اور دوسری اخلاقی خوبیاں پیدا ہوں گی، ہمیں اُمید ہے کہ معزز کارکنان کانفرنس ان طریقوں سے اپنی کارآمد جماعت کو مفید بنا کر دوسرے مسلمانوں کی رہنمائی کرینگے۔ **طفیل احمد**

ریویو

دست کاری یہ ایک ماہوار رسالہ ہی جو کوچہ پنڈت دہلی سے شائع ہوتا ہی رسالہ کی ٹائیٹل پر یہ مقصد ظاہر کیا گیا ہی کہ بغیر سرمایہ کے عورتوں، لڑکوں، بچیوں کو امریکہ، جرمنی، انگلینڈ، فرانس جاپان کی قیمتی دستکاریاں سکھانے والا ماہوار رسالہ' اس رسالہ کا اب تک صرف ایک نمبر بابت جولائی ۱۹۲۵ء ہماری نظر سے گذرا ہی جس میں صابون، رنگ، بوٹ پالش اور ٹوتھ پوڈر وغیرہ بنانے کی ترکیبیں درج ہیں اور بعض دستکاریوں کے متعلق یہ اعلان ہے کہ وہ فیس لے کر سکھائی جاتی ہیں ضخامت معہ اعلانات ۴۸ صفحہ قیمت (عہ) سالانہ۔
ملنے کا پتہ - ایچ ایس شفیع احمد پبلشر و اڈیٹر - کوچہ پنڈت دہلی۔

تبصرۃ الاطباء یہ ایک پندرہ روزہ طبی رسالہ ہی جو انجمن خادم الحکمت شاہدرہ لاہور کی طرف سے شائع ہوتا ہی اگست ۱۹۲۵ء کا نمبر ہمارے پیش نظر ہے جس میں متعدد مفید مضامین کے علاوہ بعض اطبا کے بیان کئے ہوئے مجرب نسخے بھی درج ہیں جو مختلف امراض کے متعلق ہیں طبی سوالات اور جوابات بھی رسالہ میں شائع ہوتے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے رسالہ مفید اور کارآمد ہی ضخامت ۴۰ صفحہ سالانہ ؎ جو زیادہ نہیں ہے۔
ملنے کا پتہ - حکیم احمد الدین صاحب پبلشر و اڈیٹر شاہدرہ لاہور۔

صنعت و تجارت لاہور ایک ماہوار رسالہ ہی - جو جنوری ۱۹۲۵ء سے شائع ہونا شروع ہوا ہی۔ اگست کا نمبر ہمارے سامنے ہے جو متعدد مفید اور کارآمد مضامین پر مشتمل ہے۔ تمام مضامین صنعت و تجارت کے متعلق ہیں بعض چھوٹی چھوٹی صنعتیں اور دستکاریاں بھی ناظرین کو بتائی گئیں ہیں۔ بعض مفید مضامین رسالہ میں مسلسل شائع ہو رہے ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں۔ ہمارا خیال ہی کہ یہ رسالہ ترقی کرے گا اور اپنے ناظرین کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔ رسالہ بڑی تقطیع کے ۴۸ صفحہ پر شائع ہوتا ہی۔ کاغذ سفید دبیز لکھائی چھپائی عمدہ۔ قیمت (ؔعہ) سالانہ جو رسالہ کی حیثیت کے مقابلہ میں کم ہی۔
ملنے کا پتہ - سید محبوب علی شاہ صاحب کمینکل انجنیر اڈیٹر رسالہ صنعت و تجارت لاہور۔

سادگی اور صحت

(۴)

۱۱- غذا کی مقدار

صحت کے متعلق جس قدر مسائل ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم غذا کی مقدار ہے اگر کسی خوش حال شخص کو یہ مشورہ دیا جائے کہ کچھ بوجھ لے کر تھوڑی دور چلا کرو تاکہ بدن میں طاقت آئے تو یہ ہرگز گوارا نہ ہوگا۔ البتہ لوگوں کو بالعموم یہ تمنا رہتی ہے کہ خوش ذائقہ کھانوں کی شکل میں زیادہ سے زیادہ وزن معدہ میں پہونچا دیا جائے۔ جس سے پیٹ پھول کر کُپّا ہو جائے اور گھنٹوں تک جگہ سے نہ ہلا جائے، خواہ اس کے بعد میں سوء ہضم کیوں نہ ہو اور اس طرز عمل سے مستقل طور پہ صحت کو نقصان کیوں نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ صدہا آدمی ایسے ہیں گے جو جوانی میں قوی الجثہ تھے اور پٹو کلب میں جب کھانے کا مقابلہ آن پڑتا تھا تو سب کو مات دیا کرتے تھے مگر ابھی عمر کے چالیس سال بھی نہیں گزرے کہ اسہال کی شکایت سے سوکھ کر کانٹا ہو گئے ہیں معدہ میں کوئی چیز ٹھہرتی نہیں۔ اس پر بھی کھٹی ڈکاروں نے ناک میں دم کر رکھا ہی۔ ضعف کی یہ حالت ہی کہ چار قدم چلنے سے سانس چڑھ جاتا ہے اور وہ لوگ جو جوانی میں دبلے پتلے اور ان کے سامنے مثل خس و خاشاک کے تھے کھانے پینے کی احتیاط کی وجہ سے بوڑھاپے میں ربڑ کی گیند کی طرح اُچھلتے کودتے پھرتے ہیں بارہ بارہ گھنٹے کام کرتے ہیں اور تھکتے نہیں۔ یہ سب اس کی بدولت ہی کہ انھیں اپنے جذبات پر قدرت رہی ہی اس لئے اُن کی جسمانی کمزوری کی تلافی اُن کی احتیاط نے کر دی۔ زیادہ نہیں تو اگر انسان کو اپنی قوت ذائقہ پر اس قدر قدرت حاصل ہو جائے کہ وہ صرف اتنی مقدار میں کھانا کھائے جتنی کہ اُس کا معدہ آسانی سے ہضم کر سکتا ہے تو غالباً ڈاکٹروں اور طبیبوں، میڈیکل کالجوں اور طبیہ مدارس کی ضرورت باقی نہ رہی ایک قصہ مشہور ہے کہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں کسی بادشاہ نے علاج کرنے کے لئے ایک طبیب بھیجا تھا وہ عرصہ تک حضور کی خدمت میں رہا مگر کسی کو اس سے علاج کرانے کی نوبت نہ آئی۔ اس لئے اُسے اس کے بادشاہ کے پاس واپس بھیج دیا گیا جب وہ اپنے ملک میں پہونچا تو اس نے اپنے بادشاہ سے کہا کہ اہل عرب کو جب تک بھوک نہیں لگتی تب تک کھاتے نہیں اور جب بھوک باقی رہتی ہے تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں اس لئے وہاں بیماری کا نام نہیں۔ غرض کہ ہر شخص کو جو تندرست رہنا چاہتا ہی اُسے سب سے اول یہ اندازہ کرنا چاہیئے کہ غذا کی کتنی مقدار اُس کے جسم کی پرورش کے لئے کافی ہوتی ہی۔ اگر غذا کچھ بھی زیادہ ہوگی تو وہ معدہ میں غیر منہضم رہ کر جسم میں سمیت اور سمیت سے بیماری پیدا کرے گی۔ ایک مثل مشہور ہے کہ دنیا میں بھوک سے اتنے لوگ نہیں مرتے ہیں جتنے کہ زیادہ کھانے سے مر جاتے ہیں

البتہ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ بچپن اور جوانی میں انسان کو بمقابلہ ضعیفی کے غذا کی زیادہ مقدار کی ضرورت ہوتی ہے بعض لوگ عمر بڑھنے کے ساتھ جب اپنی بھوک میں کمی دیکھتے ہیں تو سخت پریشان ہوتے ہیں اور ایسی دواؤں کی تلاش میں رہتے ہیں جن سے بھوک لگے۔ حالاں کہ اگر وہ بتدریج اپنی خوراک گھٹاتے جائیں تو خوب تندرست وچست و چالاک رہیں۔

اِس ملک میں ایک دستور یہ بھی ہے کہ جاڑوں کے موسم میں لوگ نہایت مُرغّن حلوے اور مقوی اور ثقیل غذائیں کھاتے ہیں عمدہ موسم ہونے کی وجہ سے اُن کا فوری اثر تو ظاہر ہوتا نہیں مگر رفتہ رفتہ جسم میں یہ جمع ہوتی ہے حتیٰ کہ موسم بہار میں فساد لاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوش خوراک لوگوں کو موسم بہار میں بالعموم المتاس کے بڑے بڑے مسہل لینے پڑتے ہیں جن کے لئے منضج پینے میں ہفتے لگ جاتے ہیں اور اسہال میں فضلہ خارج ہونے کے ساتھ آنوں آکر آنتوں میں خراش پیدا کر دیتی ہے اور جسم کو کمزور کر دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موسم سرما میں جو کچھ قوت یا حرارت غریزی جمع ہوئی تھی اس سے زیادہ موسم بہار میں جو عین نشو و نما کا وقت ہوتا ہے نہیں ہو جاتی ہے۔ پس اگر جاڑوں کے موسم میں غذاؤں اور مقوی دواؤں کا غیر معمولی اہتمام نہ کیا جائے تو موسم بہار میں جسم خوب ہلکا پھلکا رہتا ہے اور گرمیوں کے زمانہ کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی خاص اہتمام کرنا نہیں پڑتا۔

۱۲۔ کھانے کے اوقات

صحت قایم رکھنے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت یہ معلوم کرنے کی ہے کہ جسم کو غذا کی کس کس وقت ضرورت ہوتی ہے۔ ہندوستان میں صرف دو بار کھانے کا رواج تھا۔ بلکہ اصلی کھانا صرف دن کے وقت کا تھا اور اکثر لوگ صرف ایک ہی وقت کھاتے تھے اور اب تک کھاتے ہیں۔ بعض لوگ شام کے وقت باقاعدہ کھانا نہیں پکاتے۔ دن کا بچا ہوا کھانا رات کو کھا لیتے ہیں مگر جدید تمدن سے کم سے کم چار وقت اور زیادہ سے زیادہ آٹھ وقت کا رواج ہو گیا ہے جو معدہ کے لئے نہایت مضر ہے۔ جو لوگ عرصہ تک بار بار کھاتے ہیں انھیں اس کی عادت ہو جاتی ہے اور معین وقت پر بھوک بھی لگتی ہے اور اس وقت نہ کھائیں تو طبیعت مضمحل ہو جاتی ہے مگر واقعی طور پر بار بار کھانے سے صحت کو نقصان ہوتا ہے۔ کیوں کہ کھانا پوری طور پر جزو بدن نہیں ہونے پاتا کہ دوسری تسط پہنچ جاتی ہے اس بارہ میں اعتراض ہو سکتا ہے کہ اہل یورپ تو بار بار کھانے سے خوب تندرست، مضبوط اور جفاکش ہو جاتے ہیں مگر اُن میں اور ہندوستانیوں میں فرق یہ ہے کہ اوّل تو وہ ورزش اور جسمانی مشقت زیادہ کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ لوگ بالعموم اعتدال کے ساتھ کھاتے ہیں اور ہماری طرح خوب تان کر نہیں کھاتے۔ مگر اب تو یورپ اور امریکہ میں بھی بعض اہل الرائے نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کھانوں کی تعداد گھٹانی چاہیئے۔ چنانچہ امریکہ کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ دن رات میں زیادہ

سے زیادہ تین بار ورنہ دو بار کھانا چاہیئے۔ مگر یہ ہر شخص کی جداگانہ حالت پر ہے۔ مثلاً بچوں اور جوانوں کو صبح کے وقت بہت بھوک لگتی ہے اور اس وقت انھیں ناشتہ نہ ملے تو کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بچوں اور نوعمروں کو چھوڑکر یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ دو تین بار سے زیادہ نہ کھایا جائے اور اس بات کی عادت ڈالی جائے کہ جبتک کہ ایک وقت کی غذا کامل طور پر ہضم نہ ہو جائے قطعاً کچھ نہ کھایا جائے۔ معدہ میں جب غذا پہنچتی ہے تو ایک رقیق تیزاب معدہ کی دیواروں سے نکل کر غذا کو تحلیل کرتا ہے۔ مگر جب تک کہ معدہ دیر تک غذا سے خالی نہ رہے یہ عرق کافی مقدار میں پیدا نہیں ہوتا۔ پس کافی مقدار میں یہ عرق پیدا کرنے کے لئے کھانے کے درمیانی اوقات میں کافی وقفہ ہونا چاہیئے پھر یہ کہ ایک غذا معدہ میں پک رہی ہے اور ابھی پوری طرح پکنے نہ پائی تھی کہ اوپر سے کچھ اور غذا داخل ہو گئی اس سے کل غذا کا قوام بگڑ جاتا ہے۔ کھانا دیر میں ہضم ہوتا ہے۔ کچھ غیر منہضم رہ کر سڑتا ہے سڑنے سے خون میں سمیت پیدا ہوتی ہے اور انسانی جسم زکام، مونیہ، اسہال، ہیچش وغیرہ قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے اور ذرا سی بے احتیاطی سے مختلف قسم کے امراض کا شکار بن جاتا ہے غرض کہ ہر عمر کے لوگوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ معدہ کے خالی اور بیکار رہنے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے وہ تمام جسم اور عام صحت کے لئے مفید ہے۔

۱۳۔ معدہ کی عمدہ حالت کا معیار

جو فضلہ معدہ سے خارج ہوتا ہے وہ اگر زیادہ بدبو دار نہیں ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ معدہ کی حالت اچھی ہے۔ جس قدر مرغن اور ثقیل غذائیں ہیں وہ دیر تک معدہ میں رہنے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ سڑتی ہیں اس لئے بالعموم اُن کا فضلہ زیادہ بدبو دار ہوتا ہے خوشحال لوگ غربا کی ہر چیز کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر یہ عجیب بات ہے کہ اُن کا فضلہ کم بدبو دار ہوتا ہے اس لئے کہ وہ سادہ غذا سے تیار ہوتا ہے۔ ثقیل غذاؤں سے نہ صرف فضلہ بدبو دار ہوتا ہے بلکہ اس کا اثر چونکہ خون پر ہوتا ہے اس لئے جلد اور پسینہ اور سانس سب میں بدبو ہو جاتی ہے۔

۱۴۔ مقوی دواؤں اور غذاؤں سے صحت حاصل نہیں ہوتی

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مقوی دواؤں اور غذاؤں سے صحت حاصل ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دوا اس وقت مفید ہوتی ہے جب کسی مرض کی شکایت ہو۔ اور غذا اس وقت مفید ہوتی ہے جب اس کے جزو بدن ہونے کا انتظام کیا جائے اگر ان امور کا خیال نہ رکھا جائے تو دوائیں اور غذائیں دونوں مضر ہوتی ہیں اور مہذب اور شایستہ انسان زیادہ تر انھیں دونوں چیزوں کے شکار بن رہے ہیں ایک مشہور مقولہ ہے کہ بہت سے انسان خود اپنے دانتوں سے اپنی قبر کھودتے ہیں یعنی خوش ذائقہ ثقیل غذائیں اور پھر انھیں ہضم کرنے کے لئے تیز دوائیں کھا کر اپنی صحتوں کو برباد کرتے اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ دوا سے مرض دور ہوتا ہے

اور غذا سے زندگی قایم رہتی ہے۔ مگر جسم کی ایک خصوصیت یہ ہو کہ جب تک کہ اس کی کامل صفائی کا انتظام اور اس کے لئے تکلیف نہ اٹھائی جائے تب تک دوا یا غذا کا استعمال غیر مفید ہے دنیا میں بہت سی چیزیں داموں سے خریدی جا سکتی ہیں مگر جس چیز کا نام صحت ہو وہ صرف توجہ اور احتیاط، مشقت اور تکلیف اٹھاکر جسم کو غلاظتوں سے پاک و صاف رکھنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ مشقت اور تکلیف جو صحت کے لئے اٹھائی جاتی ہو چند روز بعد اس قدر پرلطف ہو جاتی ہے کہ انسان کو اس کے بغیر چین نہیں آتا۔

۱۵۔ مشروبات | مشروبات میں سب سے اوّل نمبر پانی کا ہو۔ جسم انسانی میں چوں کہ پانی کا حصّہ زیادہ ہو اور ہر وقت تحلیل ہوتا رہتا ہو اس لئے جسم کو اس کی ضرورت بمقابلہ غذا کے زیادہ ہے بغیر غذا کے انسان ہفتوں تک بلکہ بعض وقت مہینوں تک زندہ رہ سکتا ہے مگر پانی کے بغیر چند دنوں ہی میں زندگی کے لالے پڑجاتے ہیں۔ ممکن ہو کہ بعض لوگ خالص پانی نہ پی کر زیادہ عرصہ تک زندہ رہیں مگر بعض غذائیں چوں کہ رقیق ہوتی ہیں اس لئے اُن کے ذریعہ پانی جسم میں پہونچتا رہتا ہے۔ بہرحال غرض یہ ہو کہ پانی جسم انسانی کے لئے ایک لازمی چیز ہے۔ مگر کھانا کھاتے وقت جس طریقہ سے وہ بار بار پیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھانے کو محض جلد سے جلد معدہ میں اُتارنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اُس سے لعاب دہن کا کام لیا جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام تر غذا جو کھائی جائے اُسے اوّل لعاب دہن سے منہ میں پوری طرح حل کیا جائے حتیٰ کہ رقیق ہوکر وہ اُتر جائے۔ کھانا کھاتے وقت زیادہ پانی پینے سے ایک یہ بھی نقصان ہوتا ہے کہ معدہ میں جب پانی کی مقدار غذا کی زیادہ ہو جاتی ہے تو معدہ کا لعاب کمزور ہو جاتا ہے اور کھانے کو عمدگی سے حل نہیں کر سکتا۔ پس ضرورت ہے کہ غذا کے وقت کم سے کم پانی پیا جائے یا بالکل نہ پیا جائے (باقی آیندہ)

طفیل احمد

خریداریِ سُودمند

جن اصحاب کی خدمت میں "سودمند" بطور نمونہ کے پہونچے اُن سے التماس ہو کہ اگر ان کو رسالہ کی خریداری منظور ہو تو از راہ کرم مرسلہ کارڈ میں مدت خریداری اور اپنا نام معہ پتہ تحریر فرماکر اور کارڈ پر آدھ آنہ کا ٹکٹ لگاکر ہمارے پاس بھیجدیں تاکہ رسالہ اُن کے نام جاری کر دیا جائے اور رسالہ کا چندہ بحساب دو روپیہ سالانہ بذریعہ وی پی وصول کر لیا جائے۔

خاکسار:۔ مینیجر سُودمند علی گڑھ

قواعد انجمن فلاح المسلمین

مسلمانوں کی مالی اصلاح کے لئے ضرورت ہے کہ ہر مقام پر مندرجہ بالا نام کی ایک انجمن قائم کی جائے۔ ذیل میں بطور نمونہ کے چند قواعد درج کئے جاتے ہیں امید ہے کہ اس نمونہ پر انجمنیں قائم کر کے مقامی ضروریات کے مطابق قواعد بنائے جائیں گے اور جہاں کوئی انجمن پہلے سے موجود ہو وہ بھی مسلمانوں کی مالی بہبودی کے کام کو قواعد میں داخل کرے گی اور اپنی کارروائی سے اڈیٹر سود مند کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتی رہے گی۔ جدید انجمن قائم ہونے کی خبریں رسالہ سود مند میں شائع کی جائیں گی۔

مجوزہ قواعد یہ ہیں:-

(۱) فلاح المسلمین کے مقاصد وہی ہوں گے جو صفحہ اوّل پر پہلی تین دفعات میں درج ہیں۔

(۲) ممبروں کے ذاتی فرائض حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) اپنی آمدنی کا کم سے کم دسواں حصہ کسی بنک یا ڈاک خانہ یا کسی محفوظ مقام میں جمع کرنا۔

(ب) اپنی زندگی کا بیمہ کرانا تاکہ پس ماندگان کسی کے دست نگر نہ ہوں اور ہر بچہ کا تعلیمی بیمہ کرانا تاکہ اس کی تعلیم بے کھٹکے ہر حالت میں جاری رہ سکے۔

(ج) اپنے بچوں کو ابتدا سے روپیہ بچانے اور بڑھانے کی تربیت دینا۔

(د) خود نہایت سادہ زندگی بسر کرنا اور شادی غمی کے مسرفانہ اخراجات سے بچنا۔

(۳) ممبروں کے کرنی فرائض حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر روپیہ کا کاروبار کریں اور مسلمان دوکان داروں اور کاریگروں کو معین اور غیر معین منافعہ پر روپیہ دیکر انھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرائیں۔

(ب) مسلمانوں میں انجمن ہائے امداد باہمی اور مشترک سرمایہ کی کمپنیاں قائم کرانا۔

(ج) مسئلہ سود کے اصلی معنوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اور اس مضمون کی کتابیں مسلمانوں سے پڑھوانا اور ان کے مضامین ناخواندہ مسلمانوں کو سمجھا کر سنانا۔

مسلمانوں کی مالی حالت کا آئینہ

اسلامی انجمنوں اور مسلم ہمدردوں کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنے اپنے مقامات میں مسلمانوں کی مالی حالت کی نسبت تحقیق کریں اور اس سے ازراہ کرم ہمیں اطلاع دیتے رہیں تاکہ وہ حالات یا اُن کا خلاصہ مسلمانوں کی اطلاع کے لئے رسالہ سود مند میں شایع کیا جایا کرے۔ مالی حالت کی تفتیش میں حسب ذیل سوالات سے مدد ملے گی۔

(۱) آپ کے قصبہ یا شہر یا ضلع میں جہاں کا حال آپ کو لکھنا ہے دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کی نسبتی تعداد کیا ہے۔

(۲) بمقابلہ گزشتہ دس بیس سالوں کے مسلمانوں کی زمینداریاں اور جائدادیں اب بڑھ رہی ہیں یا گھٹ رہی ہیں۔

(۳) صنعت و حرفت اور تجارت میں مسلمانوں کی نسبتی حالت اندازاً کیا ہے۔ آیا کسی خاص قسم کی تجارت و صنعت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔

(۴) مسلمان کاریگر، کاشتکار اور دوکان دار بالعموم کس قوم کے لوگوں سے قرض لیکر اپنا کاروبار کرتے ہیں۔

(۵) مسلمان پیشہ ور بالعموم کفایت شعار اور خوش چلن ہیں یا مسرف اور بد چلن۔

(۶) مسلمانوں کو قرضداری کے چکر سے نکالنے اور اُن کا کاروبار درست کرنے کے لئے آیا آپ کے یہاں انجمن ہائے امداد باہمی یا مشترک سرمایہ کی کمپنیاں ہیں یا نہیں۔

(۷) شادی اور غمی کی تقریبات میں آپ کے ہاں برباد کن مراسم کیا کیا ہیں اور اُن کے بند کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

(۸) آپ کے ہاں مسلمانوں کی تعلیمی حالت کیسی ہے۔ کوئی قومی مدارس یا انجمنیں ہیں کہ نہیں۔

(۹) آپ کے نواح میں برادرانِ وطن اپنے بچوں کے لئے کفایت شعاری کے کیا طریقے استعمال کرتے ہیں۔

(۱۰) آپ کے نزدیک مسلمانوں کی مالی حالت کی درستی کے لئے کیا طریقے ہو سکتے ہیں۔

(التماس) جو اصحاب یا انجمنیں یہ حالات جمع کر کے مہربانی سے ہمارے پاس بھیجیں وہ اُن کی نقل اپنے پاس بھی محفوظ رکھیں اور سال بہ سال اس کا مقابلہ مسلمانوں کی حالت سے کرتے رہیں۔

خاکسار

اڈیٹر سود مند

سودمند

منیجر جعفر حسن

جو مہینہ میں ایک بار علی گڑھ سے شایع ہوتا ہو

جلد (۱) نمبر (۵)	یکم اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء	چندہ سالانہ (عمہ) قیمت فی پرچہ (۳)

مقاصد

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمن ہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ملک سے ربا کو جو برباد کن اور حرام ہو مٹادے

(۳) فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا۔ اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار و تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی۔ ذہنی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شایع کرنا

باہتمام محمد مقتدیٰ خان شروانی
مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۵ء

فہرست مضامین سودمند

قواعد خریداری سودمند

(۱) یہ رسالہ بالعموم ۳۲ صفحات پر مہینے میں ایک بار شائع ہوگا

(۲) قیمت سالانہ دو روپیہ ہے جو منیجر سودمند علی گڈھ کے پاس بھیجدی جائے یا وی پی بھیجنے کی ہدایت فرمائی جائے۔

(۳) نمونہ کا پرچہ بلا قیمت روانہ ہوگا

(۴) رسالہ کے لئے مضامین اڈیٹر سودمند علی گڑھ کے پاس ارسال فرمائے جائیں۔

(۵) اشتہارات کا نرخ منیجر سے معلوم کیا جائے۔

رسالہ جوازِ سود معہ فتاویٰ

اس رسالہ میں مختصر طور پر سود کی حقیقت، ربا اور سود کا فرق اور تجارتی سود کے جواز کی صورتیں مع علماء کرام کے فتووں کے دی گئی ہیں اور کفایت شعاری اور روپیہ جمع کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں جو صاحب ایک جلد کا [illegible] آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیجیں [illegible] کی قیمت [illegible]

منیجر سودمند علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوزِ ہند

یکم اکتوبر ۱۹۲۵ء

سرسیّد احمد خاں مرحوم خواب میں

(از منشی محمد عبداللہ صاحب مشتاق۔ علی گڑھ)

رات سرسیّد کو دیکھا خواب میں اس حال میں
یعنی ہیں مرحوم وار داسٹریچی ہال میں

چہرہ ہے پرنور زیبِ تن ہے نورانی لباس
موتیوں کی آب ہے داڑھی کے ہر اک بال میں

دائیں بائیں محسن الملک اور وقار الملک ہیں
حسبِ عادت تینوں ہیں مصروف قیل و قال میں

حضرت مزمل اللہ خان والا شان بھی
لائے ہیں تشریف بیگم پورسے استقبال میں

آنریبل آفتابِ قوم وائس چانسلر
ہیں بہت مصروف ایک فائل کی دیکھ اور بھال میں

شیخ عبداللہ صاحب نامور قومی وکیل
محو ہیں کچھ کاغذوں کی جانچ اور پڑتال میں

آنریبل ڈاکٹر صاحب ضیاء الدین بھی
ممبرانِ کورٹ کو لائے ہیں استقبال میں

سیّدِ عالی نسب والا حسب جعفر حسین
ہیں کسی مضمونِ مفیدِ قوم کی پڑتال میں

ہے بڑا مجمع رئیسانِ جلیل القدر کا
کچھ یہاں رہتے ہیں کچھ پنجاب اور بنگال میں

یوں کھچا کھچ بھر رہے ہیں زائرین و شائقین
تل بھی رکھنے کو جگہ باقی نہیں اس ہال میں

ایسا مجمع اس طرح کا اور ایسی شان کا — ہم نے تو اب تک نہ دیکھا تھا کسی پنڈال میں
میز پر رکھے ہیں کچھ اخبار اور کچھ کاغذات — اور کچھ لپٹا ہوا ہے ریشمی رومال میں
اتنے میں آواز ایک ٹن ٹن کی آئی زور سے — جس کے یہ معنی کہ گویا دو بجے گھڑیال میں
بس اٹھے سر سید مرحوم اپنی سیٹ سے — اور نکالا وہ جو تھا اُس ریشمی رومال میں
پھر یہ فرمایا کہ اے بچو مرے اے دوستو — آج کچھ کہنے پھر آیا ہوں میں اُنتیس سال میں
قوم سے جو بھی محبت ہے وہ ہے سب رُوح کو — وہ نہ میری ہڈیوں میں تھی نہ میری کھال میں
بعد میرے آپ نے میرا مشن زندہ رکھا — دی ترقی پر ترقی اس کو ہر اک سال میں
میرے کالج کو بنایا آپ نے دار العلوم — شان کو اُس کی بڑھایا آپ نے ہر حال میں
ایکسرسائز میں بھی خاصی ترقی ہے عیاں — خاص کر ہاکی کرکٹ ٹینس اور فٹ بال میں
اس لئے میں اس طرف سے مطمئن ہوں آپ پر — ہوں دُعا گو بارگاہ ایزدِ فعّال میں
لیکن اے حضرات سچ پوچھو تو دل کچھ خوش نہیں — کیوں کہ قوم اب تک پھنسی ہے مفلسی کے جال میں
میں نے میرے دوستوں نے اور عزیزو آپ نے — کر لیا سب کچھ مگر ہو پھر اُسی جنجال میں
ہاں مگر تازہ جڑی کل خلد میں ہاتھ آ گئی — جس کو رضواں نے دیا رکھ کر سنہری تھال میں
وہ جڑی گلدستۂ اُمید ہے لاریب فیہ — وہ جڑی اک نسخۂ اکسیر ہے اس کال میں
دیکھئے وہ نسخۂ اکسیر یہ ہے سُود مند — جو یہیں سے جاری و شائع ہوا اس سال میں
وردِ نکبت کا ہی پورا ڈاکٹر ہے سود مند — اس کے نسخے لائیے فی الفور استعمال میں
فیصدی اسی پچاسی آپ میں سے ہیں غریب — عقل اُن کی رات دن رہتی ہے آٹے دال میں
طبقۂ اعلیٰ میں ہے جن کا شمار افسوس وہ — سب سے اُونچے ہو رہے ہیں قرض کی پنسال میں
قرض بھی وہ قرض جس کے سُود پر بھی سُود ہو — سو کے دو سو پانچ سو کے ہوں ہزار اک سال میں
اس طرح کا سُود بیشک ہو رہا ہے جو حرام — کیجئے للہ کوشش اس کے استیصال میں

اور اگر ہیں فیصدی دو چار ہم میں مال دار — مال و زر کو جو کہ پہونچا دیتے ہیں پتال میں
اُن کا ہونا اور نہ ہونا ہے برابر بالیقین — فرق پھر کیا رہ گیا زردار اور کنگال میں
روپیہ پیسہ اشرفی ساورن اور پونڈ مارک — ہیں کمانے اور بڑھانے کے لئے ہر حال میں
بینک کھولو کوٹھیاں جاری کرو رکھو دکاں — لو حصص چلتی ہوئی ریلوں میں اور کینال میں
آڑہتی بن بن کے بیٹھو منڈیوں میں ملک کی — ہاتھ مت دو ہی ضرورت اور پانی پت کرنال میں
دو پہاڑوں پر ضرورت ہی تمہارا تو بینک کی — ایک شملہ پر کھلے اور ایک نینی تال میں
کارخانے پارچہ بافی کے اپنے کھول دو — مال سب ایسا بنے جیسا کہ دھاریوال میں
اپنے اُن کاریگروں اور دستکاروں کیلئے — جو پھنسے ہیں سود خواروں کے ربائی جال میں
تھوڑا تھوڑا اُن سے لیکر جو ہیں اہل مقدرت — جمع کچھ کر لیجئے سرمایہ بیت المال میں
ہر طرح کا کیجئے آپس میں اپنے لین دین — تا کہ بچتے رہو گے دوسروں کی چال میں
الغرض اب وقت آ پہونچا بقولِ "سودمند" — اُٹھو بس کب تک پڑے سوؤ گے یوں جنجال میں
آپ کی اس کاہلی اور فاقہ مستی کے سبب — لگ گیا افسوس بٹہ قوم کی کھال میں
اتنا فرما کر طفیل احمد کو بلوایا قریب — دی دعا اللہ ہو حامی ترا ہر حال میں
مشکلیں پیش آئیں گی ہکائیں گی دھمکائیں گی — فرق پڑنے نہ دینا عزم و استقلال میں
پھر کہا اے سیدِ سیماب وش جعفر حسین — دے خدا وسعت تمہاری عمر میں اور مال میں
کام چھیڑا ہے تو جم کر کیجئے اب یہ نہو — آج یاں کل تب یہ بیسے اور اگلی کل نیپال میں
پھر یہ فرمایا عزیزم آنریبل آفتاب — ہو ترقی آپ کے ایثار اور اقبال میں
حضرتِ علیا کی شفقت کا ہی خواہاں سودمند — میرا یہ پیغام پہونچا دیجئے بھوپال میں
الغرض بعد از دعائے خیر و برکت والسلام — چل دیئے تینوں بہشتی بیٹھ کر سکھپال میں

اُن کا اُٹھنا تھا کہ سارا ہال خالی ہوگیا
رہ گیا مشتاق تنہا اسٹریچی ہال میں

عرضداشت بنام مسلم زمینداران کی نسبت ایک رائے

جناب من تسلیم

ہم نے اس مضمون عرضداشت بخدمت مسلم زمینداران صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ) کو غور سے پڑھا محض انجمن قایم کرینے اور سودی لین دین سے مسلمانوں کو بچانے کی تدبیر اُن کی زمینداریوں کے بچاؤ کے لئے کافی نہیں ہے۔ مسلمانوں کی زمینداری کی زوال کا بڑا سبب یہ ہے کہ مورث کے مرنے پر بڑی سے بڑی جائداد حصص شرعی پر تقسیم ہوتے ہوتے ملکی کی تیسری پشت فقیر کا مصداق بن جاتی ہے۔ اس پر طرّہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ ورثہ نابالغ اور عورتیں ہوتی ہیں جو صاحب بزرگ سربراہ کار خاندان ہوئے وہ ساری جائیداد پر قبضہ کرکے دوسرے حصہ داروں کو محروم رکھتے ہیں۔ اس بیچارہ جوئی عدالت کا دروازہ کھلتا ہے اور کشمکش عدالتی میں تعلقات عزیزداری کے قطع ہونے کے ساتھ جائیدادیں بہت جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ صرفہ مقدمہ بازی و معاش کے لئے قرض لینا پڑتا ہے۔ یا کسی بنئے مہاجن کے ہاتھ حصہ فروخت کر دیتے ہیں جب یہ گھن لگ گیا تو یہ جائیداد بہت جلد زوال میں آ جاتی ہے۔ یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے اور خود راقم کی سرگذشت ہے۔ سب سے پہلی تحریک ہر ضلع کی انجمن یہ کرے کہ چھوٹی یا بڑی جو جائیداد مسلمانوں کی ہو وہ سب وقف علی الاولاد کی تحت میں وقف ہو جاوے مسودہ وقف نامہ کا بہت غور و خوض سے بنایا جاوے۔ کسی شخص کو تولیت تین سال سے زیادہ نہ ملے اور ہر تیسرے سال متولی کا انتخاب ہو۔ جس خاندان میں تولیت کے قابل کوئی نہو انجمن اُس کا کام اپنے ہاتھ میں لے۔ یہ تو صورت تحفظ جائیداد کی ہے۔ اس میں حصص شرعی پر تقسیم سے جائیداد کے اجزا ہو جاتے ہیں اُس سے تحفظ ہوگا۔ جائیداد کا عین باقی رہیگا۔ مقدمہ بازی کی نوبت نہ آوے گی۔ قرض لینا نہ پڑیگا۔ کسی کو ہاتھ پر ہاتھ دھرکے جائیداد کے سہارے بیٹھے رہنے کا موقعہ نہ ہوگا۔ اور نہ مورث کے مرتے پر نوابی کے ٹھاٹ کوئی نوجوان دکھلا سکے گا۔ ہر وارث کو ہاتھ پیر ہلانے پڑیں گے تاکہ معاش پیدا کرے۔ احدی پنا اور فضول خرچی خود بخود مفقود ہو جاوے گی۔ اب ہا انجمن ہائے امداد قرضہ باہمی کا نظام۔ در فی الحقیقت دنیاوی کاروبار کی ضروریات سے ہے۔ اُس کی ہر دم ضرورت ہے۔ ایسی انجمن ہائے امداد قرضہ باہمی مسلمان زراعت و تجارت پیشہ طبقہ و طبقہ دستکاران کی اعانت و فراہمی سرمایہ کی ایسی لازمی چیز ہے ہندوستان زراعتی ملک ہے۔ چھیاسٹھ فیصدی آبادی ملک کی زراعت پیشہ ہے۔ مسلمان زمینداروں کاشتکاروں کو فن زراعت کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنی اور اُن کو زراعت کرنے اور اُس کو ترقی دینے کا انتظام ضروری چیز ہے۔ اس لئے ایسی مسلم زمیندار انجمنیں اس معاملہ کو ہاتھ میں لیں باقی سب تجویزیں جناب کی مرض افلاس کا علاج ہیں۔ والسلام

(سید احسن شاد)

زمانہ حال کی تجارت کیا ہی؟

۱۔ ضروریات انسانی کی تین قسمیں

تہذیب انسانی کے ابتدائی دور میں انسان کی ضروریات محض یہ تھیں کہ شکم کو نباتات یا شکار سے پُر کرے۔ اور جاڑے و برسات کے موسموں میں جسم کو پوستینوں سے ملبوس کرے۔ چنانچہ اب بھی آسٹریلیا افریقہ اور امریکہ کے بعض حصوں میں اصلی باشندوں کی یہی کیفیت ہی۔ پہلے زمانہ میں ہر شخص اپنی ضروریات کی اشیا خود بہم پونچاتا تھا اور دوسروں سے کوئی مطلب یا واسطہ اس غرض کے لئے نہ رکھتا تھا۔ لیکن ترقی تہذیب کے ساتھ ساتھ ایک شخص کی تیار کردہ چیزوں کا۔ جو اس کی ضرورت سے فاضل ہوتی تھیں دوسرے لوگوں کی تیار کردہ اشیاء سے تبادلہ ہونا شروع ہوا۔ اور اسی سے گویا تمدن و تجارت کی بنیاد قایم ہوئی۔ ترقی تہذیب کے ساتھ ضروریات انسانی کی بہم رسانی تین شعبوں یا درجوں میں تقسیم کیجا سکتی ہی۔ اوّل پیداوار دوم صنعت۔ سوم تجارت۔

(۱) **پیداوار**۔ پیداوار سے مُراد حسب ذیل اشیاء ہیں۔ یعنی اجناس کا تیار کرنا۔ مثلاً گیہوں چنے اور دیگر غلوں و ترکاریوں وغیرہ کی کاشت کرنا۔ خودرو قابل استعمال اشیاء مثلاً بوٹیوں، لاکھ، ربڑ، ہاتھی دانت وغیرہ کا جمع کرنا۔ سطح سمندر سے اسپنج وغیرہ اور سمندر کی تہ سے موتی وغیرہ نکالنا۔ مچھلیوں کا شکار کرنا۔ اور معدنیات مثلاً تانبے لوہے چاندی سونے وغیرہ کا جمع کرنا۔

(۲) **صنعت**۔ صنعت سے مُراد یہ ہی کہ جو چیزیں طریق اوّل کے مطابق جمع کیجائیں اُنھیں قابل استعمال بنایا جائے اور کاشت کے لئے آلات کشاورزی اور مال تقسیم کرنے کے لئے گاڑیاں اور دیگر سامان تیار کئے جائیں۔ بعض اشیاء مثل غلہ وغیرہ کے ایسی ہیں کہ طریق اوّل پر جمع ہونے کے بعد ہی انسانوں کے استعمال کے قابل ہوجاتی ہیں اور اُن میں صنعت و دستکاری کی ضرورت نہیں ہوتی مگر ترقی تہذیب کے ساتھ روز بروز ایسی چیزوں سے بھی صنعت کا تعلق بڑھتا جاتا ہی غلہ سے آٹا تیار کیا جاتا ہی اور اُس سے روٹی بسکٹ کیک وغیرہ تیار کئے جاتے ہیں۔ اور اسی شکل میں زیادہ تر یہ چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔

(۳) **تجارت**۔ تجارت سے مُراد یہ ہی کہ جو چیزیں طریقہ اوّل کے مطابق جمع کیجائیں اور جو چیزیں طریقہ ثانی کے مطابق تیار کیجائیں اُنھیں اِن چیزوں کے استعمال کرنے والوں اور صرف کرنے

والوں تک پہونچا یا جائے۔ پہلے زمانہ میں جو لوگ پیدا وار کا کام کرتے تھے اُن کا کام صرف اس قدر تھا کہ جس طرح ممکن ہو عمدہ پیدا وار حاصل کریں۔ اسی طرح صنعت کے سلسلہ میں جو لوگ لگے ہوتے تھے اُن کے لئے اپنے خاص فن کا جاننا ضروری تھا۔ اور ان دونوں شعبوں میں ضروری چیز صرف محنت تھی اور سرمایہ کو اس میں دخل نہ تھا۔ مثلاً کاشت کے کام میں کاشتکار خود معہ بال بچوں کے کام کرتا تھا۔ اور اپنے ساتھ مالی ومزدور لگاتا تھا۔ اور اُن کی قیمت کے بدلے میں پیداوار کا ایک حصّہ دیدیتا تھا۔ اسی طرح مصنوعات کی تیاری میں زیادہ تر کاریگر نہایت کم سرمایہ سے اپنے گھروں پر کام کرتے تھے اور تیار شدہ مال بک جانے پر اپنی مزدوری وصول کرتے تھے۔ اور اپنے ساتھیوں میں مزدوری تقسیم کر دیتے تھے۔ البتہ جو لوگ پیداوار اور تیار شدہ مال تقسیم کرتے یعنی تجارت کرتے تھے۔ اُن کو سرمایہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ اُن کا کام یہ تھا کہ اپنے پاس سے قیمت دے کر تیار کردہ مال خرید کریں۔ اور ایسے مقامات کو جہاں اُس مال کی ضرورت ہو تلاش کر کے مال کو لیجائیں اور منافع کے ساتھ فروخت کر دیں۔ پہلے زمانہ میں اصل تجارت ہی تھی اور اسی کا فروغ تھا۔ مثلاً ایک زمانہ میں (فنشین) Phoenicians بہت بڑے تاجر تھے اور ایک خاص قسم کا رنگا ہوا سامان جو اُن کے ملک کی خصوصیات میں سے تھا اور جس سے دیگر اقوام بے بہرہ تھیں۔ غیر ممالک یعنی تمام یورپ و افریقہ میں لیجاتے تھے۔ اور فروخت کرتے تھے۔

اہل عرب بھی بہت بڑے تاجر تھے۔ اور اُن کا کام یہ تھا کہ عرب کا سامان یا پیداوار۔ دیگر ممالک میں لیجاتے تھے۔ اور واپسی میں وہاں کا سامان لاکر عرب میں فروخت کرتے تھے۔ اس قسم کی تجارت کے آثار ابھی اب تک باقی ہیں۔ چنانچہ عرب سے ہر سال بکثرت باد بانی جہاز کھجوروں سے لدے ہوئے ہندوستان کی بندرگاہوں پر نظر آتے ہیں۔ جو کھجوریں فروخت ہو جانے کے بعد اس بدلے میں غلّہ و دیگر سامان ہندوستان سے بھر کر عرب کو لیجاتے ہیں۔

۲۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی غرض مصنوعات ہند کی تجارت تھی

اُس زمانہ میں ہندوستان اپنی صنعت و حرفت کے لئے تمام عالم میں مشہور تھا۔ چنانچہ دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ کامیاب تاجروں کی جماعت جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے مشہور نام سے موسوم تھی۔ اُس کی اصلی غرض یہ تھی کہ ہندوستان کی مصنوعات کو لیجا کر انگلستان و دیگر ممالک میں فروخت کرے اور وہاں کا سامان ہندوستان میں لاکر بیچے۔ یہ امر نہایت قابل لحاظ ہے۔ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی یہ غرض نہ تھی کہ ہندوستان سے غلّہ لیجا کر انگلستان سے اُس کے بدلے میں مصنوعات لاکر یہاں فروخت کرے

کیوں کہ اُس زمانہ میں انگلستان میں مصنوعات بہت کم تھیں۔ ایک مشہور انگریزی مؤرخ مسٹر لیکی لکھتے ہیں کہ سترھویں صدی کے آخر میں ہندوستان کی بنی ہوئی نہایت خوبصورت اور سستی ململیں اور چھینٹیں اور دوسری سُوتی چیزیں بہت کثرت سے انگلستان آئیں اور اس قدر مقبول عام ہوئیں کہ اُن سے انگلستان کی اُونی اور ریشمی مصنوعات کو سخت نقصان کا اندیشہ ہو گیا۔ اس وجہ سے سنہ ۱۷۰۰ء اور ۱۷۲۱ء میں پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس کیا گیا جس کی رُو سے انگلستان میں باستثنا چند خاص قسم کے چھپے یا رنگے ہوئے سُوتی کپڑوں کے ہر قسم کا سُوتی لباس یا فرنیچر بھی استعمال کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی۔ اسی طرح مسٹر کاٹن اپنی تصنیف نیو انڈیا میں جو ۱۸۹۰ء سے قبل کی چھپی ہوئی ہے تحریر کرتے ہیں کہ جب لارڈ کلایو ۱۷۵۷ء میں بنگال کے دارالسلطنت مُرشد آباد میں داخل ہوئے تو اُنھوں نے اُس شہر کے متعلق لکھا تھا کہ "یہ شہر یعنی مرشد آباد اتنا ہی بڑا آباد اور دولت مند ہے جتنا کہ شہر لندن ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ مُرشد آباد میں ایسے لوگ ہیں جو لندن والوں کے مقابلہ میں بے انتہا زیادہ جائداد کے مالک ہیں" مصنّف مذکور دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ "ابھی سو برس نہیں ہوئے کہ ڈھاکہ کی تجارت کا تخمینہ ایک کروڑ روپیہ کیا جاتا تھا۔ وہاں کی آبادی دو لاکھ تھی ۱۷۸۷ء میں ڈھاکہ کی ململ ۳۰ لاکھ روپیہ کی قیمت کی انگلستان گئی۔ لیکن ۱۸۱۷ء میں یہ تجارت بالکل بند ہو چکی تھی۔ سُوت کاتنے اور کپڑا بننے کے فنون کو جو صدہا برس سے کثیر التعداد کاریگروں کے لئے ذریعہ معاش تھے اب مُردہ ہو چکے ہیں وہ خاندان جو پہلے زمانہ میں خوشحال تھے۔ مجبوراً شہر کو چھوڑ چکے ہیں حصول معاش کی غرض سے دیہات میں چلے گئے ہیں۔ اب ڈھاکہ کی آبادی صرف اُناسی ہزار رہ گئی ہے۔ یہ تنزل صرف ڈھاکہ ہی میں نہیں ہے بلکہ تمام اضلاع میں ہے۔ کوئی سال ایسا نہیں گذرتا کہ جس میں کمشنران اور حکام ضلع اس امر کی بابتہ رپورٹ نہ کرتے ہوں کہ کاریگر تمام حصّہ ملک میں غریب و نادار ہوتے جاتے ہیں"۔ اسی طرح مسٹر رومیش چندر دت تحریر کرتے ہیں کہ "اُنیسویں صدی کے شروع کے چار سالوں میں باوجود انگلستان میں سخت ممانعتوں اور کثیر التعداد محصولوں کے کلکتہ سے چھ سے پندرہ ہزار گانٹھ تک سالانہ کپڑا کلکتہ سے انگلستان جاتا تھا۔ یہ تعداد سرعت سے ۱۸۱۳ء میں کم ہو گئی لیکن ۱۸۱۳ء میں چوں کہ عام لوگوں کو تجارت کی اجازت ہو گئی اس وجہ سے پھر ۱۸۱۵ء میں دفعتاً یہ تعداد بڑھ گئی۔ مگر ۱۸۲۰ء کے بعد سے انگلستان کو سُوتی مال کی تیاری اور روانگی روز بروز کم ہوتی گئی اور پھر کبھی نہ بڑھی"۔

۴۔ قدیم تجارت کی نوعیت | غرض کہ اُس زمانہ میں سوداگروں کا کام صرف یہ تھا کہ مال وساور سے

خرید کر اُسے دوسرے مقامات میں لیجا کر فروخت کر دیں۔ اُس زمانہ میں اگر کشمیر پٹو اور شال کے لئے مشہور تھا۔ تو ڈھاکہ ململ کے لئے۔ اگر ایک علاقہ میں لکڑی کی کھدائی کا کام اعلیٰ درجہ کا ہوتا تھا تو دوسرے مقام میں پیتل کا کام اچھا بنتا تھا۔ اگر کسی ملک میں تانبے کا سامان تیار ہوتا تھا۔ تو دوسرے ملک میں لوہے کی اشیاء اول درجہ کی بنتی تھیں۔ تمام مصنوعات کے تیار کرنے والے بالعموم وراثتاً ان کاموں کو کرتے تھے۔ اور اس میں اتنی دستگاہ حاصل کر لیتے تھے کہ اُن کا مقابلہ دوسرے لوگوں کے لئے مشکل ہوتا تھا۔ اور اس طرح اُن کی صنعتوں کے راز سینہ بسینہ نسلاً بعد نسل چلے جاتے تھے۔ المختصر ہر ملک کسی ایک صنعت یا کام کے لئے مشہور تھا۔ اور اس خیال سے ہر ملک کی ایک خصوصیت تھی اور اس میں وہ بے نظیر تھا۔ اور اسی طرح ہر ایک مال کے لئے ایک علیحدہ وساور تھا۔ اور تاجروں کو صرف اس اُصول تجارت کے جاننے کی ضرورت تھی کہ وساور سے مال بکفایت خرید کیا جاوے اور اس پر خرچہ و منافعہ لگا کر بازار میں فروخت کر دیا جاوے۔ اُس وقت ذرائع آمد و رفت بہت کم اور دقت طلب تھے۔ اور اس وجہ سے تاجروں کی تعداد بھی کم تھے۔ اور جو تاجر سفر کی صعوبتوں اور مال کے لیجانے کی دقتوں کو برداشت کر لیتے تھے وہ بے کھٹکے خوب منافع کماتے تھے۔ وساور میں مقیم سوداگروں کی کیفیت یہ تھی کہ اُن کے لئے صرف یہ جاننا ضروری تھا کہ موسم پر مال خرید کر لیا جاوے۔ اور اس میں کبھی کسی طرح نقصان ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔ چنانچہ سوداگروں میں اب تک یہ مثل مشہور ہے کہ "فصل کے ڈھیلے بھی نفع دیتے ہیں"۔

۴۔ وسایل سفر اور خبر رسانی کا اثر تجارت کی نوعیت پر

زمانہ حال میں سائنس کی ترقی کی وجہ سے ریل تار اور دخانی جہازوں کی ایجادات سے تمام دنیا میں آمد و رفت سہل ہو گئی اور جتنا وقت کہ پہلے زمانہ میں دہلی سے بمبئی تک جانے میں لگتا تھا۔ اب اُس سے کم وقت میں تمام دُنیا کا چکر لگایا جا سکتا ہے اور جس قدر وقت ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں پہونچنے میں لگتا تھا۔ اب اُس کے ہزارویں حصہ میں دُنیا کے کسی گوشہ میں خبر پہونچائی جا سکتی ہے۔ اور اس خیال سے اگر یہ کہا جاوے کہ باعتبار مسافت کے تمام دنیا سکڑ کر بمبئی اور دہلی کے درمیان آگئی ہے۔ اور باعتبار خبر رسانی کے تمام ممالک ایک گھر کے اندر بند ہو گئے ہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ اب تو یہاں تک نوبت پہونچ گئی ہے کہ جہاں کسی شخص نے زور سے چلا کر آواز دی۔ فوراً تمام عالم میں خبر پہونچ گئی۔ اب سائنس اور علوم کی اس قدر ترقی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ کوئی خصوصیت کسی ملک کی باقی نہیں رہی بلکہ تمام ممالک میں مقابلہ محض دماغی ترقی اور علوم کے اصلی استعمال میں ہونے لگا ہے۔ علم کا تعلق مثل سابق کے ظنیات سے

نہیں رہا۔ بلکہ اس کا انحصار تجربات اور خواص اشیاء کی معلومات پر ہوگیا۔ اب جو ملک دماغی قابلیت میں برتر ہے۔ وہی ہر شعبہ میں ترقی کرکے دوسرے ممالک کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ جو چیزیں ہندوستان میں تیار ہوتی تھیں ان میں سے بیشتر بیرونی ممالک میں ہندوستان سے بہتر تیار ہونے لگی ہیں۔ پہلے زمانہ میں ہندوستان کا کپڑا مشہور تھا یہاں تک کہ مصر کی صدہا برس پرانی قبروں سے بعض لاشیں ہندوستان کی ململ میں لپٹی ہوئی نکلی ہیں۔ لیکن آج ہندوستان میں اس ململ کا پتہ بھی نہیں ملتا بلکہ معمولی استعمال کے لئے بھی بڑے ممالک سے لکھوکھا گز سالانہ ہندوستان میں آتی ہے۔ اب بجائے ہندوستان کے کپڑا کثرت سے عمدہ اور سستا انگلستان، اٹلی، آسٹریا اور جاپان وغیرہ میں تیار ہونے لگا ہے۔ ایک زمانہ میں گنے اور روئی کی پیداوار ہندوستان کی خصوصیات میں سے تھی۔ چنانچہ ایک یورپین سیاح نے ہندوستان سے واپس جاکر لکھا تھا کہ ہندوستان والے بڑے عقلمند ہیں وہ ایک قسم کے نرکل سے شکر اور ایک گھاس کے پودے سے پہننے کے کپڑے تیار کرتے ہیں۔ آج وہ شکر جاوا، ہوائی، ماریشس، ویسٹ انڈیز اور متعدد دیگر مقامات میں تیار ہوتی ہے اور اسی قسم کی شکر چقندر سے جرمنی، آسٹریا اور دیگر ممالک یورپ میں ہندوستان کی شکر سے زیادہ صاف دانہ دار اور بہت زیادہ سستی بنتی ہے۔ اور وہ گھاس کہ جس سے پہننے کے کپڑے تیار ہوتے تھے۔ اس کی کاشت کثرت سے افریقہ شمالی امریکہ جنوبی امریکہ اور مسیوں دیگر مقامات میں ہوتی ہے۔ اور اس کی توسیع کاشت کی تجاویز عراق اور وسط افریقہ وجنوبی حصہ مصر میں بڑے پیمانہ پر زیر تجویز ہیں۔

گیہوں ہندوستان کی خاص جنس تھی۔ لیکن آج کینیڈا امریکہ اور آسٹریلیا اس کی کاشت میں ہندوستان سے مقابلہ کے لئے تیار ہیں۔

۵۔ مشینوں کا مقابلہ مشینوں سے | زمانہ حال میں صرف یہی نہیں کہ مشینوں سے ہاتھ کے کام کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ مشینوں کا مشینوں سے بھی سخت مقابلہ ہے۔ انگلستان جو کپڑا بننے اور سوت کاتنے میں سو برس سے زیادہ سے دنیا کے بازاروں میں سب سے آگے تھا۔ آج اس کے ہاں مشینوں کے پرانے ہوجانے اور مزدوری گراں ہوجانے کی وجہ سے دیگر ممالک اس سے کپڑا تیار کرنے میں سبقت لئے جارہے ہیں اور اب انگلستان کو سخت اندیشہ ہے کہ اگر یہی کیفیت رہی تو کپڑے کی تجارت اس کے ہاتھ سے نکل جاوے گی۔ ہندوستان میں بھی چند کپڑا بننے کی ملیں ہیں لیکن دوسرے ممالک بالخصوص جاپان کی ملوں سے ان میں مقابلہ کرنے کی قوت نہیں ہے۔ چنانچہ بمبئی کی ملوں پر آج کل جو مصیبت پڑ رہی ہے اس سے سب واقف ہیں۔ جس طرح آج سے دس برس قبل ہندوستان کی کپڑے کی میں

انگلستان کی ملوں سے پیدا ہوتی تھیں۔ آج انگلستان اور ہندوستان دونوں ممالک کی ملیں متفق ہو کر جاپان اور یورپ کے دیگر ممالک کی ملوں سے پناہ مانگتی ہیں۔ یہی کیفیت انگلستان اور ہندوستان کے لوہے کے کارخانوں کی ہے۔

۶۔ دولت کی تمنا ذاتی آسایش کے لیے نہیں بلکہ قومی تجارت کے لیے

مثل زمانہ سابق کے آج کل بھی ازدیاد دولت کی ہر ملک کو تمنا اور خواہش ہے۔ لیکن یہ خواہش اغراض تجارت کے سبب ہے محض ذاتی آسایش و تکلفات کے لئے نہیں ہے۔ اس لئے کہ آج تک جتنے ملک تباہ ہوئے ان کی تباہی کا اصلی اور بڑا سبب انفرادی اخراجات کا بڑھ جانا تھا۔ بعد اختتام جنگ جب امریکہ والوں کے پاس دولت کے انبار لگ گئے تو وہ اس زیادتی دولت سے ایسے ہی پریشان تھے جیسے کہ ہم لوگ کمی دولت سے ہیں۔ اہل امریکہ کو اندیشہ تھا کہ ان کی قوم کے افراد کے ذاتی اخراجات اس زیادتی دولت سے بڑھ جائیں گے اور آئندہ وہ سستا مال تیار نہ کر سکیں گے اور دنیا کے بازاروں میں ان کی تجارت ماری جائے گی اس لئے انہوں نے یہ بہتر سمجھا کہ دیگر ممالک کو قرض دے دیں بجائے اس کے کہ خود ان کے ہاں اس دولت کے مضر نتائج پیدا ہوں۔

۷۔ تکلفات بڑھنے سے انگلستان میں مصیبت

اسی طرح انگلستان میں انفرادی اخراجات بڑھ جانے سے وہاں کا تیار شدہ مال مہنگا پڑتا ہے۔ اور انتہا یہ ہے کہ دارالامرا کے لئے جرمنی کا بنا ہوا فرنیچر بوجہ سستا ہونے کے خریدا گیا۔ اور اب دارالعوام کے لئے بھی وہیں کا فرنیچر خریدنے کا مسئلہ درپیش ہے جس کے خلاف انگلستان کے سوداگر شور مچا رہے ہیں کہ مثل دارالامرا کے عمل نہ کیا جائے اور خود انگلستان کا سامان استعمال کیا جائے۔ یعنی بالفاظ دیگر سستا اور عمدہ مال قوموں کی زندگی کی کشمکش میں ایسا اثر رکھتا ہے کہ وہ کبھی کبھی انگریزوں کی حب الوطنی پر بھی غالب آجاتا ہے۔ اور انگریز بھی اپنے ملک کی صنعت کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں سے اپنے مرکزی قومی مقامات کے لئے مال خرید لیتے ہیں اگرچہ اس کا آخری نتیجہ ان کی قوم کے لئے صریح طور پر مضر کیوں نہ ثابت ہو۔ ان سب تبدیلیوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف تو جیسا عرض کیا گیا باعتبار مسافت کے تمام دنیا سکڑ کر بمبئی سے دہلی تک کے فاصلہ میں جمع ہو گئی اور باعتبار خبر رسانی کے مثل ایک گھر کے ہو گئی اور دوسری طرف سامان کی تیاری کے لئے بجائے ایک دساور کے سیکڑوں دساور ہو گئے جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں سستا اور عمدہ مال تیار کرتے ہیں۔ اور اس پر آفت یہ کہ تار برقی کے ذریعہ سے اپنے اپنے سستے مال کا دنیا پر اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کا انجام یہ ہے کہ آج ایک دساور سے ایک سوداگر مال

خرید لیتا ہے اور ابھی وہ مال اپنے مقام پر پہونچنے نہیں پاتا ہے کہ وہ دوسرا سوداگر اس مال کو کم قیمت پر فروخت کرنے کا اعلان بذریعہ تار کے کر دیتا ہے جس سے سوداگر کا مال ابھی راستہ ہی میں ہے کہ اس میں نقصان معلوم ہونے لگا۔ جس روز مال آکر اترتا ہے مصیبت آجاتی ہے اور مال کا کوئی خریدار نہیں ملتا۔ جوں جوں زمانہ گذرتا ہے نقصان بڑھتا جاتا ہے۔ غرض کہ پرانا اصول کہ سستے داموں سے مال خریدا اور نفع زیادہ لگا کر بیچ ڈالا۔ کارآمد نہیں رہا۔ بلکہ حالات کے ان تغیرات کی وجہ سے تجارت ایک باقاعدہ علم ہو گیا ہے کہ جس کے لئے وقت، ذہن، مطالعہ کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ سرمایہ کا قبضہ پیداوار اور صنعت پر | دنیا میں صنعت اور حرفت میں ترقی ہونے اور جابجا اسٹاک ہولڈروں کے پیدا ہو جانے کے علاوہ تجارت میں ایک اور بڑا انقلاب ہو گیا ہے جس نے اس میدان میں تلاطم برپا کر دیا اور مقابلہ کو بہت شدید کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ لفظ تجارت صرف شعبہ سوم یعنی تیار شدہ مال کے فروخت کرنے کا ہی نام نہیں رہا بلکہ سرمایہ داروں نے اپنی توجہ زیادہ تر پیداوار اور صنعت کی طرف منعطف کر کے ان دونوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ترقی یافتہ ممالک میں سب سے زیادہ سرمایہ ان ہی دونوں چیزوں پر لگایا جاتا ہے۔ اور اب پیداوار و صنعت کے میدانوں میں مقابلہ کی انتہائی کشمکش ہے۔ جو چیز پہلے زمانہ میں تجارت کہلاتی تھی وہ اب محض ایک قسم کی کمیشن ایجنسی رہ گئی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کمیشن ایجنٹ کو مال کی قیمت گر جانے کی حالت میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ وہ ہر حال میں اپنے کمیشن کا مستحق ہوتا ہے۔ لیکن بجائے موجودہ زمانہ کے تاجر کو نقصان بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔

۵۔ انفرادی تجارت متحدہ تجارت میں بدل گئی | اس پر اب یہ اضافہ ہو گیا کہ ترقی یافتہ ممالک میں تجارت کے طریقے ہی بالکل بدل گئے۔ پہلے زمانہ میں تجارت کے معنی انفرادی طریقہ پر مال تقسیم کرنے کے تھے۔ اب تاجروں کی متحدہ جماعتیں مختلف ممالک کی پیداوار اور صنعت پر اپنے سرمایہ کے زور سے جب جس طریقہ سے اور جہاں بھیجنے میں انھیں زیادہ سے زیادہ نفع ہو بھیجتی ہیں۔ پس اگر ہندوستان کو بھی اس میدان میں اپنی سابق حالت پر عود کرنا یا کچھ ترقی کرنا منظور ہے تو دیگر ممالک کے حالات بچشم غور دیکھنا اور ان سے سبق حاصل کرنا ضروری ہے۔ تجارت کے طریقوں کی تبدیلی کی توضیح کے لئے حسب ذیل مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(الف) کینیڈا کے کاشتکاروں کی پول | کینیڈا کے گیہوں کے کاشتکاروں نے یہ دیکھ کر کہ فصل کے وقت غلہ سستا فروخت ہو جاتا ہے۔ اور بعد میں اس کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور روہ

اس سے حقیقی نہیں ہو سکتے ایک جماعت جن کو اصطلاح میں پول کہتے ہیں قایم کی ہے جس میں اس وقت تک بہت بڑی تعداد بڑے کاشتکاروں کی شامل ہو چکی ہے۔ اس جماعت کا مقصد یہ ہے کہ فصل تیار ہونے پر تمام کاشتکار اپنا مال اس جماعت کے حوالہ کر دیں۔ اور یہ کمپنی دنیا کے بازاروں کی کیفیت اور دیگر ممالک کی پیداوار اور اُن کی ضروریات کا مطالعہ کرے۔ اور آیندہ حالات سے متعلق رائے قایم کرتی رہے۔ اور مناسب وقت پر مال کو فروخت کرے یعنی ملک کنیڈا کے بہت سے کاشتکاروں کی بجائے کل کنیڈا مثل ایک نہایت مالدار کاشتکار کے ہو گیا ہے۔ جس کو ضروری امور کی معلومات کے متعلق جملہ سہولتیں حاصل ہیں۔ اس کی وجہ سے اُس کو دنیا میں ایسی قوت حاصل ہوگئی ہے کہ وہ ایک حد تک دُنیا کے بازاروں کو اپنی مرضی کے مطابق چلا سکتا ہے۔

(ب) موٹروں کے بڑے کارخانے | موٹروں کے بڑے کارخانے زیادہ تر سب چیزیں خود تیار کرتے ہیں اور خود اپنے خرچ سے اپنا مال دوسرے ممالک میں پہونچاتے ہیں۔ اور صرف بیچنے کا کام اپنے کمیشن ایجنٹوں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ موٹروں کے کارخانے اگرچہ ملک میں علحدہ علحدہ کام کرتے ہیں۔ اور ہر کارخانہ میں بڑے بڑے انجنیر ماہر فن محض تحقیقات اور ایجادات کی غرض سے ملازم رہتے ہیں لیکن اس کے علاوہ بعض ممالک مثلاً امریکہ میں قومی تحقیقات کے کارخانے الگ ہیں امریکہ میں جو کارخانہ اس غرض کے لئے ہے اُس کا نام جنرل موٹرس ریسرچ کارپوریشن ہے۔ اور اس کے ممبران قریباً تمام امریکہ کے بڑے بڑے موٹر کے کارخانے ہیں۔ اس کارخانہ کی لیبوریٹری (تجربہ گاہ) کی عمارت کا طول ایک ہزار فٹ اور عرض چار سو فیٹ ہے۔ اس کارخانہ کی غرض محض ہر قسم کے موٹروں اور اُن کے پرزوں کی بابتہ تحقیقات کرنا۔ اور بڑے کارخانوں کو مشورہ دینا ہے۔ ہر بڑا کارخانہ اپنی موٹر اُن کے ہاں بھیجدیتا ہے۔ اور وہ ایک ایک پرزہ کا امتحان کرتے ہیں۔ اس کارخانہ نے چھیاسی میل کی سڑک کا ایک ٹکڑا بنا رکھا ہے جس میں مختلف قسم کی سڑکیں بنائی گئی ہیں۔ مثلاً بعض ریتلی ہیں بعض پہاڑی ہیں۔ بعض کیچڑ کی ہیں تاکہ موٹر کو ہر قسم کی سڑک پر چلا کر اُس کا تجربہ کر لیا جائے۔ اس محکمہ میں رات دن کام ہوتا ہے اور ہر قسم کی گاڑی کی ایک تاریخ رکھی جاتی ہے۔ جب گاڑی کا امتحان ہوتا ہے تو وہ اس قدر چلائی جاتی ہے کہ ٹوٹ پھوٹ کر بالکل بیکار ہو جاتی ہے۔ گاڑی پچیس ہزار میل چلائی جاتی ہے اور اس قدر چلنے کے بعد بالکل کھول دی جاتی ہے اور اس کے ہر پرزہ کے گھسنے کی پیمایش کی جاتی ہے۔ اور ضروری مرمت کے بعد پھر چلائی جاتی ہے۔ غرض کہ اس طریقے سے تاریخ مرتب کر لی جاتی ہے اور ماہرین فن اُس کے نقایص اور اُن کے رفع کرنے کی تدبیر

و مطلع کرتے رہتے ہیں۔ علاوہ پوری گاڑی کے امتحان کے علیحدہ علیحدہ پرزوں کی جانچ ہوتی ہے۔ مثلاً انجن علیحدہ نکال کر اور ایک شیشے پر رکھکر اس کو چلایا جاتا ہے کہ جس راستے وہ اچھی طرح بر... سے ... اس پر ... ایک مقدار ... ڈالی جاتی ہے اور ... کی کیفیت اور حالت ... سفر میں ہوتی وہ گھوڑوں اور ... نوں میں پیدا کی جاتی ہے۔ اسی طرح موٹروں کے ... ملکوں میں چلنے کے اثرات کی تحقیقات کرنے کو ... ایک برف ... کارخانہ میں بنایا گیا ... موٹر ... کر چلائی جاتی ہے اور ... سردی میں موٹریں چلنے میں ... آسکتی ہیں ان کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور ان کے دفعیہ کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ اور ان تدبیروں سے امریکہ کے موٹروں کی ترقی کو یا بالفاظ دیگر ان کی تجارت کو دنیا کے بازاروں میں قائم رکھنے کی کوشش کیجاتی ہے۔

ہندوستان کی متحدہ ملیں | خود ہمارے ہاں ہندوستان میں متحدہ طور پر کام کرنے کی تحریک ایک حد تک جاری ہوگئی ہے چنانچہ کانپور کے چند مختلف اونی و سوتی کپڑے اور چمڑے کے کارخانوں نے اپنا یکجائی کام کر دیا ہے تاکہ بیرونی مقامات کے کارخانوں سے مقابلہ کرنے میں آسانی ہو اور بجائے متفرق اور آپس میں لڑنے والی اور مقابلہ کرنے والی ملوں کے سب مل کر ایک ہی سے ہوگئے ہیں۔ اسی طریقہ سے ہر صنعت اور پیداوار والے بجائے اپنا مال پرانے قسم کے تاجروں کو ... دینے کے خود دنیا کے حالات کا پتہ لگاتے اور ان کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ اور پھر سب یکجا ہوکر مثل فرد واحد کے کام کرتے ہیں۔ جن مقامات پر ضرورت دیکھتے ہیں وہاں خود پہنچا لیجاتے ہیں۔ اس طرح اس وقت ہندوستانیوں کے حصہ میں محض دوسروں کا تیار کیا ہوا ... تقسیم کرنے کا کام رہ گیا ہے۔ جس میں بعض اوقات بھاؤ گر جانے سے ان کو اس تقسیم کرنے کی اجرت نہیں ملتی۔ اور وہ اپنے اصل سرمایہ میں سے بھی کچھ کھو بیٹھتے ہیں۔ ان سب پر اضافہ یہ کہ ان ممالک میں جتنا سرمایہ محض اشتہاروں میں صرف کر دیا جاتا ہے اتنا یہاں اصل کاروبار کے لئے بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اور روپیہ کی اس قدر افراط ہے کہ اپنے ملک میں اربوں کی تعداد میں کارخانوں اور ملکی ترقی ... وں میں لگانے اور خیراتی اور نفع عام کے کاموں میں صرف کرنے پر اس قدر بچتا ہے کہ اسے ... ے ممالک کو قرضہ پر دینے کی تدبیریں کیجاتی ہیں۔ غرض کہ اہل ہند کے لئے ایک مشکل نہیں ... وں مشکلات ہیں۔

ہندوستانی تاجروں کے لئے چارہ کار | اگر ہمارے پرانے سوداگروں کو اس شریف

پیشہ کا سلسلہ قایم رکھنا ہے۔ تو اُن کو پُرانے طریقوں اور اُصولوں میں بڑی ترمیم کرنی پڑے گی اب تجارتی تعلیم کے لیے بچوں کو دوکان پر بٹھا کر محض گاہکوں سے بات چیت کرنے کا طریقہ۔ اور دساور سے مال خریدنے کا سلیقہ سکھا دینا کافی نہ ہوگا۔ بلکہ بہت بڑی اور اصلی ضرورت اس کی ہے کہ اپنی آیندہ نسلوں کو دنیا کے حالات مختلف ممالک کی خاص پیداوار اور مصنوعات اُن کے اقسام اور مقدار کا مطالعہ کرنے اور دنیا کی ہر قسم کی ضروریات کو دیکھ کر اس امر کا اندازہ کرنے کی تعلیم دیجائے کہ آیندہ کس جنس اور کس سامان کی کس مقدار میں اور کس وقت کس کس جگہ ضرورت ہوگی اور سب سے بڑھکر اپنے ملک میں روپیہ کا کاروبار بڑھا کر افراط کے ساتھ سرمایہ پیدا کرنے کی ضرورت ہوگی۔ بغیر ان ذرائع اور وسائل کے اختیار کئے تجارت محض ایک پُرانا ڈھکوسلا ہے جس میں نفع کی صورت بہت کم اور نقصان کا اندیشہ زیادہ ہے۔ فقط

سید محمد احمد کاظمی بی۔ ایس۔ سی
وکیل سہارنپور

کفایت شعاری کا نتیجہ

(از جناب حکیم الفضل محمد ضمیر الدین صاحب شاداب ڈھیوتی بہارتی)

زر ہے جس شخص کے ترازو میں — زور ہے بس اُسی کے بازو میں
پر مسلمان ہیں بڑے خراچ — اس لئے سب سے ہیں یہی محتاج
اپنی آمد پہلے تم دیکھو — خرچ کے مد پہ غور پھر کر لو
اپنی آمد سے روز کم از کم — ایک پیسہ بچاؤ گر ہر دم
اک مہینہ میں روز کے پیسے — جمع ہو کر ہوں ساڑھے سات آنے
ہوں روپے چند سال بھر میں جمع — یعنی چھ آنے کم ہو چھ سے منع
یوں ہی کچھ دن میں اک بضاعت ہو — اس بضاعت سے پھر فراغت ہو
نقد ہاتھوں میں گر بضاعت ہے — سہل تر پیشہ بس تجارت ہے
ہو کفایت شعار جب انساں — لوگ اُس کو کہیں گے تب انساں
ورنہ مسرف کی شان میں قرآں — کہہ رہا ہے برادر شیطاں
یاد دار این نصیحت شاداب — فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

لودہیانہ میں کاریگروں کے دو بینک

آپ کے رسالہ مورخہ یکم اگست ۱۹۲۵ء میں "دری بافوں کی خراب حالت" کے زیر عنوان مضمون نظر سے گذرا۔ بمصداق ع بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است۔ لودہیانہ میں دری بافوں کی حالت بدتر از آں ہے۔ یہاں بھی یہ صنعت بہ لحاظ آبادی کے دوسرے شہروں سے جو اس وقت میں مشہور رہی اسی طرح کم نہیں ہے۔ لودہیانہ کی دریاں بوجہ ارزاں ہونے کے عوام الناس کے لئے کارآمد ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ ان کی خاصی تجارت ہو رہی ہے۔ دیگر شہروں میں ان کی کھپت ہوتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے یہ تمام کام اہل ہنود کے ہاتھ میں ہے اور بالکل اسی طریق پر جاری ہے جس طرح کہ کاپو کے دری بافوں کی حالت کا نقشہ عنوان بالا میں کھینچا گیا ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ یہاں کے ہندو دوکانداروں نے ایک سبھا محض اس غرض کے واسطے قائم کر رکھی ہے کہ سوت کا اور دریوں کا نرخ حسب منشاء اور مطلب خود قائم کیا جاوے۔ اہل حرفت بیچارے جو سب کے سب غریب مسلمان ہیں مجبور ہیں کہ ان دوکانداروں سے ان کے مقررہ کردہ نرخوں پر ان ہی سے سوت خرید کریں جن کو انھوں نے دریاں دینے کا معاہدہ کیا ہوا ہے اور جن کے وہ مقروض ہیں اور مجبوراً ان ہی کے پاس ان کے مقرر کردہ نرخوں پر دریاں فروخت کریں۔ سوت دینے والے اور دریاں خریدنے والے اپنے مقرر کردہ نرخوں پر قائم اور مصر ہیں اس صورت میں جو ناگفتہ بہ حالت غریب دری بافوں کی ہونی چاہیئے وہ ظاہر ہے۔ اس طریق سے ان کی فلاکت اور مہاجن کا قرضہ روز بروز ترقی پر ہوتا ہے۔ سود علاوہ ہے۔ غریب محنتی روزمرہ کی جفاکش محنت میں اگر ایک دن بھی کسی مصیبت یا دیگر ضروری کام کے سبب ناغہ کرے تو یا تو بھوکا مرے یا اور قرضہ برداشت کرے۔ اس طرح ان کی فلاکت کی روز بروز زیادتی ہے۔ اور کوئی صورت اس سے نجات کی نظر نہیں آتی ہے۔

خدا بھلا کرے سید طفیل احمد صاحب کا جنھوں نے اپنی مبارک تحریک سے مسلمانوں کے دلوں میں ان کی فلاکت اور زوال کی حالت کو ترقی کرتے ہوئے دیکھ کر قومی بنک قائم کرنے کا خیال پیدا کر دیا ہے اور اس تحریک نے یہاں تو عملی صورت اختیار کر لی ہے کہ دو قومی بنک حال ہی میں قائم ہو چکے ہیں اور یقین ہے کہ ان کی فائدہ رسانی سے متاثر ہو کر اور چند ایک اور بھی بنک قائم ہو جاویں

جن سے اہل حرفت غریب مسلمانوں کو بہت کچھ فائدہ پہونچنے کی امید ہے۔ اور اگر یہ احساس قایم رہا اور نیک نیتی سے کام ہوتا رہا تو وہ دن دور نہیں ہے کہ غریب اہل حرفت کی حالت بہت کچھ سنبھل جائے۔ لودھیانہ میں کئی ایک دیگر ایسے ایسے کام حرفت کے جاری ہیں جن کی مشقت اور محنت اور تمام دن کی پسینہ کی کمائی غریب مسلمانوں کی بوجہ ناداری اور مجبوری کے اہل ہنود کے نذر ہوتی ہے۔ ان کے حالات بھی وقتاً فوقتاً ناظرین سودمند کی آگاہی کے واسطے عرض کرتا رہوں گا

محمد سلیم۔ اقبال گنج
(لودھیانہ)

سوٗدمند کا خیر مقدم

(از صدق محمد خاں صاحب صادق سونپوری)

ڈال دے تو مفلسوں کے سر پہ سایہ سودمند — ہم کو تو نے خواب غفلت سے جگایا سودمند
قعر سے افلاس کے ہم کو نکالے گا ضرور — ہاں دعا دو مفلسو جس نے بنایا سودمند
اب تو ہم ہو جائیں گے افلاس کے دریا سے پار — اپنا یاور اور شناور ہم نے پایا سودمند
تیری رگ رگ میں بھری ہیں وہ ذرائع نفع کے — اب تو ہم کو تو نے دولت میں بڑھایا سودمند
خون میں تیری ہیں وہ پر جوش جذبے دین کے — فائدہ اسلام کا تجھ میں سمایا سودمند
گود میں ہم نے لیا اور پیار سے اس کو رکھا — جو ہمارے واسطے تحفہ تو لایا سودمند
خوار تھی لاچار تھی ہم سود دے دے کر تھکے — ہم کو خواری اور ذلت سے بچایا سودمند
ہم بھی اب وہ نفع کے غنچے چنیں گے بالضرور — اس گلستاں سے کہ جو تو نے بنایا سودمند
بلبلیں باغ جہاں میں چہچہے کرنے لگیں — بوستان ہند میں کیا گل کھلایا سودمند
تیری صورت تیری سیرت کا نیا انداز ہے — ایک انوکھا اور نرالا تجھ کو پایا سودمند
کر دیا تو نے نہال آرزو سرسبزاب — نخل امید قد بالا پھلایا سودمند
جب نفع لینے لگیں گے سود تو گھٹ جائیگا — خوب تو نے سود پر سکا جمایا سودمند
نام سن کر سودمند اور پڑھ کے روئے سود خوار — ہنس پڑا بیساختہ اور کھل کھلایا سودمند

وہ تو ہم سے لیتے ہیں صادق نہ ہم کیوں ان سے لیں
نفع تجاری جسے تم نے بتایا سودمند

مسئلہ سود و اوقاف کمیٹی آگرہ

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

اوقاف کمیٹی کا قیام شہر آگرہ میں ایک مدت دراز سے ہے۔ جب کسی ممبر کی جگہ خالی ہوتی ہے تو جدید ممبر کا تقرر بذریعہ انتخاب ہوتا ہے۔ کمیٹی مذکور کی زیر نگرانی تمام مساجد شہر آگرہ ہیں۔ اکثر مساجد بازاروں میں واقع ہیں اور ان کے نیچے بہت سی دوکانات ہیں جن کا بہت کرایہ آتا ہے۔ عام طور سے کمیٹی کا انتظام اچھا ہے مگر اکثر مسلمان باشندگان شہر آگرہ کو یہ شکایت ہے کہ دوکانات زیر مساجد کے کرایہ کا ٹھیکہ کسی مسلمان کو نہیں دیا جاتا۔ یہ بات قابل یقین نہیں ہے کہ کمیٹی اوقاف کو کوئی معتبر مسلمان ایسا آگرہ میں نہیں ملتا جس کو ٹھیکہ دیا جائے۔ چونکہ یہ منافرت باہم ہر دو اقوام روز افزوں معلوم ہوتی ہے۔ اس وجہ سے مسلمان دوکانداروں کو ہندو ٹھیکہ دار سے اندیشہ رہتا ہے۔

جو روپیہ مساجد کے معمولی صرف کے بعد پس انداز ہوتا ہے وہ سرکاری بنک میں جمع ہوتا ہے۔ مجھے ایک معزز ممبر اوقاف کمیٹی آگرہ کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ اوقاف کمیٹی کا چالیس ہزار روپیہ بنک میں عرصہ سے جمع ہے جس کا سالانہ منافعہ دو ہزار روپیہ کے قریب ہوتا ہے جو کمیٹی مذکور بنک سے نہیں لیتی۔ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص یا کمیٹی اپنے جمع کردہ رقم پر بنک سے سود نہیں لیتی تو بنک سود کی رقم کسی کار خیر کے لئے جس کو وہ موزوں سمجھتا ہے دیدیتا ہے۔ عموماً اس قسم کے سود کا روپیہ عیسائی مشن کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ اور مشن کے کاموں میں مسلمانوں کو عیسائی بنانا بھی شامل ہے۔ گویا جو وقف کمیٹی کی رقم چالیس ہزار کا سود ہوتا ہے وہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں اور مذہب عیسوی کی اشاعت و تبلیغ میں صرف ہوتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جناب مولانا نثار احمد صاحب مفتی آگرہ جو حال کے تبلیغ الاسلام کے دلدادہ ہیں اس بات پر مصر ہیں کہ سود نہ لیا جائے۔ بالفاظ دیگر مولانا موصوف یہ روا رکھتے ہیں کہ وقف کے روپیہ کا سود اسلام کے خلاف اور عیسائیت کے موافق صرف کیا جائے۔

مولانا نثار احمد صاحب مفتی آگرہ کی روشن خیالی اور زمانہ شناسی اور دور اندیشی کے لحاظ سے مجھے سخت حیرت ہے۔ اگر مولانا موصوف کمیٹی وقف کو سود لینے کی اجازت دینے سے قاصر ہیں تو برائے خدا اور برائے نفع رسانی مسلمانان اتنا ہی کریں کہ شعبیہ ہائی اسکول آگرہ کو جو کمی سرمایہ کی وجہ سے متزلزل حالت میں ہے یہ دو ہزار روپیہ سالانہ کی رقم لینے کی اجازت عطا فرمائیں۔ افسوس ہے کہ

بعض ممبران کمیٹی اوقاف جو عام مسلمانوں کی حالت افلاس سے واقف ہیں، خاموش ہیں اور اس قدر نقصان روا رکھتے ہیں۔ میں نہایت ادب سے مولانا صاحب کی توجہ مولانا عزیز الرحمن صاحب مفتی دار العلوم دیو بند کے حال کے فتوے کی طرف مبذول کرتا ہوں۔

اگر کمیٹی انتظامیہ شیعیہ ہائی اسکول آگرہ کسی وجہ سے رقم سود سے انکار کرے تو یہ رقم سود مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو دیدی جائے۔

قسیم بیگ چغتائی۔ سول لائنس علیگڑھ

تذکرہ

کو مولانا اسلم جیراجپوری نے مسلمانی کا "آئینہ" لکھا ہے ۵۰۰ فلس کیپ صفحے کاغذ اعلیٰ مجلد عمر

راحت گڈھ ضلع ساگر صوبہ متوسطہ کے مسلمانوں کی حالت

(از صدق محمد خاں صاحب مالگذار مون پور)

یہ خطہ جنگلوں سے گھرا ہوا ہی۔ شہر چالیس چالیس میل کے فاصلہ پر ہیں۔ مسلمانوں کی مردم شماری بہت قلیل ہی مگر آج سے ۵۰ سال پیشتر مسلمانوں کی زمینداری پچاس مواضع میں تھی جن کی کثیر آمدنی تھی۔ اور مسلمان اس قدر خوشحال تھے کہ غیر اقوام اُن کے زیر خدمت اور مقروض تھے اور سارے خطہ میں اُن کا رُعب تھا۔ بزرگوں اور سرپرستوں کے گذر جانے کے بعد اولاد مسرف اور بداعمال ہوگئی تو نوبت اس درجہ پہونچی کہ منجملہ پچاس موضعوں کے سب ذیل زمینداریاں غیر اقوام کے قبضہ میں پہونچ گئیں۔ قرضہ کا سُود اس قدر بڑھا کہ اصل سے سو گونہ سے زیادہ ہوگیا جس کا میں نے پنچایت کرا کر فیصلہ کرایا۔

(۱) ایک صاحب شاہی زمانہ سے چار مواضعات کے جاگیردار تھے۔ اُن کے دروازہ پر ہمیشہ دو ایک طوائف رہتی تھیں اُن کی شادی میں ایک تخت معلق رواں پر جو پچاس کہاروں کے کاندھوں پر تھا ارباب نشاط کا ایک طائفہ رقص و سرود کرتا ہوا بارات کے ساتھ جاتا تھا۔ نوبت باینجا رسید کہ بھیک مانگ کر مر گئے۔ ایک لڑکا بچا ہی جو دو بیل کی کاشتکاری کر کے زندگی بسر کرتا ہی۔

(۲) ایک صاحب جو دو گاؤں کے زمیندار تھے اُن کے والد نے بہت روپیہ جوڑا تھا فضول خرچی کی وجہ سے نواب مشہور ہوگئے۔ قرضہ میں حوالات رہکر جائداد کھو دی۔ اور بے بسی اور بیکسی کی حالت میں انتقال کر گئے۔ ایک لڑکا چھوڑا جو ماموں کے پاس رہتا ہی۔

(۳) ایک صاحب نے چار سو روپیہ قرض لئے جو چار ہزار ہوگئے۔ جائداد نکل گئی ایک نواسہ چھوڑا جو ہل چلا کر پیٹ بھرتا ہی۔

(۴) ایک صاحب تعلقہ دار درباری کرسی نشین تھے۔ اُن کے چھ موضع جن کی ایک لاکھ سالانہ کی آمدنی تھی بعلت قرض و سُود نکل گئے۔ اُن کے صاحبزادہ نہایت بُردبار کفایت شعار خدا پرست سادہ زندگی بسر کرنے والے نکلے بارہ موضعوں کے علاوہ پارموضع اور خرید کئے۔ اور غلہ نقدی کی دادستد کرتے ہیں

مگر غیر اقوام سے سود بارہی سوائی لیتے ہیں۔ لوگ ملعون کرتے ہیں۔ ترقی بفضلہ سُرعت سے

ہو رہی ہے۔

(۵) ایک صاحب نے دو موضع قرض میں کھو دیئے۔ مگر اب کچھ آنکھ کھولی ہے۔

(۶) ایک خاندان سادات موضع کھو کر کاشتکار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح اور چند زمیندار جن کے پاس ایک ایک دو دو مواضعات تھے قرضہ میں مفلس ہو گئے۔

غرض کہ مسلمانوں نے خود اپنی حالت بگاڑلی ہے۔ سب خرچ انتہا کو بڑھا لئے۔ جو خط آدھ آنہ کو نائی بناتا تھا وہ چار آنہ میں انگریزی طریق کا بنتا ہے۔ سود لینے والے کو مطعون کرتے ہیں اور سود خور نام رکھتے ہیں اور خود اس قدر سود دیتے ہیں جو لینے سے زیادہ گناہ ہے۔ کیوں کہ اسراف بیجا کیا گناہ نہیں ہے۔ میں تو ایک چھوٹا سا آدمی ہوں سادہ زندگی بسر کرنے والا۔ والد کے وقت سے ایک موضع تاہنوز قبضہ میں ہے۔ باڑہی سوائی غلہ کی غیر اقوام سے لیتا ہوں اور اپنا کام چلاتا ہوں یہاں کوئی کانفرنس قومی نہیں ہے شادی بیاہ میں واہیات رسمیات بند کر دی ہیں۔ فقط

(نوٹ منجانب اڈیٹر) مندرجہ بالا تحریر میں جملہ واقعات نام بنام لکھے ہیں جو ہم نے اُن اصحاب کی ہتک اور ناراضی کے اندیشہ سے نکال دیئے ہیں۔

سوالات

(از جناب غلام یحییٰ صاحب۔ سیکرٹری۔ مقام قطبال ضلع اٹک)

(۱) ترکیب چینی سازی اور چینی کے برتن بنانے کی مشین کس جگہ اور کس قیمت پر ملتی ہے۔

(۲) روض الربیٰ فی حقیقۃ الربا۔ مصنفہ مولوی محمد حسن صاحب متوطن بھیں ضلع جہلم۔ کس قیمت اور کس پتہ پر ملے گی۔

(جواب) مطبع خادم التعلیم پریس لاہور میں چھپی ہے قیمت نہیں معلوم غالباً ایک روپیہ سے کم ہوگی (اڈیٹر سود مند)

(۳) تفریح الحاجات۔ مصنفہ مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری علیہ الرحمۃ کس قیمت اور کس پتہ پر ملے گی۔

نرخنامہ رسالہ سُود مند

ایک سال	چھ ماہ	۳ ماہ	یک بار	
لعہ ۱	مللعہ	معہ	عہ	ایک صفحہ
مللعہ	معہ	سعہ	صر	نصف صفحہ
معہ	سعہ	۸عہ	۴ر	چوتھائی صفحہ

نوٹ ۔ چوتھائی صفحہ سے کم کی اُجرت بحساب آٹھ آنہ فی سطر

کواپریشن یعنی امداد باہمی بہترین تنظیم ہے

(چودھری محمد موسیٰ خاں صاحب بی اے انسپکٹر کواپریٹو سوسائیٹیز قصور کا یہ مفید مضمون مسلم آوٹ لک لاہور میں انگریزی میں شائع ہوا ہے جس کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے)

ہمارے معزز لیڈران اکثر شہروں کی بود و ماند کے خوگر ہیں۔ اُن سے یہ توقع کہاں ہوسکتی ہے کہ ہمارے درد کی دَوا کر سکیں ؎

ابنِ مریم ہُوا کرے کوئی
میرے دُکھ کی دَوا کرے کوئی

ہمارا مرض (مفلسی) پیچیدہ اور دیرینہ ہے۔ ہندوستان ایک بڑی حد تک زراعتی ملک ہے۔ وہ سوراج اور آزادی جس کے ہم اکثر خواب دیکھا کرتے ہیں۔ دیہات ہی کی تنظیم سے حاصل ہوسکتے ہیں۔ ترقی کے زینہ پر چڑھنے کے لئے ہمارا پہلا قدم دیہات ہی کی تنظیم کے ذریعہ سے اُٹھ سکتا ہے۔ مجھے فاضل ایڈیٹر مسلم آوٹ لک سے اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ ہمارے مشکلات کا حل تحریک کواپریشن ہی سے ہوسکتا ہے۔ ہندوستان کی آبادی میں نوے فیصدی کاشتکار ہیں۔ تا وقتیکہ کاشتکاروں میں بیداری نہ ہو ہماری کانفرنسیں کامیاب نہیں ہوسکتیں۔ کواپریشن سے مُراد دیہات کی اصلاح اور تنظیم ہے۔ دیہات کے بڑے بوڑھے تا ہنوز کاشتکاروں کے لیڈر رہیں سیاسی لیڈر ہمارے کاشتکاری طبقہ کے لئے کارآمد ثابت نہیں ہوئے۔ ضرورت اس کی ہے کہ ہمارے اعلیٰ لیڈر کمر ہمّت باندھ لیں اور مختلف قسم کی انجمن ہائے امداد باہمی قایم کریں تاکہ جہالت اور مفلسی کی بلائیں دُور ہوں۔ لیڈران کا فرض ہے کہ وہ ظاہرا و باطن طریقہ سے دست گیری اور رہنمائی کریں اور لوگوں کو عملی طریقے بتائیں۔ اس طرح سے ہم قدیم پنچایتوں کی تنظیم کو دوبارہ زندہ کر سکیں گے جس کی یاد ابھی تک ہمارے دلوں سے محو نہیں ہوئی ہے۔ جو حضرات قوم کا درد دل میں رکھتے ہیں وہ اپنی خدمات مخلصانہ طریقہ سے پیش کریں اور انجمن ہائے امداد باہمی کی تنظیم اور نگرانی اپنے ذمہ لیں یا عیسائیوں کی طرح علیحدہ مگر زیر ہدایت گورنمنٹ کواپریٹو ڈیپارٹمنٹ سوسائیٹیز قایم کریں۔ شاید ہمارے لیڈر یہ بھی نہیں جانتے ہوں گے کہ نوجوان عیسائیوں کی

ایسوسی ایشن اس ضمن میں کیا کارنمایاں کر رہی ہے۔ عیسائیوں کا پنجاب میں ایک بنک ہے جس کا نام ہے "پنجاب عیسائی کواپریٹو سنٹرل بنک لاہور" جس کے ماتحت مختلف انجمن ہائے عیسائیاں جگہ جگہ قایم ہیں۔ یہ انجمنیں ہماری انجمنوں کی طرح دریوزہ گری نہیں کرتیں بلکہ اُن کے ممبر خود ہی کام کرتے ہیں اور خود ہی اپنا روپیہ لگاتے ہیں۔ یہ لائحہ عمل ہی اُس فرقہ کا جو سب سے کم مایہ سمجھا جاتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ ان انجمنوں کا تمدنی اور مذہبی اغراض کے لحاظ سے ملک میں ایک جال سا بچھا ہوا ہے جس کی مثال اور کہیں نظر نہیں آتی۔ کیا یہ اچھوت عیسائیوں کا نظام ہمیں شرم دلانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ کیا ہمارے لیڈر یہ تکلیف گوارا فرمائیں گے کہ شہروں کے دلکش مناظر چھوڑ کر دیہات میں جائیں اور کرنے کا کام کریں۔ اگر ایسا کام کریں تو اُن کی اصلاح صحت بھی ہو اور وہ بچشم خود دیکھیں کہ دیہات میں خدا کی مخلوق پر کیا گذر رہی ہے۔ مشاہدہ عینی کے بعد ہی مصیبت زدوں کی مشکل کشائی ممکن ہو سکتی ہے۔

میرا یقین ہے کہ روئے زمین پر امداد باہمی سے بہتر کوئی طریقہ تنظیم ممکن ہی نہیں۔ ایک کامیاب انجمن باہمی سے جو سکون اور خوش حالی اور اخوت اسلامی حاصل ہو سکتی ہے وہ سو فتاوے اور بے تعداد سیاسی اور مذہبی انجمنوں کے قرار دادوں سے میسر نہیں ہو سکتی۔ امداد باہمی کی بدولت اہل یورپ نے اپنی گردنوں سے قرضداری کا جوا اُتار کے پھینک دیا۔ تھوڑے ایثار اور اتفاق سے سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ امداد باہمی کے متعلق اگر آپ تھوڑی سی کتابیں بھی مطالعہ فرمائیں تو میرے بیان کی پوری تصدیق ہو جائے۔ اس تحریک کا سارے عالم کے لئے چیلنج ہے کہ کوئی طریقہ اِس سے بہتر پیش کیا جائے۔ کیا ماہران سیاسیات، کیا واعظان عالی شان، کیا شیدایان تمدن اور کیا ماہران علم کفایت شعاری سب کے سب متفق الرائے ہیں کہ امداد باہمی سے برتر کوئی طریقہ کسی گری ہوئی اور مفلس قوم کے بچاؤ اور ترقی کرنے کا نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی مصیبت اقتصادی ہے اور وہی ہر طرح سے تنزل کا باعث ہے کوئی وجہ نہیں کہ جیسا اِس تریاق یعنی امداد باہمی سے نصف کرۂ ارضی کا مرض دفع ہو چکا ہے تو ہم مسلمانوں کو یہ دوا کیوں موافق نہ ہو گی۔ یہ ظاہر ہے کہ بغیر کافی سرمایہ کے کوئی تدبیر ہماری بہبودی کی غرض تک چل نہیں سکتی۔ میرا خیال ہے کہ ہماری اکثر انجمنیں لوگوں کی نگاہ میں ایک حد تک اعتماد کھو چکی ہیں اور زیادہ سرمایہ فراہم کرنے کی قابلیت نہیں رکھتیں۔ ہم رجسٹری شدہ انجمنیں دیہات اور شہروں میں کیوں نہ قایم کریں اور اُن کا الحاق ضلع اور صوبہ کے مرکزی بنکوں سے کیوں نہ پیدا کریں۔ تحریک کو اپریٹو کی

بنیاد جمہوری اصول پر ہے۔ ڈنمارک جو دنیا میں ترقی یافتہ مشہور ملک ہے اُس کی کامیابی اور ترقی کا راز امداد باہمی ہے۔ یہ امکان سے باہر ہے کہ مختلف فرقے متفق الرائے اور ایک ہو جائیں۔ ہماری انجمنوں اور لیگوں میں بڑا سقم یہ ہے کہ عامتہ المسلمین کو نہ اُن میں کوئی دخل ہے اور نہ کوئی اُن کی سنتا ہے۔ اس قدر ضرور ہے کہ مسلمانوں میں کچھ نیک نیت و نیک نہاد لیڈر ہیں مگر وہ چاہتے ہیں کہ متعدد رفارم کو قوم میں مُروج کردیں۔ ایک شیر خوار بچہ ثقیل غذا ہضم نہیں کرسکتا اس کی ضرورت ہے کہ پہلے مسلمان اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھیں اور آزاد زندگی بسر کرنے کے خوگر ہوں۔ خوش حالی کی آمد ارتقاء ہی سے ہوگی۔ ہوتے ہی ہمارے تمدنی مذہبی اور سیاسی کام سُدھر جائیں گے۔ جو حضرات تنظیم کے علم بردار ہیں اُن کو میں یہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ دو قسم کے کام سے ابتدا کریں۔ ایک تبلیغ، دوسرا کوآپریشن (امداد باہمی) آخر الذکر بڑی کارآمد اور دوربین ہے جس کا دائرہ نفع رسانی نہایت وسیع ہے۔ موجودہ حالت میں بھی امداد باہمی کی شاخیں ہیں جیسے قرضہ دینے، مال فراہم کرنے، اور اُسے تقسیم کرنے، جبریہ تعلیم دینے، پوری عمر کے لوگوں کے اسکول قایم کرنے، مویشیوں کا بیمہ اُن کی پرورش کرنے، آراضی رہن کرنے، کاریگروں اور مزدوروں میں کفایت شعاری رائج کرنے، بنک اور کمیشن کی دوکانیں قایم کرنے وغیرہ کی انجمنیں قایم کی جائیں۔ اور کسی طریقہ میں اس قدر جامعیت نظام، کامیابی اور تکمیل ممکن ہی نہیں۔ جب ہم امداد باہمی اور تبلیغ کا انتظام حسب دلخواہ کرلیں گے تو ہم اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھیں گے اور مستوجب رضا اور خوشنودی خداوند عالم ہوں گے میں تبلیغ کا ایک اور طریقہ بھی بتلا سکتا ہوں جو کم خرچ اور بالانشین ہوگا جو صاحب چاہیں مجھ سے زبانی یا بذریعہ خط و کتابت دریافت فرمالیں۔

(مترجمہ قسیم بیگ چغتائی سول لائنس علی گڑھ)

کفایت شعاری

(از جناب مولانا ابوالفضل محمد احسان اللہ صاحب عباسی - گورکھپور)

کفایت شعاری کی دو قسمیں ہیں (۱) اسراف سے بچنا (۲) آمدنی کا پس انداز کرنا -

اسراف کے معنی ہیں فضول خرچی یا تضیع مال - اس سے بچنا تمام انسانوں کے لئے لازم ہے - نص قرآنی اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۔ (ترجمہ) اللہ مسرفوں کو پسند نہیں کرتا) ناجوازی اسراف پر قطعی دلیل ہے اسراف کی صورتیں محتاج بیان نہیں ہیں - مال کا ضائع کرنا اسراف ہے مثلاً بجائے ایک لوٹے کے دو لوٹوں کا پانی وضو کرنے میں بہانا اسراف ہے - بے ضرورت گھر میں چراغاں کرنا ایک لیمپ کی جگہ پر متعدد لیمپوں کا بے ضرورت جلانا داخل اسراف ہے - دن چھپنے کے قبل چراغ جلانا اور دن نکلنے کے بعد تک چراغ جلتا رہنا داخل اسراف ہے، آدھ پاؤ برف ایک آدمی کے لئے کھانے کے وقت کافی ہوتا ہے - بجائے آدھ پاؤ کے سیر بھر برف منگانا اور اُسے دستر خوان پر رکھکر بے وجہ گھلانا اسراف ہے - سواری کے لئے ضرورت سے زاید گھوڑوں کا رکھنا یا ضرورت سے زاید کپڑوں کا بکس میں بھرنا یا گھر میں استعمالی جوتوں کی دُکان لگانا داخل اسراف ہے - گھر خرچ سے اتنا زاید کھانا پکوانا کہ دوسرے دن سڑا ہوا کھانا پھینکا جائے داخل اسراف ہے - پھلوں اور میوں کا ضرورت سے زاید خرید نا کہ وہ سڑ کر مکان کو گندہ کریں داخل اسراف ہے - مال دار، مسکین، انبیاء، اولیاء، گرہستوں، تارک دُنیا اور دُنیا دار سب کے لئے اسراف یکساں معیوب ہے -

آمدنی کا پس انداز کرنا جو کفایت شعاری کی دوسری قسم ہے - اس کا سمجھنا ذرا مشکل ہے تمام قرآن خرچ کرنے کے حکم سے بھرا ہوا ہے - انبیاء اور اولیاء کی سوانح عمریاں بتاتی ہیں کہ وہ دوسرے دن کے لئے پس انداز نہ کرتے تھے - مسلمان خرچ کرنے میں ان کی پیروی کرتے ہیں اور اس لئے وہ عموماً کفایت شعار نہیں ہوتے - قرآن میں جہاں انفاق یعنی خرچ کرنے کا حکم ہر جگہ بلا قید ہے وہاں سورہ بنی اسرائیل رکوع ۳ میں قید اور شرط کے ساتھ ہے "نہ تو اپنا ہاتھ کھینچکر گردن میں باندھ لے اور نہ بالکل پھیلا دے کہ تجھے ملامت زدہ - اور تہی دست ہوکر بیٹھنا پڑے" الاسلام (از عباسی) کی فصل ۸ میں زیر "انفاق" قرآنی احکام کی پوری توضیح کی گئی ہے -

یہ غلط مشہور ہے کہ انبیاء و صلحاء کل کے لئے کچھ گھر میں رکھتے نہ تھے - چیونٹیاں جب موسم خزاں کے لئے اپنی خوراک فصل بہار میں جمع کرتی ہیں تو انسان کیا چیونٹیاں کا سا بھی عاقبت اندیش نہ ہوگا؟ اور کیا حضرت داؤد اور حضرت سُلیمان کا شمار انبیاء میں نہ تھا؟ ان کے خزانے تو ان کے عہد میں سب سے زا

معمور تھے۔ اور فرض کیجیے کہ انبیاء کے لیے جمع کرنے کا حکم نہ تھا تو یہ حکم ان کے ساتھ مخصوص تھا اگر سب اس پر عامل ہوں تو انتظام عالم قائم نہ رہے۔

سرسید مرحوم سے ایک مولوی نے دریافت کیا کہ آپ بزرگانِ دینِ اسلام کی تقلید چھوڑ کر یورپ کے بے دینوں کی تقلید میں کانٹے اور چمچے سے کھانا کیوں کھاتے ہیں؟ سرسید نے کہا اگر سب لوگ روٹی کھانے والے انگلیوں سے نہ کھائیں چھری کانٹے سے کھائیں تو ان پر اعتراض درست ہے۔ لیکن آپ لوگ اپنے مریدوں کے وہاں فرعونی غذائیں کھاتے ہیں تو سنت نبوی کی پیروی کہاں ہوئی؟ نبیوں کی غذا نبیوں کی طرح اور فرعونی غذا فرعونیوں کی طرح کھانا چاہیئے تاکہ تناسب قایم رہے۔ میرے کان میں یہ بات پڑی ہوئی تھی۔ بمبئی میں ایک نئی تعلیم والے افغان کا ساتھ ہوا۔ چھری کانٹے سے ہم دونوں روز ہوٹل میں کھانا کھاتے تھے۔ ایک دن اُس نے بریانی کی فرمایش کی اور یہ تاکید کی کہ چاول سے گھی نصف اور گوشت دوچند ہو اور گوشت کی بوٹیاں پاؤ سیر سے چھوٹی نہ ہوں۔ ٹیبل پر پلاؤ کی رکابی آئی تو چھری کانٹا اُس نے ہٹا دیا اور ہاتھ سے کھانا شروع کیا اور وہ بھی نہ صرف پانچ انگلیوں سے بلکہ ہاتھ کی ہتھیلی بھی لقمہ اُٹھانے میں شریک کی۔ میرے پوچھنے پر اُس نے کہا کہ یہ ہمارا قومی کھانا ہے جب تک لقمے سے منھ بھر نہ جائے چبانے میں مزا نہیں ملتا۔ ہتھیلی کے کنارے سے وہ منھ میں لقمہ بھرتا تھا اور پنجے کے علاوہ مونچھ اور داڑھی کے بال بھی کھانے میں آلودہ تھے۔ مجھے ساتھ کھانے میں کراہت معلوم ہوئی اور سرسید کا مقولہ میں نے اُسے سنا کر کہا کہ انگریزی کھانوں سے زاید تر آپ کے ۲۱ قومی کھانے کے لئے چھری کانٹے کا استعمال مقتضائے تہذیب ہے۔

حضرت نظام الدین بدایوں میں ایک مفلس سیدانی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ وہ سیدانی روئی سوت اور سوزن سے کسب معاش کرتی تھی۔ زمانہ عسرت کا تھا، کبھی کھانا ملا اور کبھی نہ ملا۔ حضرت نظام الدین مکتب سے جب آتے تھے تو کبھی ماں ماحضر سامنے رکھدیتی تھی اور کبھی یہ کہتی تھی کہ ہم لوگ آج خدا کے مہمان ہیں۔ جس کا مطلب ہوتا تھا کہ گھر میں کچھ نہیں ہے خدا نے رات تک کہیں سے کچھ بھجوا دیا تو کھائیں گے ورنہ فاقہ ہے۔ حضرت نظام الدین کو فاقے کی خبر سُن کر بہت مسرت ہوتی تھی۔ وہ ہر روز آتے ہی وہ سوال کرتے تھے کہ اماں جان کچھ گھر میں ہے یا خدا کی مہمانی ہے؟ آپ کی ماں فرماتی تھیں کہ "خدا کی مہمانی" سُن کر لڑکے کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگتا اور اسی وقت سے مجھے یہ پتہ لگا کہ یہ لڑکا ولی مادرزاد ہے اور سن شعور کو پہونچ کر بڑا درجہ اُس کا ہوگا۔ جب حضرت نظام الدین کا عروج دہلی میں ہوا اور فتوحات کی آمدنی شروع ہوئی شاہی مطبخ سے کہیں زیادہ ان کے لنگر خانے کا خرچ تھا۔ یہ تو کتابی پرانی حکایت ہے۔

کل کی بات ہے کہ مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی فکر فردا کے لئے کچھ جمع نہ رکھتے تھے۔ جو سامنے

آیا، بنیا اُٹھا لے گیا یا محتاجوں کو دیدیا گیا۔ مہمانوں کی اتنی کثرت رہتی تھی کہ بنئے کا قرض ہمیشہ چڑھا رہتا تھا لیکن مطبخ کا خرچ تعلقہ داروں سے کم نہ تھا۔ مولانا خود جمع نہ کرتے تھے لیکن بنئے کے اندوختہ سے جب ان کا کام چلتا تھا تو بنئے کا اندوختہ کرنا عین مولانا کا اندوختہ کرنا تھا۔ علاوہ بریں جہاں مال کا جمع نہ کرنا ہی باعث فراوانیٔ مال ہو وہاں جمع کرنا ہی غلطی ہے۔

ایک پُرانی حکایت اور بھی قابل تذکرہ ہے کہ جب امیر المومنین عمر ابن عبد العزیز نے اپنے چچیرے بھائی سپہ سالار فوج بحری کو محاصرۂ قسطنطنیہ سے دار الخلافت دمشق میں واپس بُلایا تو معلوم ہوا کہ دس ہزار درہم یومیہ سپہ سالار کے مطبخ کا خرچ تھا اور شہنشاہ کے مطبخ کا خرچ آنے دو آنے یومیہ سے زیادہ نہ تھا۔ بادشاہ نے ایک روز سپہ سالار کی دعوت کی اور اپنے لئے حسب معمول مسور کی کھچڑی اور سپہ سالار کے لئے شاہانہ کھانے پکوائے امیر المومنین نے باتوں میں بہت دیر لگائی اور سپہ سالار بھوک سے بیتاب ہو گیا۔ دسترخوان پر پہلے کھچڑی آئی اور دونوں نے کھانا شروع کیا۔ سپہ سالار نے کھچڑی کی بہت تعریف کی۔ اس کے بعد شاہی کھانے آئے تو سپہ سالار نے اُدھر نظر بھی نہ کی۔ بادشاہ نے سپہ سالار کو سمجھایا کہ بھوک میں سریع الہضم غذا کھائی جائے تو نہ صرف لذیذ معلوم ہوتی ہے بلکہ جزو بدن ہوتی ہے اور خون صالح پیدا کرتی ہے۔ معلوم نہیں وہ سپہ سالار کہاں تک آیندہ کفایت شعار رہا لیکن اُس وقت تو اُسے وعدہ کرنا ہی پڑا کہ نصیحت سلطانی پر وہ برابر کاربند رہیگا۔ یہاں یہ لکھنا بے موقع نہیں ہے کہ سلطان عبد العزیز کی سلطنت سرحد فرانس سے ملتان تک تھی کسی بادشاہ ماقبل یا مابعد کی سلطنت غالباً اتنی وسیع نہیں ہوئی اور نہ عبد العزیز کے بعد عبد العزیز سا ایسا رعایا پرور اور خدا ترس بادشاہ کوئی دوسرا بلاد اسلام میں ہوا۔

پس انداز کرنے کے احکام سب کے لئے یکساں نہیں ہو سکتے۔ ایک شخص ایسا ہے کہ اشرفی کا توڑا نماز شام کے وقت پائے تو نماز عشا تک اُسے خرچ کر ڈالے اور دوسرے دن جب نوبت فاقہ کشی کی آئے تو شب گزشتہ کی فیاضی پر نادم نہ ہو بلکہ دوسرے دن کا فاقہ اس کی نور ایمان اور شب گزشتہ کی مسرت کو اور بڑھا دے۔ ایسے شخص کے لئے بیشک پس انداز نہ کرنا اور غم فردا کی فکر نہ کرنا ہنر ہے ثواب ہے اور خوش اخلاقی ہے اور وہ شخص جو شب کو اپنی دولت لٹا دینے کے بعد دوسرے دن پشیمان ہو، منفعل ہو، تلافی مافات کی فکر میں غم و غصہ کا قرین ہو اور چوری کرنے، دغا بازی کرنے جھوٹ بولنے سے بھی وہ مال واپس آجائے تو تامل نہ کرے تو ایسے شخص کے لئے رات کو فردا کی فکر نہ کرنا سخت گناہ عیب اور بڑی بداخلاقی ہے۔ اب اِس سے ظاہر ہوا کہ پس انداز کرنا ہنر بھی ہے اور عیب بھی ہے۔ ہر شخص اپنے نفس کا بہتر جاننے والا ہے۔ غور کرے تو لاکھ میں کہیں ایک ایسا نکلے گا کہ غم فردا کی اُسے پرواہ نہو۔ للاکثر حکم الکل۔

نتیجہ یہ نکلا کہ عموماً انسان کے لئے اپنی آمدنی کا کوئی حصہ پس انداز نہ کرنا سخت عیب ہی اور سیکڑوں معاصی کی جڑ ہی۔ بیشک پس انداز کرکے گاڑنا بھی داخل عیب ہی کہ وہ رفتہ رفتہ زکوٰۃ کی نذر ہوجائے گا اور زکوٰۃ نہ دی گئی تو وہ مال باعث تکلیف دارین ہوگا۔ بہترین صورت یہ ہی کہ پس انداز کسی کاروبار میں لگایا جائے کہ مال میں اضافہ ہوتا رہی اور اُس سے نہ صرف مالک مال اور اس کے متعلقین کو فائدہ پہونچے بلکہ زکوٰۃ خیرات اور صدقات کے طور پر دوسروں کو بھی نفع پہونچے اور صدقات جاریہ قایم رہیں۔

کفایت شعاری کے لئے سلیقہ بھی درکار ہی۔ یہ سلیقہ مسلمانوں پر جب ان کے نکبت کے دن آئے بالکل باقی نہ رہا۔ اب تو حاجت زمانہ نے مسلمانوں کو مجبور کیا ہی اور موجودہ حالت ہی کا مقتضا ہی کہ "سود مند" نے کفایت شعاری پر مضمون لکھنے کا انعامی اشتہار دیا ہی ورنہ آج سے پچاس برس پہلے یعنی میرے لڑکپن میں کفایت شعاری اور مسلمانوں کے طرز عمل میں نسبت تضاد تھی۔ کوئی شان اسلام عوام میں نہ تھی اگر تھی تو صرف یہ ہیکڑی تھی کہ وہ مسلمان کیسا جو اللہ کو بھول جائے اور کل کی فکر رکھے۔ اُس وقت کے مسلمان گویا خدا کو صرف رزاق جانتے تھے مسبب الاسباب نہیں سمجھتے تھے۔ خدا بیشک رزاق ہی چور اور گداگر کو بھی وہی روزی دیتا ہی لیکن چوں کہ وہ مسبب الاسباب بھی ہی اور کفایت شعاری ایک بہترین سبب یا ذریعہ ہی اس لئے کفایت شعار کو گویا خدا عزت کے ساتھ روزی کا سامان کرتا ہی اور چوروں اور گداگروں کو بے عزتی کے ساتھ رزق دیتا ہی۔

رزق نعمت الٰہی ہی۔ شکر نعمت یہ ہی کہ نعمت الٰہی خوش اسلوبی سے خرچ کی جائے۔ میرے لڑکپن میں جب کفایت شعاری قومی گناہ سمجھا جاتا تھا اول اول میں نے شمس العلما مولانا نذیر احمد دہلوی کی زبان سے ۱۸۷۵ء میں بمقام اعظم گڈھ جہاں وہ ڈپٹی کلکٹر بندوبست تھے یہ سُنا کہ آمدنی کا ایک حصہ پس انداز کرنا عاقبت اندیشی کی شان ہی۔ اُس زمانہ میں تجارت مسلمانوں میں سخت معیوب تھی، صرف نوکری یا زمینداری میں شان شرافت سمجھی جاتی تھی۔ زمیندار کی جائداد پر بار قرضہ لازمی تھا اور نوکری پیشوں کا فخر اس میں تھا کہ بنئے بقال دونوں وقت تقاضے کو آتے رہیں۔ بیشک وسعت دسترخوان میں نوکری پیشوں کی بڑی ناموری تھی لیکن مال حرام کھانے اور بنیوں کے تقاضہ کرنے پر نہ انھیں شرم آتی تھی اور نہ ان کے احباب کو۔ شمس العلما کی ابتدائی حالت نوکری کے قبل عسرت کی تھی لیکن میں نے اُن کو آخر حالت میں دیکھا تو کفایت شعاری کی بدولت ملازمت پیشوں میں سب سے زائد وہ مالدار تھے۔ ملازمت میں وہ فتوحات غیبی سے ہمیشہ متنفر رہے پھر بھی کفایت شعاری کی بدولت غیر محتاط ملازمت پیشوں سے بھی زیادہ وہ مالدار تھے۔

گورکھپور میں ایک پنشنر سب جج مولوی حبیب اللہ تھے جنھوں نے اخیر ۱۹ صدی میں انتقال کیا

یہ انتظام و کفایت شعاری میں مشہور تھے۔ ان کے باپ مفتی اور صدر الصدور تھے۔ اور فضول خرچ تھے۔ جائداد سی
زائد یا اس کے برابر قرضہ چھوڑ کر وہ مرے تھے یہی وجہ تھی کہ باپ کے مرنے پر بیٹے کو کفایت شعاری کی
طرف توجہ ہوئی۔ اور اپنی کفایت شعاری سے اتنی بڑی جائداد زمینداری پیدا کی جس کی آمدنی اخیر اخیر
تین چار ہزار روپیہ ماہوار تھی۔ پہلے مولوی حبیب اللہ منصف مقرر ہوئے۔ سو روپیہ ماہوار تنخواہ جو ملتی تھی
وہ بجنسہ باپ کے قرض ادا کرنے میں صرف کی جاتی تھی۔ رشوت کی آمدنی نہ تھی اور کچہری کا خرچ محض انتظام
سے یا دوسرے لفظوں میں جادو کے زور سے چلتا تھا۔ مثلاً شروع تعیناتی مولوی صاحب کی منصفی بانسی
میں ہوئی جو دامن کوہ کے قریب ہے۔ اس زمانہ میں تبدیل جنس بالجنس سے دیہات کے بازاروں میں
کام ہوتا تھا۔ اُس زمانہ میں چپراسی منصفی میں بہ کثرت تھے اور ان کا عزل و نصب منصفوں کے اختیار میں
تھا۔ چپراسی جب سمن تعمیل کرنے جاتے تھے تو مولوی صاحب کا ایک ایک روپیہ ساتھ لیجاتے تھے جہاں
راستہ میں بازار ملا ایک روپیہ کا پیسہ لے کر بیٹھ گئے اور جو عورتیں غلہ لے کر بازار کرنے آتی تھیں وہ
سپاہیوں کے ہاتھ ارزاں غلہ فروخت کرتی تھیں اور پھر پیسوں سے اپنی مایحتاج چیزیں خریدتی تھیں۔
مولوی صاحب بخیل نہ تھے منتظم تھے۔ اُن کا دسترخوان اُس وقت بھی بہت وسیع تھا۔ جو غلہ چپراسی لاتے تھے
اس کا ایک جزو کھانے میں صرف ہوتا تھا اور بقیہ جزو فروخت ہوتا تھا اور گھر کا سب خرچ اسی تجارت
سے چلتا تھا اور پھر پس انداز بھی ہوتا تھا۔ یہ حکایت تو میں نے مولوی صاحب کے زبان سے سُنی تھی چشم دید
واقعہ یہ ہے کہ مولوی صاحب روز شام کو ایک پیسے کے بتاسے چائے کے لئے منگواتے تھے۔ ہر روز دو بتاسے
ایک ظرف گلی میں وہ پس انداز کرتے تھے اور ساتویں روز بتاسے خریدے نہ جاتے تھے۔ وہی بتاسے کام میں
آتے تھے۔ لیکن یہ بخل نہیں تھا کفایت شعاری اور خوش سلیقگی تھی۔ پنشن ہو جانے پر بھی مولوی صاحب کا دسترخوان
شہر کے تمام لوگوں سے وسیع تر تھا۔ اپنے بیٹے کی شادی میں مولوی صاحب نے تمام شہر کے مسلمانوں کی ضیافت
کی مہینوں کھانا پکتا رہا اور محلہ وار مکلف کھانوں کے خوان تقسیم ہوتے رہے۔ اِس فیاضی کی مثال پھر دیکھی
نہ گئی۔ میں نے ایک نو شمس العلما مذکور کو اور دوسرے مولوی صاحب مذکور کو پس انداز کرنے کا عامل اس وقت
پایا جب پس انداز کرنا ایک قومی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ کفایت شعاری کی ایک شاخ خوش سلیقگی میں
مولوی حیدر حسین وکیل ہائی کورٹ الہ آباد کو بھی میں نے بے مثل پایا۔ مولوی صاحب گھر کے مال دار تھے اور وکالت
میں بڑی دولت پیدا کی تھی۔ علاقے خریدنے کا شوق رکھتے تھے اور دسترخوان بھی وسیع رکھتے تھے۔ غربا کی
تنخواہیں مقرر تھیں اور اپنے یگانوں کے حقوق نہایت سیرچشمی سے وہ ادا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اُن کا
تموّل روز بروز بڑھتا رہا۔ ایک نقل ان کی کفایت شعاری کی یہاں لکھی جاتی ہے۔ وہ برابر بنارسی زردوزی کا

جوتا پہنتے تھے۔ بنارس کی اصطلاح میں اُسے ٹاٹ باقی جوتا بولتے تھے۔ میرے لڑکپن میں اس کا رواج تھا۔ مولوی حیدر حسین ہمیشہ ٹاٹ باقی جوتا پہنتے تھے اور جب جوتا پھٹ جاتا تھا تو اسے علیحدہ رکھ دیتے تھے جب کئی جوڑے جمع ہو جاتے تھے تو آگ میں اُنھیں جلوا کر چاندی نکلوا لیتے تھے اور اس طرح جوتوں کی نصف قیمت سے زائد کی چاندی وہ پا جاتے تھے۔ یہ اُسی قسم کی کفایت شعاری تھی جس میں عالمگیر یگانۂ روزگار سمجھا جاتا تھا۔ عالمگیر نے ایک روز حکم دیا کہ گھوڑوں کے دانے پانی کے لئے لکڑیاں نہ خریدی جائیں گھوڑوں کی لید سکھا کر ہیزم سوختنی کی جگہ پر صرف کی جائے۔ اس طرح کئی ہزار روپیہ ماہوار کی تخفیف فوجی خرچ میں ہو گئی۔

تمدن انسانی کے لئے کسب معاش ضروری ہے اور اس کے لئے زراعت یا تجارت بہترین ذریعہ ہے اور کفایت شعاری ان دونوں کے لئے لازم ہے۔ مثلاً ایک سیر مٹر معمولی گھروں میں ایک وقت کا خرچ ہے لیکن اگر ایک سیر مٹر کسی کھیت میں بو دی جائے تو دو ہفتہ کے بعد ساگ اور پھر پھلیاں اور کچھ دنوں کے بعد اُس کے دانے مہینوں کے خرچ کے لئے کافی ہیں۔ اسی طرح تجارت میں کفایت شعاری کی جائے تو تجارت کے ذریعہ سے آدمی ایک وقت میں بڑا دولت مند ہو سکتا ہے۔ غرض کہ کفایت شعاری دنیاوی ترقی کا راز ہے۔

مولوی حبیب اللہ مرحوم ایک روز باورچی کو سمجھا رہے تھے کہ مہمان بڑھ جائیں تو دال کی مقدار نہ بڑھاؤ دال میں پانی بڑھا دیا کرو۔ کیسی آسان اور دلپسند یہ تدبیر تھی۔ ایک نوجوان مہمان جو ایک منکوب شریف خاندان کا تھا سُن کر بولا "اور اگر آٹا کمی کرے تو خاک ملا دیا کرو"۔ یہ اُس زمانہ کا واقعہ ہے جب اُمرا کے لڑکے کفایت شعاری کو بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ اب زمانہ کے اثر نے جو انقلاب پیدا کیا اُس کا آیندہ ذکر کیا جاتا ہے۔

کوئی پچیس برس کا ذکر ہے کہ میں لکھنؤ کے ایک ہوٹل میں مقیم تھا جس کے مالک اور مہتمم میر لسندی کے چند ذی علم ہوتے تھے۔ ایک روز مالکان ہوٹل نے مجھے تماشا دیکھنے کو بلایا۔ میں باورچی خانہ کے صحن میں پہنچا تو دیکھا کہ ایک بڑی کشتی میں پچاس ساٹھ مٹی کے چراغ کی سی پیالیاں ہیں اور اُن میں کھانے کی چیزیں بقدر چڑیوں کی خوراک کے رکھی ہوئی ہیں۔ مربے ہیں تو بہی، سیب وغیرہ کئی قسم کے ہیں لیکن مقدار میں چوتھائی انچ مکعب سے بھی کم۔ چٹنیاں کئی قسم کی ہیں لیکن مجموعی مقدار ایک ماشہ سے بھی کم ہے۔ چاول دس تشتریوں میں ہیں کچھ میٹھے اور کچھ نمکین اور مختلف رنگ کے۔ اسی طرح گوشت خشک اور تر، کئی قسم کے ذرا ذرا رکھے ہوئے ہیں۔ کھانوں کی لذت سے بحث نہیں تھی پانچ درجن کھانوں کی تعداد سے غرض تھی۔ خریدار نے فہرست نکال کر کھانوں کا مقابلہ کیا اور ایک روپیہ قیمت دے کر کھانے اُٹھوا لے گیا۔ مالک ہوٹل نے کہا آصف الدولہ کے خاندان کا یہ لڑکا ہے باپ کے فاتحہ کے لئے پانچسو روپیہ کہاں سے لائے ہاتھ خالی ہیں کیا کرے۔ کفایت شعاری کا یہ نسخہ اس نے نکالا ہے کہ جیسا باپ دادا اپنے وقتوں میں کھاتے تھے ویسا ہی کھانا اُن کے فاتحہ میں دیا جائے۔ مگر اس طرح سے

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا۔

اس وقت تک دلی کے شہزادوں میں گداگری تو پہونچ چکی تھی، کفایت شعاری نہیں پہونچی تھی۔ بنارس کے شہزادے متمول تھے اور دہلی کے نادار تھے۔ بنارس سے چند شہزادے ایک غریب شہزادے کے گھر دہلی آنے والے تھے۔ ان کی مہمان داری کے لئے دہلی کے ایک شہزادے نے اپنا پانچ روپیہ ماہوار وظیفہ ہزار روپیہ پر فروخت کیا اور شاہانہ طرز پر دسترخوان بچھانا چاہا۔ اب فکر یہ ہوئی کہ کھانے تو پک جائیں گے لیکن یاقوت، زمرد، سونے، چاندی، اور بلور کے برتن کہاں ملیں گے۔ اس ضرورت کے لئے الہ آباد کے ایک بیرسٹر متعین کئے گئے۔ انھوں نے مجھ سے یہ قصہ بیان کیا اور یہ کہا کہ بجائے یاقوت اور زمرد کے چینی کے رنگین برتن بمشکل ہم پہونچائے گئے۔ خیر ایک مرتبہ تو اس شہزادے نے اپنی کل کائنات بیچ کر عزت خاندانی قایم رکھی۔ لیکن دوبارہ اگر وہ مہمان آئے گا تو بجز اس کے کہ مہمان کے پہچاننے میں تامل کیا جائے اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔

یہاں پر ایک نقل قابل تذکرہ ہے۔ گورکھپور کے ایک مال دار دوست جنون دوری میں مبتلا ہوگئے تھے۔ ایک انسپکٹر صیغہ رجسٹری دورہ میں آئے تو اُن سے اسٹیشن پر ملاقات ہوئی۔ کشاں کشاں وہ اپنے گھر مہمان کو لے گئے اور ایسے اچھے کھانے کھلائے کہ انسپکٹر صاحب سمجھے کہ گورکھپور دہلی اور لکھنؤ کا ایک محلہ ہے۔ لیکن جب انسپکٹر صاحب دوبارہ گورکھپور تشریف لائے تو وہ ہمارے دوست کی صحت دماغی کا زمانہ تھا۔ دونوں میرے گھر پر اتفاق سے یکجا ہوئے۔ انسپکٹر صاحب نے اپنے آپ کو بہت پہچنوایا لیکن ہمارے دوست نے انھیں نہ پہچانا یعنی سابق ضیافت نے ہمارے دوست کو پہچاننے کی اجازت نہ دی۔ اپنی حیثیت سے کم خرچ کرنا کفایت شعاری ہے۔ بزرگوں کے اندوختہ نے اب تک مسلمانوں کو ادھر متوجہ نہ کیا تھا۔ اب زمانہ خود ہی سکھا دے گا کہ کفایت شعاری ضروریات زندگی سے ہے۔ اللھم خیرالمودبین ڈ

میرے بچپن میں اُمراء کے لڑکوں کو مرغ بازی، بٹیر بازی، اور پتنگ بازی کا بےحد شوق تھا۔ پتنگ بازی اب بھی قایم ہے بلکہ یہ مرض متعدی غربا کے گھروں میں پہونچ گیا ہے۔ بازار میں ایک لڑکا پتنگ اُڑا رہا ہے اور دوسرا سودے کی ٹوکری سر پر رکھے ہوئے نظر آتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں دونوں کی آیندہ زندگی کی خبر دیتی ہیں کہ اول الذکر کو گداگری اور ثانی الذکر کو عیش کرنا ہے۔

دلی کے مسلمانوں کی عزت اس وقت پنجابی سوداگروں کے دم سے ہے۔ پُرانے خاندان صرف بیچارے مٹ گئے اور ان سوداگروں نے نصف صدی کے اندر تمام ہندوستان میں اپنا سکہ جما لیا۔

۱۹۰۹ء میں میں دہلی جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک پنجابی سوداگر کا ساتھ ہوا وہ اپنے سمدھی سے ملنے دہلی جا رہا تھا۔ اُس کا سمدھی نہ صرف دہلی کا سب سے بڑا مسلمان تاجر تھا بلکہ کلکتے کے بڑے تاجروں میں اُس کا

شمار ہوتا تھا۔ میرے لیے دوست نے مجھے اپنے سمدھی کے گھر مہمان کرنا چاہا۔ ریل سے میں اترا اور کفایت شعاری کا تماشا دیکھنے لگا۔ اسٹیشن سے باہر میں سواری کی تلاش کرنے لگا تو تاجر صاحب نے میرا ہاتھ پکڑا کہ تین چار فرلانگ پر میرے میزبان کا گھر ہے۔ سواری کی کیا ضرورت ہے۔ قُلیوں پر اسباب رکھکر ٹہلتے ہوئے چلے۔ ہم کو ٹھکانے پر پہونچے تو صرف ایک دفتر اور ایک چھوٹا سا سائبان دیکھا۔ مردانہ مکان کا حصہ بس اسی قدر تھا میزبان ہوٹل میں سید علی نام سے ملتے گئے تھے۔ ٹیلی فون کے ذریعہ سے انھیں اطلاع دی گئی اور تھوڑی دیر میں وہ موٹر پر سوار ہوئے۔ اُسی دالان میں کھانا آیا اور سیاہ کپڑے پر چُنا گیا۔ میں کھانا بہت سادہ کھاتا ہوں لیکن نہ ایسا جیسا کہ مجھے ملا۔ وہ دالان مکتب خانہ بھی تھا اور مہمان خانہ بھی تھا۔ دن کو چارپائیاں باہر کر دی جاتی تھیں اور رات کو اپنی جگہوں پر آجاتی تھیں۔ میرے نفس نے یہ مہمانی قبول نہ کی اور ہوٹل میں اُٹھ گیا۔ لیکن رات کو پھر ایک بار آنے کا وعدہ کرتا گیا۔ میرا یہ خیال تھا کہ میزبان دن کے بے سروسامانی سے محجوب ہے رات کو اُس کے پُرتکلف کھانے میں شریک نہ ہونا اُس کی دلشکنی کا باعث ہوگا۔ رات کو جو میں آیا تو صرف میٹھے چاولوں کا اضافہ تھا۔ تانبے کے برتنوں میں گھر کے کھانے تھے اور ایک اور ظرف گلی میں بازار کی بالائی تھی لیکن اتنی کم کہ اُس کے کھانے سے بدہضمی کا وہم بھی نہ آسکے۔ دہلی ایسا شہر دہلی کا سب سے بڑا تاجر اور تقریب بھی کیا تھی ؟ قریبی رشتہ دار کی آمد تھی۔ اور کھانے کی یہ سادگی تھی۔ اُس وقت میرے سمجھ میں آیا کہ جنھیں اپنے لڑکوں کو دُنیا کی تعلیم دینا ہو اُنھیں اپنے بچّوں کو کچھ دنوں کے لئے تاجران دہلی کی درسگاہوں میں ضرور بھیجنا چاہیئے۔

کوئی پیشہ ہو کفایت شعاری ابتداءً لازم ہے۔ ایک شہر میں دو لڑکے بیرسٹری پاس کرکے آئے ایک ہندو دوسرا مسلمان۔ دونوں کے باپ پنشنر سب جج تھے۔ دونوں نے میری دعوت کی۔ ہندو کے گھر میں گیا تو ایک لیمپ دالان میں تھا، پھر وہی اُٹھکر ڈرائینگ رُوم میں پہونچا اور پھر کھانے کے کمرے میں آیا۔ کھانے بھی سب سادہ اور سریع الہضم تھے۔ مُسلمان بیرسٹر کے گھر جو میں گیا تو تمام کمرے بقعۂ نور ہو رہے تھے اور کھانے بھی ایسے پُرتکلف ملے کہ انھیں کھاکر کئی روز تک میں بے لطف رہا۔ ان دعوتوں سے میں نے ہندو بیرسٹر کی کامیابی اور مسلمان بیرسٹر کی ناکامی کا خیال قایم کیا اور ایسا ہی ظہور میں آیا۔ کفایت شعاری رازِ ترقی کا کوئی شعبہ زندگی کا اس کلیہ سے مستثنےٰ نہیں ہے۔

یہاں تک تو کفایت شعاری کے معنی اور فوائد اور فضول خرچی کے نقصانات سمجھائے اور بیان کئے گئے۔ اب عملی طور پر کچھ کفایت شعاری کے نسخے نمونتہً تحریر کئے جاتے ہیں کہ جو لوگ کفایت شعاری پسند کریں وہ عمل کرنا بھی سیکھیں۔

(۱) جوتوں کو دھلوانا اور ان کی مرمت کروانا جوتوں کی عمر کو دو چند سہ چند بڑھا دیتا ہے۔

(۲) رُوئی دار کپڑوں کا مرمت کرنا اور دُھلوانا تو عموماً رائج ہے لیکن اُونی کپڑوں کے ٹکڑے دُھلوانے اور رنگوانے کا رواج نہیں ہے۔ پشمینے کے سوا اور کپڑوں کی طرف لوگ توجہ نہیں کرتے حالانکہ تمام گرم کپڑوں کے بار بار دُھلوانے رنگوانے کا اہتمام کیا جائے تو اُونی کپڑوں میں جو اوسط خرچ سالانہ ہوتا ہے اُس میں دو چند کی کفایت ہو سکتی ہے۔

(۳) پُرانے کپڑے پھینک دیئے جاتے ہیں اگر اُن سے جیبی رُومال ترشوا کر بنوائے جائیں تو نئے جیبی رُومالوں کی خریداری ایک قلم موقوف ہو سکتی ہے۔

(۴) پلنگ کی چادریں زائد تر بیچ میں پھٹتی ہیں۔ ان سے تکیے کے غلاف یا چھوٹی میزی چادریں بخوبی بن سکتی ہیں۔

(۵) بچوں کے کپڑے نمو کے زمانہ میں ہرگز نئے نہ بنائے جائیں۔ کیونکہ ہر سال یا ہر دوسرے سال وہ بیکار ہو جاتے ہیں۔ باپ اور ماں کے پُرانے کپڑوں سے سُوتی اور اُونی ہر قسم کے کپڑے اچھے سے اچھے بن سکتے ہیں۔ بچوں کی ماں خوش سلیقہ ہے یا دوسروں کی خوش سلیقگی اس کی مُعین ہے تو بچوں کے پُرانے کپڑے ہرگز پُرانے نہ معلوم ہوں گے۔ ہم لوگ پُرانے کپڑوں کو جھاڑن اور صافی کے کام میں لاتے ہیں یہ غلطی ہے۔ سال میں ایک روپیہ یا آٹھ آنہ کے موٹے کپڑے کی جھاڑن اگر خرید لئے جائیں تو اس سے بیسوں روپئے کے پُرانے کپڑے جھاڑن اور صافی سے بچ کر دوسرے مصرف میں لائے جا سکتے ہیں۔ بے موقع نہیں ... جھاڑن اور صافی گرم پانی میں ہفتہ وار یا ہفتہ میں دو بار دُھلوائے جائیں تو کسافت ... بلکہ جلد پھٹنے اور بیکار ہو جانے سے ... رہیں گے۔

(۶) جھاڑو دینے میں جو چیزیں گھر کی باہر پھینک دی جاتی ہیں ان میں ... معدنیات کے ٹکڑے جُدا جُدا کر لئے جائیں تو سال میں ایک مرتبہ وہ زر نقد ... ہو سکتے ...

(۷) دروازوں میں جو شیشے لگائے جاتے ہیں ان میں سے مستطیل ٹکڑے ... پھینکے نہ جائیں تو وہ بھی بجائے ایک کے ... کام دے سکتے ہیں ... خطوط بدنما نہیں ہوتے بلکہ خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔

(۸) میرے بچپن میں صرف تانبے کے برتنوں کا رواج تھا ... میں ... جب ہوئی وہ چمکنے لگے۔ چاندی کے برتن حرام تھے تو یہ نعم البدل تھے اور لطف یہ ... کا تھا جب چاہا اَونے پَونے بازار میں بیچ لیا۔ غربا کے لئے مٹی کے برتن کو ملول ...

[illegible] کے چینی شیشے [illegible] جلے ہیں جو آئے دن ٹوٹتے ہیں اور ٹوٹنے پر کچھ قیمت نہیں رکھتے۔ میرے ایک [illegible] نے ایک مرتبہ میرے [illegible] ایک کتاب میں [illegible] چاول [illegible] وہ چاول ایک دوسرے [illegible] کے پاس [illegible] دیے [illegible] دوست کی [illegible] نے وہ کتاب [illegible] ایک اور کتاب کی فرمائش [illegible] خانہ [illegible] میں حیران تھا کہ کیا کروں۔ آخر [illegible] کتاب کے [illegible] ہوئی [illegible] شیشے کے گلاس مجھ سے مانگے اور میں نے [illegible] گلاس [illegible] صحیح و سالم [illegible] مجھے [illegible] لانا پڑے گا [illegible] ٹوٹ [illegible] اور شیشے کے [illegible] کے برتنوں [illegible] نہایت [illegible] بالکل خلاف [illegible] کے گلاس [illegible]۔ باقی [illegible] وصواب [illegible] اور پانی [illegible] والے [illegible] وں کے منہ پر [illegible] ہی کہ کیوں [illegible] کا [illegible] تھا تو [illegible] کا آپ خود [illegible] تھا۔

۹ [illegible] ان میں پودوں کی چھال [illegible] ایک ٹاٹ [illegible] کے اوپر منڈھا [illegible] بہت [illegible] رہتے ہیں۔ سبز رنگ [illegible] زمین کا فرش [illegible] پوش [illegible] نہایت [illegible] بن سکتے ہیں۔ دوسرے [illegible] ٹاٹ ہی۔ [illegible] صفت [illegible] اور [illegible]

[illegible] کے [illegible] دن [illegible]

[illegible] معدا [illegible] کے جوتوں کا [illegible] تمھاری پاؤں [illegible] نوبت کفایت ہوئی [illegible] مطابق انھیں پکنا چاہیے [illegible] ہی تیل [illegible] سریع الہضم ہوتا ہے اور کھانا [illegible] ہدایت اسی اُصول پر ہی۔ بہتر سے بہتر کھانا [illegible] معدے کو خراب کرنا اور طبیب و ڈاکٹر کی مہربانی کرنا ہی۔

[illegible] ہی۔ گھی سے تیل اور تازہ چربی بہتر ہی۔ تیل کھانے سے معدہ قوی ہوتا ہی اور [illegible] تیل کھانے سے نفرت معلوم نہیں کیوں ہی؟ انگریزوں سے زائد تر تو ہندوستانیوں [illegible] انگریز چربی کو سریع الہضم سمجھ کر گھی پر ترجیح دیتے ہیں۔

(۱۳) چیتھڑا کپڑا بدن کو تکلیف دیتا ہی اور جلد پھٹتا ہے۔ ڈھیلے کپڑوں سے جو لوگ نفرت کرتے ہیں غلطی کرتے ہیں۔

(۱۴) خفیف سے خفیف حصّہ آمدنی کا برابر پس انداز ہوتا رہی تو ایک زمانہ میں پس انداز کرنے والا اغنیا میں شمار کیا جائے گا۔

ابوالفضل محمد احسان اللہ (عباسی) گورکھپور

التماس

بخدمت ناظرین سودمند

آپ صاحبوں میں سے اگر کسی صاحب نے

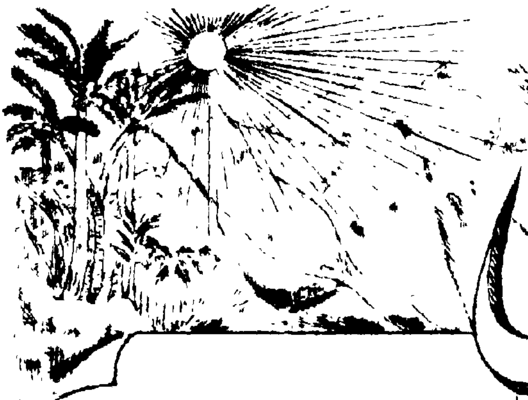
(۱) اپنے کسی بچہ کا حساب ڈاک خانہ میں کھلوایا ہو اس طرح کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے پیسے یا روپیہ داخل کرے۔

(۲) غریب مزدوروں اور کاریگروں کو آمادہ کیا ہو کہ وہ اپنی آمدنی میں سے کچھ پس انداز کیا کریں

(۳) زمینداروں کو آمادہ کیا ہو کہ وہ انجمنہائے امداد باہمی کے ذریعہ اپنی جماعت کا سرمایہ فراہم کریں تو از راہ کرم نیازمند کو مطلع فرمائیں۔

خاکسار

ایڈیٹر سودمند۔ علی گڑھ



خضاب کی شیشی توڑ کر پھینک دیجئے

کیونکہ

برسوں کی تحقیقات اور تلاش کے بعد ہمارے فن اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سفید بال پر خضاب لگانے والی دوائی [illegible] سے ہمیشہ کے لئے سیاہ ہو جاتے ہیں [illegible] خضابوں کی ضرورت ہی نہ ہو [illegible] ہو گئی [illegible] **کھانے سے سفید بال کالا تیار ہو گیا** جس کے استعمال سے [illegible] سیاہ [illegible] قیمت [illegible] آدمی کے لئے [illegible]

قیمت [illegible] محصول ڈاک۔

نوٹ ۔ اگر [illegible] سیاہ [illegible] ہو گیا ہو۔

آیندہ استرے بھی توڑ ڈالیے

نئی تلاش۔ جدید ایجاد جسے حسینی منقوں میں سجا کر لیا

[illegible] شیشہ [illegible] صرف [illegible] کی مانند لگانے سے [illegible] نازک بدن کے بال تمام [illegible] اڑ جاتے ہیں اور پھر دوبارہ نہیں پیدا ہوتے [illegible] جلد میں کسی قسم کی تکلیف ہوتی ہے بلکہ جلد ریشم کی طرح [illegible] آ جائے گی۔ [illegible] موچنے سے بال اکھیڑنے یا استروں سے صاف کرنے کے پیچھے [illegible] ضرورت نہیں۔ بال [illegible] ہمیشہ کے لئے صفاچٹ میدان ہو جاتے ہیں۔ لہذا آیندہ استرے بھی توڑ ڈالیے۔ [illegible] ہمیشہ کے لئے بال صفا صابن۔ [illegible] سے نجات حاصل کیجئے۔

قیمت فی بکس دو روپیہ محصول ڈاک ۵؍

المشتہر

مینیجر آر کے۔ کاکا اینڈ کو بازار مچھی ہٹہ لاہور

قواعد انجمن فلاح المسلمین

مسلمانوں کی مالی اصلاح کے لئے ضرورت ہے کہ ہر مقام پر مندرجہ بالا نام کی ایک انجمن قایم کی جائے۔ ذیل میں بطور نمونہ کے چند قواعد درج کئے جاتے ہیں امید ہے کہ اس نمونہ پر انجمنیں قایم کرکے مقامی ضروریات کے مطابق قواعد بنائے جائیں گے اور جہاں کوئی انجمن پہلے سے موجود ہو وہ بھی مسلمانوں کی مالی بہبودی کے کام کو اپنے قواعد میں داخل کرے گی اور اپنی کارروائی سے اڈیٹر سود مند کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتی رہے گی۔ جدید انجمن قایم ہونے کی خبریں رسالہ سود مند میں شائع کی جائیں گی۔

مجوزہ قواعد یہ ہیں:-

(۱) فلاح المسلمین کے مقاصد وہی ہوں گے جو صفحہ اوّل پر پہلی تین دفعات میں درج ہیں۔

(۲) ممبروں کے ذاتی فرائض حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) اپنی آمدنی کا کم سے کم دسواں حصہ کسی بنیک یا ڈاک خانہ یا کسی محفوظ مقام میں جمع کرنا۔

(ب) اپنی زندگی کا بیمہ کرانا تاکہ پس ماندگان کسی کے دست نگر نہ ہوں اور ہر بچہ کا تعلیمی بیمہ کرانا تاکہ اس کی تعلیم بے کھٹکے ہر حالت میں جاری رہ سکے۔

(ج) اپنے بچوں کو ابتدا سے روپیہ بچانے اور بڑھانے کی تربیت دینا۔

(د) خود نہایت سادہ زندگی بسر کرنا اور شادی غمی کے مسرفانہ اخراجات سے بچنا۔

(۳) ممبروں کے ملی فرایض حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر روپیہ کا کاروبار کریں اور مسلمان دوکان داروں اور کاریگروں کو معین اور غیر معین منافعہ پر روپیہ دیکر انھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرائیں۔

(ب) مسلمانوں میں انجمن ہائے امداد باہمی اور مشترک سرمایہ کی کمپنیاں قائم کرانا۔

(ج) مسئلہ سود کے اصلی معنوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اور اس مضمون کی کتابیں مسلمانوں سے پڑھوانا اور ان کے مضامین ناخواندہ مسلمانوں کو پڑھ کر سنانا۔

مسلمانوں کی مالی حالت کا آئینہ

اسلامی انجمنوں اور مسلم ہمدردوں کی خدمت میں عرض ہو کہ وہ اپنے اپنے مقامات میں مسلمانوں کی مالی حالت کی نسبت تحقیق کریں اور اس سے ازراہ کرم ہمیں اطلاع دیتے رہیں تاکہ وہ حالات یا اُن کا خلاصہ مسلمانوں کی اطلاع کے لئے رسالہ سودمند میں شایع کیا جایا کرے۔ مالی حالت کی تفتیش میں حسب ذیل سوالات سے مدد ملے گی۔

(۱) آپ کے قصبہ یا شہر یا ضلع میں جہاں کا حال آپ کو لکھنا ہو دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کی نسبتی تعداد کیا ہے۔

(۲) بمقابلہ گزشتہ دس بیس سالوں کے مسلمانوں کی زمینداریاں اور جائدادیں اب بڑھ رہی ہیں یا گھٹ رہی ہیں۔

(۳) صنعت و حرفت اور تجارت میں مسلمانوں کی نسبتی حالت اندازاً کیا ہے۔ آیا کسی خاص قسم کی تجارت و صنعت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔

(۴) مسلمان کاریگر، کاشتکار اور دوکان دار بالعموم کس قوم کے لوگوں سے قرض لیکر اپنا کاروبار کرتے ہیں۔

(۵) مسلمان پیشہ ور بالعموم کفایت شعار اور خوش چلن ہیں یا مسرف اور بد چلن۔

(۶) مسلمانوں کو قرضداری کے چکر سے نکالنے اور اُن کا کاروبار درست کرنے کے لئے آیا آپ کے یہاں انجمن ہائے امداد باہمی یا مشترک سرمایہ کی کمپنیاں ہیں یا نہیں۔

(۷) شادی اور غمی کی تقریبات میں آپ کے ہاں برباد کن مراسم کیا کیا ہیں اور اُن کے بند کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

(۸) آپ کے ہاں مسلمانوں کی تعلیمی حالت کیسی ہے۔ کوئی قومی مدارس یا انجمنیں ہیں کہ نہیں۔

(۹) آپ کے نواح میں برادرانِ وطن اپنے بچوں کے لئے کفایت شعاری کے کیا طریقے استعمال کرتے ہیں۔

(۱۰) آپ کے نزدیک مسلمانوں کی مالی حالت کی درستی کے لئے کیا طریقے ہو سکتے ہیں۔

(التماس) جو اصحاب یا انجمنیں یہ حالات جمع کرکے مہربانی سے ہمارے پاس بھیجیں وہ اُن کی نقل اپنے پاس بھی محفوظ رکھیں اور سال بہ سال اس کا مقابلہ مسلمانوں کی حالت سے کرتے رہیں

خاکسار

اڈیٹر سودمند

رجسٹرڈ نمبر ۱۱۴۵

سود بہبود اور فلاح قوم کا ہوں متمند

سود

اعزازی ایڈیٹر مسٹر جعفر حسین

جو مہینہ میں ایک بار علی گڑھ سے شایع ہوتا ہے

جلد (۱)	یکم نومبر سنہ ۱۹۲۵ء	چندہ سالانہ (عـہ)
نمبر (۶)		قیمت فی پرچہ (۳ر)

مقاصد

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس وگداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمن ہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ملک سے ربا کو جو برباد کن اور حرام ہو مٹائے

(۳) فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا۔ اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار و تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی۔ ذہنی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شایع کرنا

باہتمام محمد مقتدیٰ خان شروانی
مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۵ء

فہرست مضامین سود مند

قواعدِ خریداری سود مند

(۱) یہ رسالہ بالعموم ۳۲ صفحات پر مہینہ میں ایک بار شایع ہوگا

(۲) قیمت سالانہ دو روپیہ ہے جو منیجر سود مند علی گڈھ کے پاس بھیجدی جائے یا وی پی بھیجنے کی ہدایت فرمائی جائے۔

(۳) نمونہ کا پرچہ بلا قیمت روانہ ہوگا

(۴) رسالہ کے لئے مضامین اڈیٹر سود مند علی گڑھ کے پاس ارسال فرمائے جائیں۔

(۵) اشتہارات کا نرخ منیجر سے معلوم کیا جائے۔

رسالہ جوازِ سود معہ فتاویٰ

اس رسالہ میں مختصر طور پر سود کی حقیقت، ربا اور سود کا فرق اور تجارتی سود کے جواز کی صورتیں معہ علمائے کرام کے فتووں کے دی گئی ہیں اور کفایت شعاری اور روپیہ جمع کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ جو صاحب ایک جلد منگانا چاہیں وہ ذیل کے پتہ پر آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیجدیں۔ ایک سے زیادہ جلدوں کی قیمت بحساب ایک آنہ فی جلد اور پانچ روپیہ فی سَو جلد ہوگی۔

منیجر سود مند علی گڈھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سود

جلد ۱ | یکم نومبر ۱۹۲۵ء | نمبر ۶

ارتداد کا حقیقی علاج

(از محمد قمر الحسن صاحب قمر - بدایونی)

تبلیغ کو جو لوگ سمجھتے ہیں فرض ہے — اُن سے بصد ادب یہ گذارش یہ عرض ہے
کرنا ہے گر ترقیِ مذہب کا انتظام — لازم ہے پہلے اس کے تنزل کی روک تھام
اور اس کی روک تھام ہے مدنظر اگر — اسبابِ ارتداد پہ فرمائیے نظر
اس پر کیا جو غور تو کھل جائیگا یہ حال — اس مفلسی کی وجہ سے آیا ہے یہ وبال
جو لوگ ہم میں مفلس و نادار ہو گئے — وہ قرض کی بلا میں گرفتار ہو گئے
بڑھ بڑھ کے جب پہاڑ ہوا بار سود کا — آخر کو جھیلنا ہوا دشوار سود کا
مقروض تھا جو شخص وہ مجبور ہو گیا — سمجھا تھا جس کو زخم وہ ناسور ہو گیا
جس سے مقابلہ وہ قوت نہیں رہی — مشکل میں دے جو ساتھ وہ ہمت نہیں رہی
حالت رہی درست نہ قائم رہے حواس — مشکل نجات ہو گئی نذرِ ہجومِ یاس
اتنا تباہ حال ہو جس بدنصیب کا — کم ہے جو کچھ بھی دین نہ ہو اس غریب کا

مذہب کا اپنے آپ کو ہے کچھ اگر خیال
لازم ہے ان غریبوں کی ہر وقت دیکھ بھال
کوشش یہ ہو کہ قوم کفایت شعار ہو
مقروض ہو نہ کوئی نہ یوں زیربار ہو
محنت سے پیٹ بھی نہ انسان کا بھی ملے
لیکن جو کچھ کمائے کچھ اس میں بچا بھی لے
کچھ نقد ہو جو اپنی مصیبت میں کام آئے
کچھ نقد اپنے بعد عزیزوں میں چھوڑ جائے
یعنی کہ زندگی کا ہو جب اس کی اختتام
پس ماندہ رشتہ داروں کا ہو اس سے انتظام
جائداد پر نہ دانت مہاجن لگا سکیں
بے فکر رہ کے بچے بھی تعلیم پا سکیں
یہ ہو گیا تو اس کا بھی ہو جائے گا علاج
کہتے ہیں ارتداد کا فتنہ جسے ہم آج
اور اس کے ساتھ ساتھ ہیں جو لوگ مالدار
امداد باہمی وہ کریں مل کے اختیار
قائم ہوں اپنے بنک کھلیں اپنی کوٹھیاں
اپنی رقم یہاں رہے اپنی رقم وہاں
دولت شریک حال ہو اقبال یار ہو
نادار ہے جو قوم وہ سرمایہ دار ہو
حملے کا جب مزہ ہے کہ ہمت بھی ساتھ ہو
ہمت ہے جب مفید کہ قوت بھی ساتھ ہو

قرض سے بچو !

(از فیض الحسن صاحب فیضی شاہجہانپوری)

جاگ اٹھی دنیا زمانہ ہے بہت کچھ جوش میں
ہوش میں آؤ مسلمانو خدارا ہوش میں
جس سے تم اپنی بھلائی کے سخن دیکھو سنو
وہ بصارت آنکھ میں ہو وہ سماعت گوش میں
ہم نے مانا تم یہ کہتے ہو یہ پاس آبرو
ریشمی جامہ ہو سچے تار ہوں پاپوش میں
لیکن ان باتوں کا ہے بے عزتی انجام کار
کیونکہ ہم پاتے ہیں تم کو قرض کی آغوش میں
قرض اس قابل بھی اک دن چھوڑنے والا نہیں
جس سے تم پیوند تک لگوا سکو پاپوش میں
کچھ تو کردو خرچ کم کچھ تو نتیجہ سے ڈرو
کچھ تو بدلو طور اپنے کچھ تو آؤ ہوش میں
تم کرو تو ترک کر سکتے ہو سب خرچ فضول
تم اگر آؤ تو آسکتے ہو اب بھی ہوش میں
دیکھ کر حالت کو اپنی سوچ کر انجام کار
کچھ کرو کھانے میں کم کچھ جامہ و پاپوش میں
اے مسلمانو تمہارے صرف بیجا دیکھ کر
چپ رہے کیوں کر کہ ہے فیضی نہایت جوش میں

مسلمان آپس میں کیوں لڑتے ہیں

(نوشتہ مولوی سید طفیل احمد صاحب ساکن منزل علیگڑھ)

یہ وہ لکچر ہے جو جناب موصوف نے مسلم کلب لکھنؤ کے زیر اہتمام ۵ ستمبر ۱۹۲۵ء کو مسلمانوں کے ایک جلسہ عام میں دیا

مسلمانوں کا طغرائے امتیاز

مسلمانوں کا طغرائے امتیاز اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ہے۔ وہ عرب ہوں یا ترک، چینی ہوں یا مصری، ہندی ہوں یا تاتاری غرض کہ ایک دوسرے سے خواہ کیسے ہی اجنبی کیوں نہ ہوں وہ اس سے مستغنی ہیں کہ کہیں یکجا ہوں تو اس امر کی ضرورت ہو کہ کوئی تیسرا آدمی ایک دوسرے کی تعریف کر کے انھیں ملائے۔ وہ السلام علیکم کہہ کر ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔ کھانے کا وقت ہو تو دونوں ساتھ بیٹھ کر بے تکلف مثل حقیقی بھائیوں کے ایک برتن میں کھانا کھا لیتے ہیں۔ نماز کا وقت ہو تو باوجود مختلف العقائد ہونے کے ایک جا نماز پڑھ لیتے ہیں۔ دنیا کے لوگ مسلمانوں کے اس بھائی چارہ پر رشک کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے مذہب کی برابر کسی میں میل جول اور اتحاد و اتفاق کی قابلیت نہیں ہے۔

زندگی کے لئے جنگ

مگر افسوس کہ یہ اتحاد و اتفاق محض میل جول تک محدود ہے اور یہی مسلمان جب معاملات اور میدان عمل میں آتے ہیں تو اُن کی برابر کوئی قوم آپس میں لڑنے والی نہیں ہوتی۔

یوں تو لڑائی حیات کی ایک علامت ہے وَفِی الْعِتَابِ حَیٰوۃٌ یعنی لڑائی زندگی ہے چوپایوں میں بکری اور پرندوں میں فاختہ سے زیادہ بھولے جانور نہیں مگر ریوڑ میں دیکھا ہوگا کہ دو بکریاں کھڑی ہو ہو کر اور پیچھے ہٹ ہٹ کر کس طرح ایک دوسرے کو ٹکریں مارتی ہیں حتیٰ کہ بعضوں کے سینگ ٹوٹ ٹوٹ جاتے ہیں اور دو معصوم فاختائیں لڑتے لڑتے ایسی مدہوش ہو جاتی ہیں کہ اس حالت میں ان کے پاس پہونچ کر پکڑ بھی لو تو اُنھیں پتہ نہیں چلتا مگر یہی کمزور جانور جب اُن کی نوع پر کسی کا حملہ ہوتا ہے تو منفرداً اور مشترکاً اپنے سے دس گنے تک کا مقابلہ کرنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ گائیں خطرہ کے وقت مل کر شیر کا مقابلہ اپنے کمزور سینگوں سے کر بیٹھتی ہیں۔

اتفاق کی کوشش نفاق بڑھاتی ہے

مگر حیرت یہ ہے کہ وہ مسلمان جو سوشل اُمور میں سب قوموں سے زیادہ متمدن نظر آتے ہیں اپنی نوع اور اپنی موجودہ اور آئندہ نسلوں کی حفاظت کے لئے متحد نہیں ہو سکتے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے بچّوں کو غیر قوموں کی دست برد سے بچانے اُنھیں دینی اور دنیوی تعلیم دلانے کے لئے انجمنیں بناتے ہیں۔ کمیٹیاں قائم کرتے ہیں مگر بالعموم مسلمان افراد اور ان کی انجمنوں میں مسابقت سے گذر کر مخالفت ہو جاتی ہے۔ جب مخالفت سے صریحاً قومی نقصان محسوس ہوتا ہے اور اس امر کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں ایک متحدہ قوت قائم کی جائے اور اس کے لئے جب کوئی مرکزی تبلیغی جماعت یا آل انڈیا مسلم پارٹیز کانفرنس منعقد کی جاتی ہے تو وہ اور باہمی رنجش کی موجب ثابت ہوتی ہے اور باہمی تنازعات سے اور زیادہ قومی نقصان ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے جو قومیں ایک دوسرے کے ساتھ نہ کھا پی سکتی ہیں حتٰی کہ ایک دوسرے کے سایہ سے بھاگتی ہیں اُن کی حالت کو اخبار صدائے مسلم کانپور کے اڈیٹوریل میں سے نقل کرتا ہوں۔

ہندوؤں کی تنظیم "کانگریس اُن کی پارلیمنٹ ہے، ہندو مہاسبھا، برہمو سماج، آریہ سماج، سناتن دھرم سبھا، مارواڑی کانفرنس، گائے کانفرنس، نان برہمن کانفرنس، ویش کانفرنس، کائستھ کانفرنس اور اب تو اچھوت کانفرنس، سوشل کانفرنس، مزدور کانفرنس، تجارتی ایسوسی ایشن، سائنس کانفرنس، چمار کانفرنس اور مہتر کانفرنس غرض کہ ہر فرقہ کی کانفرنسیں اور ہر جاتی کا سمیلن موجود ہے۔ اور اگر کلبوں اور ایسوسی ایشنوں کا شمار کرنے بیٹھ جائیں تو ایک اچھی خاصی ڈائرکٹری تیار ہو جائے ہر شہر اور ہر قصبہ میں متعدد نظام موجود ہیں۔ .... اُن کے یہاں دان برمحل صرف ہوتے ہیں۔ گئو رکھشا کے نام سے لاکھوں روپیہ فراہم ہوتا ہے۔ بینک سسٹم اُن کے ہاں عام ہے۔ کسی کام کے لئے روپیہ فراہم کیا گیا اور بینک میں جمع کر دیا گیا۔ اس کے سود کی آمدنی سے کام چلایا گیا اس طرح اس کام کے لئے مستقل آمدنی کی صورت نکل آئی۔ اب بار بار قوم کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ برادران ہنود میں ایک اور خوبی ہے وہ یہ کہ ہر شخص اپنے رجحان طبع کے موافق ایک میدان عمل مقرر کر لیتا ہے اور عمر بھر اس کی تکمیل کو مقدم رکھتا ہے دماغی کارکنوں میں کوئی تعلیم کو مطمح نظر بنا لیتا ہے تو کوئی مذہبی کو۔ کوئی سیاست دانوں میں شامل ہو جاتا ہے تو کوئی سوشل اصلاح کو پیش نظر رکھتا ہے۔ کبھی کبھی عام طور پر بھی چندے ہو جاتے ہیں بلکہ بعض صوبوں اور بعض ہندو فرقوں میں تو ہر ہر فرد اپنے ذمہ ایک قومی ٹیکس عاید کر لیتا ہے جو بلا ناغہ ادا کر دیا جاتا ہے بلکہ اب تو ہندوؤں کے عوام نے بھی اجتماعی طریقے ایجاد کر لئے ہیں۔ مثلاً لاٹری سسٹم، یہی زندہ قوم کے طریقے ہوتے ہیں لیکن یہاں (یعنی مسلمانوں میں) صورت دگرگوں ہے۔ ہمارے خیال میں مسلمانوں میں کام کرنے والوں کی کمی نہیں۔ البتہ کام کرنے والوں کی بدانگلی اور ہوسناکیوں نے اُن کے حوصلے پست کر رکھے ہیں پھر مالی مشکلات کا رونا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ جس وجہ سے ہماری جماعتوں میں اتحاد عمل ناممکن ہو رہا ہے وہ مالی کشمکش ہے آمدنی کی جو مدات مثلاً زکوٰۃ۔ صدقہ۔ خیرات۔ اوقاف

اور چندے وغیرہ کی ہیں۔ وہ محض اس وجہ سے منظم ہونے میں نہیں آتیں کہ ہر شہر کی ہر جمعیت اور ہر مد کا متولی سب کچھ اپنے ہی لئے چاہتا ہے۔ یہی وجہ فساد ہے ماسوا پبلک کا خیال ہے کہ مختلف امور کے لئے جو زبردست چندے ہوئے ہیں۔ ان رقوم کا بڑا حصہ ہمیشہ "گندم نما جو فروشوں" نے ہضم کر لیا۔ لیکن اس بے سری فوج میں کیا تنظیم ہو جس کا ہر فرد مشکوک ہے اور بھائی کا بھائی پر اعتماد نہیں۔ پبلک یا اجتماعی کام دنیا میں باہمی اعتماد اور رواداری پر چلتے ہیں۔ جہاں یہ دونوں باتیں مفقود ہوں وہاں کیا ہو سکتا ہے۔ آہ یہ اس کی امت کا حال ہے جو رسالت ملنے سے پہلے قوم کا امین کہلاتا تھا۔

ہندو مسلمانوں کی نسبتی حالت | صدائے مسلم کی اس بے نظیر تشخیص مرض سے ہندوستان کی مختلف قوموں کے متعلق حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

ہندوؤں میں	مسلمانوں میں
(۱) بینک سسٹم کی وجہ سے روپیہ محفوظ ہے مستقل سرمایہ کے سود سے کام چلتا ہے۔ بار بار قوم کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں	(۱) کام کرنے والوں میں بدمعاملگی اور ہوسناکی ہے
(۲) ہر فرد اپنے اوپر قومی ٹیکس عائد کر لیتا ہے اور خود ادا کرتا ہے۔	(۲) جو زبردست چندے ہوئے ہیں ان کا بڑا حصہ گندم نما جو فروشوں نے ہضم کیا ہے۔
(۳) افراد اپنے اپنے لئے میدان عمل مقرر کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے سے تعرض نہیں کرتے۔	(۳) بھائی کا بھائی پر اعتماد نہیں۔ ایسی بے سری فوج میں کیا تنظیم ہو جس کا ہر فرد مشکوک ہے۔ باہمی اعتماد اور رواداری نہیں۔
(۴) مختلف الخیال اور مختلف العقائد لوگوں میں کاموں کی ایک تنظیم ہے	(۴) کشمکش کی وجہ سے اتحاد عمل ناممکن ہو۔ یا ہر شہر کی جمعیت اور ہر مد کا متولی سب کچھ اپنے لئے چاہتا ہے یہی وجہ فساد ہے۔

نتائج | صدائے مسلم نے جو وجہ فساد قرار دی ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ افراد سے لے کر انجمنوں تک سب روپیہ کی کمی سے پریشان ہیں جو انجمن قائم ہوتی ہے اُسے سب سے زیادہ روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے مقامی افراد ذاتی افلاس کی وجہ سے اس کی مالی امداد نہیں کر سکتے اس لئے لامحالہ اس انجمن کو اپنی حدود سے باہر جا کر دوسری انجمنوں کے علاقوں میں چندہ مانگنا پڑتا ہے تب بھی پورا نہیں ہوتا۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے اکثر انجمنیں اپنے یوم ولادت سے ہی آل انڈیا ہونے کا دعوی کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے پرانی انجمنوں سے تصادم اور تصادم سے فساد ہوتا ہے ہندوؤں میں ہر فرد اپنے اوپر قومی ٹیکس عائد کر لیتا ہے اور

خود ادا کرتا ہو اپنے لئے میدان عمل قرار دے کر اپنی عمر اس کام کی تکمیل میں صرف کر دیتا ہو مگر مسلمانوں میں جس بدقسمت کے دل میں قومی خدمت کی لگن پیدا ہوتی ہو اُسے پہلے دن سے گداگری کا پیالہ ہاتھ میں لینا پڑتا ہو جسے وہ اسلامی ریاستوں - بمبئی - راندیر - کلکتہ - رنگون میں لئے لئے پھرتا ہو وہاں دوسرے قومی گداگروں سے زبردست مقابلہ اور گلخپ ہوتی ہو وہاں سے جو کچھ جھپٹ کر لاتا ہو اُسے بنک میں رکھ کر اس سے مستقل آمدنی پیدا کرنے کی جگہ چند روز میں قومی کاموں میں صرف کر ڈالتا ہو اور کچھ عرصہ بعد پھر گداگری کے لئے نکلنے پر مجبور ہوتا ہو وہ گداگری کے پیشہ میں ناکام ہو تب تو اس کی زندگی تلخ ہی ہی لیکن اگر وہ کامیاب بھی ہے اور کام چلانے کے لئے اُسے کافی روپیہ مل رہا ہو تو یا تو بقول صدائے مسلم وہ گندم نما جو فروش بن کر چندے ہضم کرتا ہو اور اگر وہ دیانت دار ہو تو اس کے جو کے بھائی بند قومی خدمت کے بہانہ سے اس انجمن میں دخیل ہو کر یا ملازم ہو کر اس روپیہ سے مستفید ہونا چاہتے ہیں اور جب اُس میں رکاوٹ ہوتی ہو تو فساد کرتے ہیں اخبارات میں مضامین لکھتے ہیں - بڑے بڑے پوسٹر لگاتے ہیں - کارکنوں کو بدنام کر کے ملک میں اُن کے خلاف ناراضی پھیلاتے ہیں - غرض کہ مسلمان نیک نیت ہوں یا بدنیت ' دیانت دار ہوں یا بد دیانت ' قومی خیر خواہ ہوں یا بدخواہ ' قوم کے عام افلاس کی وجہ سے سخت تملق اور باہمی تنازعات میں مبتلا ہیں -

افراد میں اختلاف کی وجہ یہ جو کچھ عرض کیا گیا قومی انجمنوں اور قومی کاموں کا حال ہو اسی پر مسلم افراد کو قیاس کر لیجئے کہ جو لوگ ذاتی ضروریات کی فکروں میں شب روز لگے رہتے ہیں اُن کے دماغ میں دوسروں کی بھلائی کا خیال کیسے سما سکتا ہو ہر شخص واقف ہو کہ جب ملک میں قحط پھیلتا ہو اور بھوک کی شدت ہوتی ہے تو کتنے آدمی بلالحاظ مذہب و ملت کے اپنے بچوں کو بھون کر کھا جاتے ہیں - گویا افلاس اور ضرورت مندی جس قسم کی شقاوت قلبی انسان میں پیدا کرتے ہیں دنیا کی کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتی - جب دو قومیں ملک گیری یا کسی دوسری نفسانی خواہش کے لئے ایک دوسرے سے لڑتی ہیں تو اُن کے آداب میں یہ داخل ہو کہ وہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے چھوڑ دیں مگر بھوک وہ بلا ہو کہ تمام تہذیب ' آداب اور [illegible] بالائے طاق رکھ دیتی ہو اور انسان میں بدترین قسم کی عداوت اور بغض کو جاگزین کر دیتی ہے

خود غرضی فساد کی بنیاد ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام فسادات کی بنیاد صاف ظاہر ہو کہ خود غرضی زیادہ تر ضرورت مندی کا نتیجہ ہو اس کی ایک ادنیٰ [illegible] افراد کے سامنے دنیا کی نعمتیں پڑی رہیں تو انھیں اُن کی طرف رغبت نہ ہوگی [illegible] سوکھا ٹکڑا بھی پڑا ہوگا تو اس کے لئے وہ ایک دوسرے کی جان لینے تک پر آ [illegible]

پر ہمارے قوم کے افراد کا قیاس کر لیجئے کہ جب افراد میں ضرورت مندی زیادہ سے زیادہ ہو تو فطرتی قوانین کی رو سے زیادہ سے زیادہ خود غرضی اور زیادہ سے زیادہ باہمی فساد ہونا لازمی ہے جیسا کہ ہر مقام پر موجود ہے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں اپنی قوم کی نسبت یہ شکایت سنتا ہوں کہ ہمارے افراد میں ایثار کرنے والے اُن اقوام سے کہیں کم ہیں جنھیں ہم خسیس اور بخیل اور حقیر سمجھتے ہیں مگر انصاف سے دیکھئے تو ایسی قوم میں ایثار کیسے پیدا ہو سکتا ہے جس کا اثاثہ زندگی نادار ہو اور ضروریات غیر محدود ہوں۔ غیر محدود اس لئے کہ دنیا بھر کے تکلفات مسلمانوں کی ضروریات میں داخل ہیں۔ جو لوگ ناداری کی وجہ سے بھوکوں مرتے ہیں وہ تو خیر کسی شمار میں نہیں مگر سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کو کہیں سے کچھ مل جاتا ہے اُن کا بھی نصب العین کیا ہے؟ ان کا نصب العین ہے۔ لذیذ سے لذیذ کھانے کھانا اور عمدہ سے عمدہ کپڑے پہننا اور اعلیٰ سے اعلیٰ زندگی بسر کرنا اور یہ سب کچھ قرض لے کر۔ اور قرض بھی سودی، جو انجام کار تمام موجودات کو ہضم کر جائے۔

پچھلے چالیس پچاس سال مسلمانوں کے اس کوشش میں گذرے ہیں کہ جدید علوم پڑھ کر اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے حاصل کریں مگر جب اعلیٰ عہدے دار دس دس ہزار روپیہ ماہوار کما کر نہ صرف یہ کہ قوم کی مادی خدمات نہیں کر سکتے بلکہ اخراجات سے خود پریشان رہتے ہیں تو صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے

کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان ست

عیش پرست قومیں کفایت شعار ہیں اوّل تو مسلمان طبعاً مسرف واقع ہوئے تھے بسوء اتفاق سے اُن کے پیش نظر تمدن ہی انگلستان کا جو دنیا کی سب سے زیادہ دولت مند قوم ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اہل یورپ اور اہل انگلستان بڑے عیش پرست ہیں۔ اگر تمدنی سطح کے اعتبار سے دیکھو تو بیشک وہ بڑے عیش پرست ہیں لیکن اگر اُن کی زیادتی دولت کے اعتبار سے دیکھو تو وہ نہایت کفایت شعار ہیں۔ ہم اپنے برادران وطن کو بھی تو بڑا خسیس سمجھتے ہیں مگر گرمیوں کے موسم میں آپ پہاڑوں پر جاکر دیکھئے تو کون لوگ وہاں کے مکانوں اور بنگلوں کو ہوٹلوں اور کلبوں کو گھیرے ہوئے ہیں اور [illegible] لوگ [illegible] زیادہ سے زیادہ [illegible] صرف کرتے ہیں؟ اس کا جواب ملیگا۔ ہمارے برادران وطن! [illegible] تفریح [illegible] میں صرف کر دیتے ہیں اور وہ ہمیں اسراف اور عیش پرستی معلوم ہوتی ہے اور ہم [illegible] سمجھتے [illegible] تمدن، دَور جدید کا لازمی جزو ہے۔

[illegible] وہ اعلیٰ تمدن جو خوش نصیب اقوام نے اختیار کر رکھا ہے وہ اُن کی دولت کے مقابلہ میں [illegible]

کیسا ہی حقیر کیوں نہ ہو تاہم اس کی مضرت سے وہ لوگ بھی نہیں بچ سکتے۔

اعلیٰ تمدن کا اثر تجارت پر اور دوسری مضرت یہ ہے کہ جب ادنیٰ طبقہ کے لوگ امرا کو دیکھ کر زیادہ گراں زندگی بسر کرنے لگتے ہیں تو اس سے شرح مزدوری بڑھ جاتی ہے اور کارخانوں میں گراں مال تیار ہوتا ہے جو دنیا کے بازاروں میں اُن ممالک کا مقابلہ نہیں کرسکتا جو سستا مال تیار کرتے ہیں۔ آپ صاحبوں کو یقیناً معلوم ہوگا کہ اہل جاپان اس وقت اتنا ارزاں مال بناتے ہیں کہ وہ دوسرے ممالک میں جاکر وہاں کے کارخانوں کو شکست دیتا ہے۔ چنانچہ اس وقت خود انگلستان اور ہندوستان کی کپڑوں ملوں پر جو مصیبت آرہی ہے وہ سب جاپان کے سستے مال کی بدولت ہے۔

اہل جاپان کی خصوصیت یہ ہے کہ اگرچہ علوم و فنون اور سائنس اختیار کرنے میں وہ سب سے آگے ہیں مگر تمدن کے اعتبار سے وہ ابھی بہت پیچھے ہیں سُنا ہے کہ وہ لوگ اب تک میز کرسی اور جدید قسم کا فرنیچر استعمال نہیں کرتے بلکہ زمین پر نشست رکھتے ہیں

یہی وجہ ہے کہ وہ سادہ سے سادہ زندگی بسر کرکے زیادہ سے زیادہ ارزاں مال تیار کرسکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں جو افلاس میں لاجواب ہے اور جس کی نسبت عام طور پر لکھا جاتا ہے کہ یہاں ۲۲ فی صدی آبادی کو صرف ایک وقت کھانا ملتا ہے مزدوروں کو کارخانوں میں کام مل جاتا ہے تو وہ ہوٹلوں میں اچھے کھانے کھاتے۔ چاء اور برف پیتے۔ سگریٹ اور شراب نوشی کرتے ہیں۔ تھیٹروں، تماشوں میں اپنا روپیہ ضائع کرتے ہیں اور چار دن مزدوری نہ ملے تو سڑک پر بھوکوں مرجاتے ہیں۔

جرمنوں کی سادگی کا نتیجہ اہل جاپان کو جانے دیجیے جن کی ترقی ابھی چالیس پچاس برس سے شروع ہوئی ہے اور جو تمدن میں بہت پیچھے ہیں آپ جرمنوں کو دیکھیے جو یورپ کی سربرآوردہ قوموں میں سے ہیں پچھلی جنگ میں جب انھیں شکست ہوئی اور انھوں نے کثیر نقصانات اُٹھائے تو کل قوم نے اپنی مالی حالت کی درستی کے لئے اس یکجہتی کے ساتھ کوشش شروع کی جو مسلمانوں کا کوئی ایک خاندان بھی نہیں کرتا۔ اہل جرمن کی نسبت سُنا ہے کہ اُنھوں نے یک قلم جملہ تکلفات ترک کردئے۔ کھانے کے اوقات گھٹا دئے۔ ڈنروں اور لنچوں کو جن میں بڑے ٹھاٹھ ہوتے تھے بالکل اڑا دیا۔ جو لوگ ہزاروں روپئے کھانے پینے میں صرف کرتے تھے۔ انھوں نے ملک کے نفع کے لئے سوکھے ٹکڑوں پر بسر اوقات شروع کردی۔ صبح صبح اُٹھے جیب میں بسکٹ ڈبل روٹی ڈال کر کام پر چلے گئے۔ دن میں جب بھوک لگی جیب میں سے دو ٹکڑے نکال کر آتش شکم کو ٹھنڈا کرلیا اور چند روز میں اس کا نتیجہ دکھا دیا۔

نتیجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس قدر کم قیمت فرنیچر تیار کیا کہ اسے اہل انگلینڈ اپنے دارالامرا کے لئے خریدنے

پر مجبور ہوتے۔ اور اب تجویز درپیش ہے کہ دارالعوام کے لئے بھی جرمنی کا سستا فرنیچر خریدا جائے جس کی مخالفت انگلستان کے تاجر بڑے زور سے کر رہے ہیں۔

ہمارا نصب العین پس اے حضرات! جب انگلستان جیسا دولت مند ملک اپنی تمدن سے ہاتھوں پریشان ہے تو اہل ہند اور اہل ہند میں بھی غریب مگر مسرف مسلمانوں کا کہاں ٹھکانا ہوگا۔

حضرات! بعض اصحاب کو میری تحریک کی نسبت غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ دولت کما کر مثل اہل یورپ کے عیش کریں۔ حالاں کہ میرا نصب العین یہ ہے کہ مسلمان کم سے کم خرچ کرکے زیادہ سے زیادہ روپیہ پیدا کریں اور اپنی ذات پر نہیں بلکہ اپنی قوم پر زیادہ سے زیادہ روپیہ صرف کریں ہمارا نصب العین حالی کے یہ چند اشعار ہیں۔

جانتے ہو اے عزیزو ہے تنزل چیز کیا
اس پہ کر لینا قناعت مل گیا جو بیش و کم

گو کہ ہے افراد کے حق میں یہ خصلت کیمیا
حق میں لیکن قوم کے یاں وہی خصلت ہے سم

تن پہ تھا فاروق اعظم کے پھٹا کرتا مگر
قوم کی خاطر بھری نیت نہ لیکر ملک جم

برادرانِ وطن کی سادگی آپ صاحبوں میں غالباً اکثروں کو اس امر سے اتفاق ہوگا کہ اس وقت ہمارے برادرانِ وطن میں اکثروں کا ان اشعار پر عمل پیرا ہے۔ میں ان کے ادنیٰ سے ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ چنے چبا چبا کر ننگے بدن رہ کر سخت سے سخت زندگی بسر کرکے جو کچھ پس انداز کرتے ہیں۔ اس سے پیاؤ قائم کرتے۔ کنوئیں بناتے۔ دھرم سالے تعمیر کراتے اور درس گاہوں کے لئے بڑے بڑے اوقاف قائم کرتے ہیں۔ میں نے غریب ترین پکہاریوں یعنی رسوئی کرنے والی عورتوں کو دیکھا ہے کہ انھوں نے مدت العمر کا پیسہ پیسہ جمع کیا ہوا روپیہ بجائے حلوے اور مٹھائیاں کھانے اور اپنے لئے پختہ مکان بنوانے کے عوام الناس کے لئے کنواں بنوانے میں صرف کر دیا۔ ہر شہر میں ادھر ادھر گھومنے سے اس قسم کی فیاضیوں کی نظیریں بکثرت ملیں گی جن کا مقابلہ ہماری قوم کے وہ تعلیم یافتہ حضرات بھی عام طور سے نہیں کر سکتے جو ہزاروں روپیہ ماہوار کماتے ہیں

مسلمان تعلیم یافتہ لوگوں میں سے وہ شخص اپنے آپ کو کامیاب سمجھتا ہے جس نے مدت العمر کی کمائی میں جدید طرز کا پختہ مکان بنوالیا اور جس نے سول لائنس میں کوئی کوٹھی تعمیر کرالی۔ اس کی خوش نصیبی کی تو کوئی حد و انتہا ہی نہیں۔ کیوں کہ جس قسم کے کرایہ کے بنگلوں میں وہ بوجہ عہدے کے دوران ملازمت میں رہتا رہا۔ اسی قسم کے مکان میں بعد پنشن کے رہنا نصیب ہوا اور بس۔ گویا یہی زندگی کا مال کار تھا۔

برخلاف اس کے ہمارے برادران وطن میں کار خیر جاری کرنے والوں کی صدہا نظیریں موجود ہیں حال میں اخبارات میں آپ نے مسٹر گنگا رام صاحب انجینیر کے حالات پڑھے ہوں گے جنھوں نے طلبار کی تعلیم کے لئے اور انھیں مختلف محکمہ جات کے لئے تیار کرنے کی غرض سے ایک بڑا وقف قائم کیا ہے اور سب سے بڑا کام جو انھوں نے اپنی کمائی کے روپیہ سے کیا ہے وہ یہ ہے کہ تیس ہزار ایکڑ بیکار زمین کو گورنمنٹ سے ٹھیکہ پر لے کر اس میں تیس لاکھ روپیہ لگایا اور وہاں پانی پہونچا کر اُسے اس قابل کر دیا کہ اُس سے تیس ہزار آدمیوں کی خوراک پیدا ہو۔ وہاں سے کمیروں، خدمت گاروں اور تاجروں کو ملا کر ایک لاکھ آدمیوں کی پرورش کا انتظام ہو گیا ہے اور اس بیکار قطعہ اراضی کی قیمت کا تخمینہ چار پانچ کروڑ کے درمیان کیا جاتا ہے یہ مقام پنجاب میں ہے۔

اس کام کو اگر ذاتی بھی قرار دیا جاوے۔ تب بھی اپنے نفع کی وسعت کے لحاظ سے اس کا شمار ہر طرح پر بہترین قسم کے پبلک کاموں میں ہو سکتا ہے کیوں کہ ہر ملک میں چند افراد بھی اپنا کمایا ہوا روپیہ زمین کو اس طرح کار آمد بنانے میں لگا دیں تو کل ملک تھوڑے عرصہ میں آباد و خوش حال اور گلزار بن جائے اور کروڑوں آدمی خود دارانہ زندگی بسر کریں۔ تاہم ایسے مفید کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنے جذبات پر قدرت رکھتے ہوں اور اپنی ذات پر کم سے کم صرف کرتے ہوں۔

اصلاح رسوم میں مسلمان کیوں ناکام ہیں | اب سوال یہ ہے کہ مسلمان اپنی ذات پر کم سے کم کس طریقہ پر صرف کریں۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ مسلمانوں کو اس امر کی طرف توجہ نہیں ہے۔ مگر میرا ذاتی خیال اس کے خلاف ہے۔ میں بچپن سے سنتا آیا ہوں کہ مسلمان شادیوں اور مراسم میں بہت خرچ کر کے تباہ ہوتے ہیں۔ ایک زمانہ میں علما کا یہ مشن رہ چکا ہے کہ وہ اپنے وعظوں اور تقریروں میں کم خرچ کرنے اور خلاف شرع رسوم بند کرنے کی نصیحتیں کرتے تھے ان علمار کرام کے اثر سے عرصہ تک شادیاں اس طرح ہوتی تھیں کہ جمعہ کی نماز کے بعد نکاح پڑھا دیا گیا اور دُلہن کو اُسی وقت معمولی کپڑوں میں رخصت کر دیا گیا۔ یہ کچھ عرصہ تک رہا مگر رفتہ رفتہ پھر وہی مسرفانہ رفتار قائم ہو گئی اور واعظ اور ناصح خود گرد و پیش سے مغلوب ہو کر زیادہ صرف کرنے لگے اُن میں سے جو فارغ البال اور خوشحال ہیں وہ اپنے بچوں کی شادیوں میں مثل جہلاء کے ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ اگرچہ رفتہ رفتہ مسلمان اس قدر مفلس ہوتے جاتے ہیں کہ انھیں شادیوں میں زیادہ صرف کرنے کی استطاعت ہی نہیں رہی۔

کفایت شعار مسلمانوں کا انجام | بہرحال اس کی وجہ کیا ہے کہ باوجود اس احساس کے ہم مسرف ہیں ہم سے اسراف نہیں چھوٹتا؟

نہ چھوٹنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ جو کچھ ہم بچاتے ہیں اس کا صحیح مصرف ہمیں نہیں معلوم بلکہ بچایا ہوا روپیہ ہمارے لئے وبال جان ہو جاتا ہے اس لئے مجبور ہو کر ہم اُسے صرف کر ڈالتے ہیں۔ تھوڑے روپیہ کی ہر وقت

جائداد نہیں مل سکتی۔ وہ بھی موقع سے ملتی ہے۔ زیور کی شکل میں رکھو تو ہر شخص کی اس پر نظر پڑتی ہے۔ بالخصوص جب کہ عام سوسائٹی نادار ہو تو چند افراد کے زیوروں پر بُری بری نظریں پڑتی ہیں۔ پھر یہ کہ زیور کی وجہ سے عزت آبرو خطرہ میں رہتی ہے اور اس کی وجہ سے حادثات پیش آتے رہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ روپیہ کو زمین میں دفن کر دیا جائے اس سے اوّل تو روپیہ بیکار پڑا رہتا ہے جس سے روپیہ والے کا حوصلہ نہیں بڑھتا۔ اور اس کا خیال بھی نہ ہو تو بالعموم دفینہ کا انجام یہ ہوتا ہے کہ عزیز و اقارب حتیٰ کہ خود اولاد تھوڑا تھوڑا نکال کر ختم کر دیتی ہے۔ کاش اس طرح نکالا ہوا روپیہ بھی کارآمد مصرف میں لگے تب بھی کچھ تو مفید ہو۔ مگر وہ بالعموم عیاشی میں ختم ہو جاتا ہے میں نے بعض دفینہ والوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کے لئے راتوں جاگتے ہیں اور جاگنے کے لئے افیون کھانے لگتے ہیں۔ غرض کہ جو لوگ مسلمانوں میں روپیہ بچا کر رکھتے ہیں ان کی مٹی بھی مسرفوں سے کچھ کم خراب نہیں ہوتی۔ اور یہ سب کچھ صحیح نصب العین نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

زیادتی دولت سے امریکہ کی پریشانی

صحیح نصب العین یہ ہے کہ پس انداز کیا ہوا پیسہ بھی ایک منٹ کے لئے بیکار نہ رہے بلکہ کسی نفع آور کام میں لگے۔

ہمارے ملک میں دیگر ممالک کا کروڑوں اربوں روپیہ تجارت اور کارخانوں میں لگا ہے۔ پچھلے دنوں جب امریکہ میں دولت کی افراط ہوئی تو وہاں کے عقلاء کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر کچھ دن یہ روپیہ ملک میں پڑا رہا تو افراد قوم مسرف اور عیش پرست ہو جائیں گے جس سے انجام کار ملک کی تباہی ہوگی۔ اس لئے اہل امریکہ نے جلد سے جلد بہت سا روپیہ دیگر ممالک کو قرضہ میں دے دیا۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ یورپ و امریکہ سے روپیہ آکر تو یہاں آٹھ آنہ سینکڑہ پر قرض دیا جاتا ہے اور خود ہمارے ملک کا روپیہ یہاں دو اور تین روپیہ سیکڑہ ماہوار پر چلتا ہے وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنی کمائی صرف کر ڈالنے کے بعد ہر دم ذاتی ضرورت کی وجہ سے ہر شرح سود پر قرض لینے کو تیار رہتے ہیں۔ اس لئے ملک کا زیادہ تر روپیہ مسلمانوں کی بدولت غیر نفع آور کاموں میں لگا رہتا ہے گویا مسلمان ہی زیادہ تر اس ملک میں ربوا کے ذمہ دار ہیں جو نہ صرف یہ کہ اپنا کمایا ہوا روپیہ نفع آور کاموں میں نہیں لگاتے۔ بلکہ دوسروں کا روپیہ بھی سود یا ربوا پر لے کر صرف کر ڈالتے ہیں اور اس طرح ملک کی حقیقی ترقی میں مانع ہیں۔ غرض کہ مسلمان اگر چاہتے ہیں کہ وہ اسراف سے بچیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ اپنا کمایا ہوا روپیہ براہ راست نفع آور کاموں میں یا بنکوں کے روپیہ کے کاروبار میں لگائیں۔ بغیر روپیہ کے کاروبار میں شرکت کے تجارت اور صنعت محض فرضی اور خیالی باتیں ہیں۔ کیونکہ کوئی تجارت اور صنعت بغیر سرمایہ کے قائم نہیں رہ سکتی اور تجارت و صنعت تو بڑی چیزیں ہیں مسلمانوں میں روپیہ کا کاروبار نہ ہونے کی وجہ سے افراد میں عزیزوں میں احباب میں انجمنوں میں اس درجہ رقابت، رشک و حسد، رنجش اور عداوت ہے

جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں مشکل سے مل سکے گی۔

ہماری بربادی کی اصلی وجہ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ دوسری قومیں ہماری دشمن ہیں اس لئے ہم تباہ ہو رہے ہیں۔ قومیں ہمیشہ سے ایک دوسرے کی دشمن بھی رہی ہیں اور دوست بھی۔ جب مسلمان ابتدا میں کمزور تھے تب انھیں تمام دنیا دشمن نظر آتی تھی اور تب واقعی دوسری قومیں مسلمانوں کی دشمن ثابت ہوتی تھیں۔ کیونکہ بوجہ اپنی قوت کے اور مسلمانوں کے ضعف کے وہ مسلمانوں کو نقصان پہونچا سکتی تھیں۔ جب مسلمانوں کی قوت بڑھی تو انھیں دشمن قوموں میں سے بعض قومیں مسلمانوں کی دوست ہوگئیں۔ اس کے بعد نظام عالم کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے مسلمان پھر کمزور ہوگئے اور اب انھیں دنیا بھر پھر دشمن نظر آنے لگی۔ اب اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ ہم دنیا کی قوموں کو دشمن سمجھ کر انھیں کوسا کریں اور گالیاں دیا کریں یا کسی قوم کی چاپلوسی کر کے اس کے دوست بنانے کے خیال میں تضیع اوقات کریں۔ یہ سب کمزوری کی علامتیں ہیں صحیح طریقہ یہی ہے کہ جن ذرائع سے دیگر اقوام قوت حاصل کر رہی ہیں ہم انہیں سمجھ کر انھیں ذرائع سے قوت حاصل کریں۔ اب تو ہماری مثال بالکل ان لوگوں کے مانند ہے جو کسی گہرے کھڈ میں جا پڑیں۔ اب اوپر سے کوئی شخص ایک ڈھیلا بھی پھینک دیتا ہے تو وہ نیچے والوں کے گولی کی طرح لگتا ہے یا کشش ارضی کی وجہ سے کوئی پتھر اوپر سے لڑھک کر آتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اسے اوپر چلنے والوں نے دانستہ پھینکا ہے اس کے جواب میں کھڈ والے جو پتھر زور لگا کر اوپر والوں پر پھینکتے ہیں وہ الٹا لوٹ کر انھیں پر آن کر گرتا ہے پھر یہ کہ جو لوگ اوپر کی صاف ہواؤں میں رہتے ہیں وہ چست و چالاک ہیں۔ خوب بھاگتے ہیں۔ دوڑتے ہیں۔ اور سرخ و سپید بنے ہوتے ہیں اور یہ لوگ نیچے کی زہریلی ہواؤں میں ہر چند ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر ان سے چار قدم نہیں چلا جاتا اس حالت کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ جسم میں قوت نہیں۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی ورزشیں کرتے ہیں جو انھیں اور زیادہ تھکا کر بیدم اور کمزور کر دیتی ہیں۔ پھر ایک شخص ان میں سے کہتا ہے کہ پرانی قسم کی ورزشیں بیکار ہیں۔ جدید قسم کے ڈمبل کی ورزش کرو۔ کچھ لوگ اس سے اختلاف کرتے ہیں اور کچھ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر دونوں کی کوششوں کا نتیجہ ہیچ ہے اور تیسرا شخص آکر ایسی ورزش بتاتا ہے جس میں کچھ نئی اور کچھ پرانی ورزشیں ہیں اور جن سے بدیہی طور پر اوپر رہنے والے لوگ زیادہ تنومند بنتے چلے جاتے ہیں۔ مگر کھڈ والوں کے لئے یہ بھی قطعاً بیکار ثابت ہوتی ہیں پھر ان میں سے کوئی تیسرا شخص اور نیا طریقہ تجویز کرتا ہے جس کی بڑی مخالفت ہوتی ہے اور سب کا نتیجہ روز افزوں کمزوری و نفاق و شقاق کی زیادتی ہے اور یہ کمزوری اور نفاق بتدریج بڑھتے رہینگے جب تک کہ وہ لوگ اس سمی ہوا سے نکل کر تازہ ہواؤں میں نہ داخل ہوں جو طبیعت کو ابھارنے دوران خون بڑھانے اور جسم میں حقیقی قوت پیدا کرنے والے ہیں۔ سمی ہوا افلاس و اسراف ہے۔ اور صحت بخش ہوا سرمایہ ہے جس کے بغیر کسی قوم کا صحیح طور پر نشو و نما نہیں ہو سکتا۔ اور جس کے بغیر قومی ترقی کی کوئی تدبیر کارآمد نہیں ہو سکتی۔

منقولات

سود اور سوداگری

مسٹر سود کی دلچسپ تقریر

(از کوکب ہند آگرہ)

ہمارا خاص نامہ نگار مقیم ملک غور اطلاع دیتا ہے کہ آج کل مملکت غور میں بہت دھوم دھام اور ادوہم مچی ہوئی ہے کہیں سیاسی اکھاڑے جم رہے ہیں کہیں مذہبی چرچے زوروں پر ہیں اسی طرح ہر روز جلسے منعقد ہوتے ہیں ہر مقام میں سوچ بچار کی پکار ہے مختلف سوسائٹیاں بنے اپنے مقاصد کے حل کرنے کی صورت میں علمی مجلسیں نئی نئی باتیں دریافت کرنے میں منہمک ہیں۔ ملک غور کی تمام حالات عرض کرنے کے بعد رپورٹر لکھتا ہے کہ اسی سلسلہ میں ملک غور کے اندر کل ایک اہم اور عظیم الشان جلسہ ہوا جو کہ مشہور شہر غزنین کے چوک بازار میں منعقد کیا گیا تھا اور اس مسئلہ پر غور کرنا مدنظر تھا کہ آج کل جب کہ تمام دنیا کے باہمی روابط وسیع تر ہو گئے ہیں اور کاروبار و تجارت روز بروز عالم پر محیط ہوتا جاتا ہے تو جس طرح روپیہ اور اشیاء کا تبادلہ کرتے ہوئے اشیاء دینے والا سوداگر روپیہ دینے والے خریدار سے کچھ نفع لے لیتا ہے اور یہ ہر طرح جائز ہے اگر یہ نفع لینا دینا بند ہو جائے تو آج ہی دنیا کا بازار سرد پڑ جائے بلکہ امداد باہمی کے مسدود ہو جانے سے عالم انسان برباد اور یہ ہمارا ملک فنا ہو جائے۔

اب جس طرح اشیاء پر ہم نفع لیتے اور دیتے ہیں اسی طرح نقد روپیہ پر نفع لینا دینا جائز کیوں نہیں۔ یا یوں کہئے کہ ہم سواری کا کرایہ لیتے دیتے ہیں۔ استعمالی اشیاء کا کرایہ لیتے دیتے ہیں تو اسی طرح نقد روپیہ کا کرایہ لینا دینا کیوں درست نہیں ہے اگر اور چیزوں کا کرایہ لینا دینا ٹھیک ہے اور ظلم نہیں بلکہ باہمی امداد کے سلسلہ میں آرام کا باعث ہے تو نقد روپیہ کا کرایہ لینا دینا جو باہمی فائدہ مندی کا ذریعہ ہے کیوں ظلم و ناجائز ہو گا۔

یہ مسئلہ تھا جس پر اس جلسہ میں بڑی بڑی متمرین تقریریں کر رہے تھے مغربی مذاق کے مقررین عموماً روپیہ

کا کرایہ یا نفع لینے دینے کے جواز پر زور دے رہے تھے۔ اور مشرق کے وہ مقررین جو غیر مسلم تھے وہ بھی اسی پہلو پر زور دے رہے تھے۔ اسلامی لیکچرار عموماً روپیہ کا نفع کا لینا دینا ممنوع قرار دے رہے تھے۔ ہاں یہ عجیب دلچسپ بات تھی کہ جس چیز کو یہ حضرات حرام نہ رہے تھے بمعمولی طور پر تبدیل شکل کے ساتھ اسی کو جائز قرار دیتے تھے تمام حاضرین جلسہ محسوس کر رہے تھے کہ اسلامی مقررین بھی بہ تبدیل الفاظ باقی مقرروں سے نتائج میں ہم نوا ہو رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا مگر کیا دیکھتے ہیں کہ اتنے میں خیال کی مانند کوئی دور سے چلا آ رہا ہے۔ دیکھنے والوں میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں

آنے والا بڑے اطمینان سے اسٹیج پر آبیٹھا۔ لوگ شوق کی للچائی ہوئی نظروں سے اس کو دیکھ رہے تھے بعض لوگ کچھ غضب آلود نگاہوں سے دیکھتے تھے جلسے میں تازہ ہیجان برپا ہو رہا تھا۔ آخر صدر جلسہ جناب سود مند نے آنے والے صاحب سے تقریر کی درخواست کی اور کہا معزز ناظرین! ہماری خوش قسمتی سے اس وقت خود وہ صاحب تشریف لے آئے ہیں جن کے متعلق ہمارے لیکچر ہو رہے ہیں آپ کا نام مسٹر **سود** ہے آپ ہی وہ شہرہ آفاق وجود ہیں جنھوں نے ہمارے تمام ملک بالخصوص ہمارے شہر اور اخص طور پر تمام حاضرین جلسہ ہذا کی توجہات کو اس وقت اپنی طرف کھینچ لیا ہے میرے خیال میں بہتر ہے کہ آپ ہی اپنی داستان سنائیں اور ہم لوگ ان کے متعلق انہیں کی زبان سے سن کر لطف اندوز ہوں اور آخر کسی اچھے نتیجے پر پہنچیں۔

مسٹر **سود** چیرز کی گونج میں اٹھے اور یوں گویا ہوئے۔

حضرات! مجھے آپ خوب جانتے ہیں۔ میں کوئی نوزائیدہ بچہ نہیں ہوں۔ میں ایک قدیم الایام اور بوڑھا شخص ہوں۔ میں نے دنیا کے بڑے بڑے انقلابات دیکھے ہیں۔ مگر یہ سن کر آپ تعجب نہ کریں کہ میں آج کل باوجود بڈھا ہونے کے روز بروز جوان ہو رہا ہوں بلکہ میرا حسن دل افروز بھی ترقی کر رہا ہے میری مقبولیت روزانہ بڑھتی جا رہی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں ہلاکو اور خونخوار ہوں۔ بیشک جس زمانہ میں میری ضرورت نہ تھی اور میری طرف آنے والے میری بڑھتی ہوئی طاقت سے ناواقف تھے وہ اپنی غلطیوں سے ہلاک ہوئے اور الزام مجھ پر رکھتے ہیں آپ ہی انصاف کیجیے کہ جو لوگ کاروبار تجارت میں خسارہ اٹھاتے ہیں وہ اپنی ہی غلطیوں سے نقصان پاتے ہیں۔ کاروبار کو برا کہنا درست نہیں ہوتا۔ اسی طرح جو لوگ میرے تعلق سے نقصان اٹھاتے ہیں یہ انھیں کی خامی ہے میرا اس میں کیا قصور۔ آخر ان کو بھی تو دیکھیے جو میرے ذریعہ بن گئے ہیں تو اب اگر مجھ سے دو شاکی ہیں تو دس میرے شیدائی ہیں۔

معزز حضرات! مجھے اجازت ہو تو میں صاف صاف عرض کروں گا کہ آج دنیا کے چپے چپے پر میرا دور دورہ ہے۔ کاروبار کی ہر شاخ پر میرا قبضہ ہے تجارت کے ہر شعبہ میں میرا دخل ہے کوئی مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتا

کوئی مجھ سے روٹھ کر خوش نہیں رہ سکتا۔ میں مخفی در مخفی رہوں مگر گھروں میں اور کھلے بندوں ہر بازار میں اپنا عمل دخل رکھتا ہوں۔

ایہا المومنون! میرے بکثرت پھیلنے سے پیغمبر سلام علیہ السلام کی صداقت کا ایک پہلو روشن ہو رہا ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال قبل میری وسعت کی خبر دی تھی کہ ایک وقت آئے گا جب کہ لوگ سود لینے پر مجبور رہوں گے اگر کوئی نہ بھی لے تو کم از کم سود کا دھواں، یعنی کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہر شخص تک پہنچیگا۔ آج میں زبان حال سے اور اپنے وجود سے اس پیشگوئی کی صداقت کا اعلان کر رہا ہوں اور تمام دنیا دیکھ رہی ہے۔

حضرات! اب میں آزادی کے ساتھ یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو علمائے کرام میری نسبت حرام حرام کا ورد فرما رہے ہیں وہ بھی مجھے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ اپنا نام اور لباس بدل کر مجلس میں آؤں۔ ایسی صورت میں علما بھی قبول کریں گے اور عوام کو تو کوئی عذر نہ ہوگا۔

چونکہ میں ذاتیات کی بحث کو ناپسند کرتا ہوں اس لئے بغیر نام کے چند علمائے کرام کے مشوروں کا ذکر کروں گا جو وہ مجھے تبدیل نام اور تبدیل لباس کی بابت دے رہے ہیں۔ بعض علما مجھ سے کہتے ہیں کہ تم اپنا لقب تجارتی لین دین رکھ لو۔ اپنا نام سود ترک کر دو۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ جب تم ہندوستان میں سے نکلو تو ہم تمھیں ہر طرح قبول کرتے ہیں یہ افغانی علما ہیں جو ہندوستان میں مجھ سوائے جہاں سود کو بخوشی ہندو مسلمانوں کے ہاتھوں سے لے رہے ہیں۔

بعض علما فرماتے ہیں کہ جب تم ہندو یا عیسائی ہاتھوں میں پھنس جاؤ تو تمھیں ان کے ہاتھ سے چھڑانا ہمارا فرض ہے ان کے ہاتھ سے نکال کر ہم تمھیں کسی مقدس کام میں لگا دیں گے۔ چنانچہ چودھویں صدی کے بڑے مولوی صاحب نے جو نبوت و مجددیت کے بھی مدعی تھے مجھے بنک اور ڈاک خانہ سے نکال کر ثلج قلب کے ساتھ اشاعت اسلام میں صرف کر دینے کو کہا ہے اگرچہ ان کے بعض مرید مجھے خود ہی کھا جاتے ہیں گو ان کے مرشد نے اشاعتِ اسلام کے کمرہ میں بیٹھ کر میرے کھانے یا استعمال کرنے کو جائز ٹھیرایا ہے۔

سب سے بڑے دارالعلوم و دارالافتار کے علما نے بنک سے لے کر مجھے نام خدا خیرات کر دینے کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ دارالسلطنت ہند کے مجمع علما نے بھی اپنے اخبار میں یہی شائع کیا ہے کہ بنک سے سود لے کر اسلامی کاموں میں صرف کرنا چاہیئے۔

پنجاب اور ہندوستان کے بیدار مسلمانوں نے مسلم بنک آف انڈیا جگہ جگہ جاری کر دیا ہے جس میں مناسب شرح سود پر قومی کاروبار ہوگا۔

سنی حنفی جماعت کے "مجدد مائتہ حاضرہ" نے بھی میرے جواز کی عمدہ صورت نکالی ہے۔ وہ یہ کہ مثلاً سَو روپے کا نوٹ دیکر ایک سو دس روپیہ نقد یا نقد روپیہ دے کر اس سے زائد کے نوٹ لے سکتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ شریعت اور تقوے کے خلاف بھی نہیں۔ اور نفع کی بھی عمدہ صورت ہے سود کے نام سے جو زائد رقم لی جاتی تھی اس سے بھی زائد لے لیجئے اور سود بھی نہ ہوگا حرام سے بھی بچے اور نفع بھی ہاتھ سے نہ گیا ؎

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

یہی دلچسپ صورت الہ آباد کے ایک عالم دین کو بھی پسند آئی ہے جس کی اطلاع ابھی حال کے اخبار "دلچسپ فتح پور" نے دی ہے۔ دہلی کے مشہور اہل قلم درویش نے بھی بنک کے سود کا جواز شائع کر دیا ہے علی گڑھ سے اسی سلسلہ میں مسلسل کوشش جاری ہے اور وہاں ایک محترم نیک دل سید قوم جنھیں رسالہ صوفی نے "پیغمبر سود" کہا تھا۔ اس سعی میں ہیں کہ مسلمان جن کی رگ حیات کا خون میرے بغیر خشک ہوتا جا رہا ہے کسی طرح میرا آب حیات پینا اختیار کریں ورنہ مسلمانوں کی قومی حیات خطرہ میں ہے۔

حاضرین جلسہ! ایک وہ وقت تھا جب کہ قرض حسنہ بآسانی مل جاتا تھا مگر آج دشوار ہے۔ ایک وقت تھا جب کہ کہا جاتا تھا کہ روپیہ بچے نہیں دیتا۔ مگر آج روپیہ بہت بچے دیتا ہے۔ حالات بدل گئے۔ زمانہ پلٹ گیا اب تو دنیا میں میرے تعلق بغیر کاروبار چلنا مشکل ہو رہا ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ مجھے غضب کی نگاہوں سے دیکھیں یا محبت بھری سے۔ جو لوگ مجھ پر سوار ہوتے ہیں میں ان کو منزل پر پہنچا دیتا ہوں اور جو مجھ پر سوار نہیں ہوتے میں خود ان پر سوار ہو کر ان کا کچومر نکال دیتا ہوں۔

معزز سامعین! اب میں آپ سے رخصت چاہتا ہوں اور اس قدر سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری باتوں کو خوشی اور آزادی سے سُنا۔

میں اپنی ملت و حرمت پر کیا کہہ سکتا ہوں۔ حالات میں نے سنا دئے نتائج آپ کے اختیار میں ہیں میں کوئی مفتی تو ہوں نہیں جو کہ جائز و ناجائز کا شرعی حکم لگا دوں ؎

نہ قاضی ام نہ مدرس نہ محتسب نہ فقیہ
مرا چہ سود کہ منع شراب خوارہ کنم

راقم۔ ع۔ق

کفایت شعاری

(نوشتہ مولوی سید ابوالبرکات صاحب دہلوی - ایڈیٹر رسالہ دستکاری و اخبار او آر انڈیا وغیرہ)

حدیث شریف میں آیا ہے کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا یعنی قریب ہے کہ مفلسی اور محتاجی انسان کو فر تک پہنچا دے۔ یہ فقرے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں جب تک انسان کو مفلسی کا سامنا نہیں اس وقت ت نہ جھوٹ بولنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ بے ایمانی کی نہ ڈاکہ ڈالنے کی نہ قتل وغارت و چوری کرنے کی، ور جب تک انسان غریب رہتا ہے اس میں تمام عیوب ہی نظر آتے ہیں ہر شخص جھڑک دیتا ہے کوئی عزت سے نہیں دیکھتا ور امارت اس کے برعکس تمام عیوب کو چھپا لیتی ہے ؎

اے زر تو خدا نہ ولیکن بخدا
ستار عیوب وقاضی الحاجاتی

اس لئے انسان کو سب سے بڑی ضرورت ہے کہ تندرست ہو اور تندرستی کے بعد دولت مند نہ ہو تو ارغ البال ضرور ہو دنیا کے تمام کام اسی پر چلتے ہیں ؎

کام بے دولت نہ چرخ کہیں چلتا نہیں
نخل مقصد غیر آب زر کبھی پھلتا نہیں

ایک فلاسفر کا قول ہے کہ روپیہ کمانا آسان ہے مگر روپیہ خرچ کرنا مشکل ہے عوام کالانعام اس فلسفے ر مغز قول کو نہیں دیکھتے مگر دراصل یہ بڑی سچی بات ہے اور میرے مضمون کا یہی مقصود ہے کہ میں روپیہ کے رچ کرنے کی ترکیب بتاؤں اور چونکہ مسلمان میرے پیش نظر ہیں اور مضمون لکھوانے والے جناب ایڈیٹر صاحب سالہ سودمند کے دل میں بھی مسلمانوں کی ہی بہبودی پیش نظر ہے اس لئے میں کوشش کروں گا کہ مسلمانوں کے زدیک جو سب سے افضل الکتب ہے یعنی قرآن مجید سے اس پر روشنی ڈالوں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اللہ تعالیٰ پندرہویں سیپارہ کے تیسرے رکوع میں ارشاد فرماتا ہے کہ۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ یَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ

رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ الخ ۳ع

یعنی فضول خرچی مت کرو ۔ کیوں کہ جو لوگ فضول خرچ کرنے والے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اور فضول خرچ لوگ شیطانؑ کے بھائی ہیں اور یہ شیطان وہ ہے جو پروردگار کا انکار کرنے والا ہے اور اگر اُس سے منہ پھیرے واسطے چاہنے رحمت پروردگار اپنے کے اور امید رکھتا ہے تو اس کی ۔ پس کہہ واسطے ان کے بات آسانی اور ایسا بھی مت کر کہ تیرا ہاتھ بندھا ہوا معلوم ہو گردن میں اور نہ تو ایسا اپنے ہاتھ کو کھول کہ اس میں کچھ ٹھیر ہی نہ سکے ایسا کرے گا تو مجبور ہوگا اپنے نفس پر ملامت کیا ہوا بیٹھا رہیگا اور پچھتائے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ آسودہ حال کرتا ہے جس کو چاہے اور تنگ بھی کر دیتا ہے کیوں وہ اپنے بندوں کے حالات سے خبردار ہے اُن کا معائنہ کرتا رہتا ہے اور مت مارو اپنے بچوں کو افلاس کی وجہ سے رزق تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے اُن کو بھی اور تم کو بھی اس لئے اُن کا مارنا بڑی زبردست غلطی ہے ۔

اس کے معانی کے درمیان میں نے چند ہندسے لگائے ہیں جو کسی قدر محتاج تشریح ہیں (۱) فضول خرچ کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ہے ۔ مسلمانو ! ذرا توجہ سے سنو اللہ تعالیٰ جس کو پسند نہیں کرتا اس نالایق کو بھلا اور کون پسند کر سکتا ہے گویا وہ اللہ کی بارگاہ میں مردود ہوا اور تمام جہان کے نزدیک بھی مردود ہوا (۲) مردود کون ہے شیطان ہے اور شیطان کے متعلق قرآن شریف میں صاف موجود ہے اِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ جس پر اللہ تعالیٰ کی قیامت تک لعنت ہے فضول خرچ اگر شیطان نہیں تو شیطان کا بھائی ضرور ہے کیا کوئی مسلمان ہے جس کو فرعون کا بھائی یا ابوجہل یا ابولہب کا بھائی کہہ کر پکارا جائے اور وہ بُرا نہ مانے ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک فضول خرچ کو شیطان کی بھائی کا خطاب اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور اس بے غیرت کو شرم نہیں معلوم ہوتی (۳) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ شیطان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے جس کو دوسرے لفظوں میں ہم کافر کہا کرتے ہیں اگر آج ایک فضول خرچ کو کافر کہا جائے تو وہ مرنے مارنے کو تیار ہو جاوے گا مگر آہ اس کو یہ خیال نہیں کہ کل کے روز وہ کافروں کے زمرہ میں اُٹھے گا اور کوئی اس کو نجات دلانے والا نہ ملے گا (۴) یہ مال و دولت نعمت ہے اللہ کی اور فضول خرچ فضول خرچی کر کے کفران نعمت کرتا ہے اس لئے وہ ضرور سزا کا مستحق ہو کر افلاس کی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے ۔ اسلام کے احکامات عین نیچر اور قانون قدرت اور فلسفہ پر مبنی ہوئے ہیں اس لئے اللہ نے فرمایا "خَبِيْرًا بَصِيْرًا" یہ فرما کر بتا دیا کہ ہم اُن کو دیکھتے رہتے ہیں کہ اگر یہ ہماری نعمت کی قدر کریں گے تو ہم ان کو اور

دیں گے اور اگر یہ نعمت کی قدر نہ کریں گے تو ناقدروں سے نعمت واپس لے لیں گے۔

ان قوانین پر یہودی ہو یا عیسائی دہریہ ہو یا آریہ یا سناتنی غرضیکہ جو کوئی بھی عمل درآمد کریں گے وہی فائدہ اٹھائیں گے چنانچہ یہ محتاج بیان نہیں بلکہ مشاہدات ہیں جو ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ وہ مالا مال ہیں اور جن کے ورثہ میں یہ قانونی کتاب ملی تھی انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا تو سزا بھگت رہے ہیں اور مفلس ہو گئے اور ہوتے چلے جا رہے ہیں چنانچہ ایک فلاسفر اور کامیاب کروڑپتی تاجر مسٹر اک نیڈر کا قول ہے کہ جو شخص بیس شلنگ روزانہ کماتا ہے اور انیس شلنگ روزانہ کھاتا ہے وہ ضرور شاہراہ ترقی پر چل رہا ہے اور جو بیس شلنگ روزانہ کما کر تمام خرچ کر دیتا ہے وہ عنقریب افلاس میں گرفتار ہو جائے گا اور جو بیس شلنگ روزانہ کما کر بیس شلنگ ایک پنس خرچ کر دیتا ہے وہ جیل خانہ کے منہ پر بیٹھا ہے۔

بس میرے مسلمان بھائیو! اگر تم بھی شاہراہ کامیابی پر چلنا چاہتے ہو تو آج ہی قرآن شریف کی اس آیت کو پڑھنا شروع کر دو۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا ۔ رکوع ۶

اے رب ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے اسراف کو بھی۔

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ تم صرف زبان سے اس دعا کو پڑھنے پر اکتفا کرو بلکہ تمھیں چاہیے کہ اس پر عمل بھی کرو جو تیری جگہ اللہ تعالیٰ نے گیارھویں پارہ کے چھٹے رکوع میں فرمایا وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ ط

یعنی جب جکڑتا ہے انسان کو دکھ اس وقت پکارتا ہے ہم کو اپنی کروٹ پر یا بیٹھے یا کھڑے پس جب دور کرتے ہیں ہم اس سے اس کا دکھ تو وہ (ہماری درگاہ سے) چل دیتا ہے گویا (کبھی) نہ پکارا تھا اس نے ہم کو طرف اس دکھ کے جس نے پکڑا تھا اسی طرح اچھا معلوم ہوتا ہے مسرف لوگوں کے واسطے۔ بلکہ دوستو! جب اللہ کے حضور میں تم فضول خرچی سے توبہ کر لو تو پھر اس طرف دوبارہ ہرگز نہ جاؤ۔ کیونکہ سترھویں پارہ کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ اور ہلاک کیا ہم نے مسرفوں کو پھر انیسویں پارہ کے چوتھے رکوع میں فرماتا ہے۔ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ○ وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ○

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے ہٹا لے ہم سے عذاب دوزخ کا تحقیق عذاب اس کا ہے سخت لازم تحقیق وہ بری ہے جگہ مستقل اور عارضی رہائش کی جگہ اور جو لوگ کہ جس وقت خرچ کرتے ہیں تو اس وقت فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ کنجوسی کرتے ہیں اور ہوتا ہے ان کا خرچ درمیانی اور معتدل۔

(۱) دوزخ سے یہی مراد نہیں کہ بعد مرنے کے آگ میں جلے گا بلکہ ہر شخص کو دنیا میں بھی دوزخ ملتا ہے جب ایک شخص نا عاقبت اندیشی سے گھر میں شیشہ اور چینی وغیرہ کے برتن خرید لاؤ اور پھر وہ ٹوٹ جائیں تو وہ دمڑی میں بھی نہیں فروخت ہو سکتے۔ شیشہ کے گلاس گھروں میں درجنوں کی تعداد میں آتے ہیں اور وہ ٹوٹ کر بیکار ہو جاتے ہیں پھر جو کچھ رنج دل میں پیدا ہوتا ہے وہی دوزخ ہوتا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم دوزخ کے منکر ہیں بلکہ ہمارا یہ مطلب ہے کہ یہ بھی اس دوزخ کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہوتا ہے (۲) اور فضول خرچی کے بعد تنگی لازمی نتیجہ ہوتا ہے اور اگر انسان اسی قیمت میں تانبے کا گلاس خریدے تو وہ ٹوٹنے کے بعد چار آنہ فی روپیہ کم قیمت کا مال تو باقی رہ جائے گا۔

پھر چوتھے پارہ کے بارھویں رکوع میں فرمایا وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا یعنی مت کھاؤ ان کو فضول خرچی سے۔

پھر تیسری جگہ اللہ تعالیٰ آٹھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں فرماتا ہے کہ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ... كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝

اور مت فضول خرچی کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو نہیں پسند کرتا اور جو کچھ تمھیں دیا ہے وہی کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو کیونکہ وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے

(۱) یعنی جس قدر تمھاری حیثیت ہے ویسا ہی کھاؤ ایسا نہ کرو کہ تمھاری حیثیت تو دال کھانے کی ہے مگر تم گوشت اور پلاؤ کھانے لگو ایسا کروگے تو تمھیں شیطان افلاس میں گرفتار کر کے تمھیں بے ایمانی چوری جھوٹ دغا بازی کی طرف لے جائیگا۔ ہمارا تمھارا مشاہدہ ہے کہ یہ تمام عیب غربا میں ہی پائے جاتے ہیں امیروں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔

پھر چوتھی جگہ اللہ تعالیٰ آٹھویں پارہ کے دسویں رکوع میں ارشاد فرماتا ہے:
كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ۔

یعنی حسب حیثیت کھاؤ پیو مگر بیجا صرف نہ کرو کیوں کہ بیجا صرف کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا۔
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ پ ۱۹ ع ۱۲ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور مت مانو کہنا مسرفوں کا۔ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ۔ کہہ اے بندے میرے جنھوں نے اسراف کیا اپنے نفسوں پر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں تحقیق اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے گناہ سارے پارہ ۲۴ رکوع ۱۔
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ پ ۲۴ ع ۹ تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا مسرف

اور جھوٹے کو۔

وَاِنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ پ ۲۴ ع ۱۰

اور تحقیق مسرف لوگ ہی آگ میں رہیں گے۔

اب اس قدر آیات قرآنی کے سامنے ایک سعید روح مسلمان کا کام ہو کہ ان احکامات کے سامنے سر جھکا کر فضول خرچی ترک کر دے۔

فضول خرچی کیا چیز ہے؟

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ فضول خرچی سے ہم کس طرح بچیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کوئی چیز خریدنے لگو تو اپنے دل سے سوال کرو کہ جس چیز کو میں خریدتا ہوں کیا اس کے بغیر میرا کام چل سکتا ہو اگر تمھارا دل بعد غور کے یہ جواب دے کہ ہاں بغیر اس کے خریدے میرا کام چل سکتا ہو تو اس کو ہرگز مت خریدو۔

میں اس کی چند مثالیں بتاتا ہوں آپ گلاس خریدنے کے واسطے گئے اور آپ نے زیبائش اور خوبصورتی کے واسطے شیشہ کا گلاس خریدنے کا ارادہ کیا، اب تم نے اپنے دل سے سوال کیا کہ کیا اس گلاس کے بغیر میرا کام چل سکتا ہو تو تمھارا نصف دل کہے گا کہ ہاں اگر مٹی کا گلاس خریدوں گا تو اس میں جراثیم پیدا ہو جائیں گے اور پھر میں کتنا ہی اس کو راکھ سے مانجھوں گا تو وہ صاف نہ ہوگا اور آنے جانے والے مہمانوں کو مٹی کے گلاس میں پانی دوں گا تو وہ نہ صرف مجھے حقارت کی نظر سے دیکھ کر میری پوزیشن کے متعلق بُری رائے قائم کرے گا بلکہ وہ طبی اصول کے مطابق اس مٹی کے گلاس میں پانی نہیں پیئے گا۔ اس لئے ایک تانبے کا گلاس مجھے خریدنا چاہتے جو ہمیشہ قلعی ہو کر خوبصورت اور صحت بخش بھی ہوگا۔ غرضیکہ یہ ایک نکتہ ہو اور بڑا قیمتی نکتہ ہو۔

اُپلے خریدنے کے وقت لکڑی کو ترجیح دو بشرطیکہ تمھیں مفت اُپلے نہ مل رہے ہوں (کیوں کہ بعض زمینداروں کے گھر میں اُپلے مفت بن جاتے ہیں) مگر لکڑیاں بھی تمھارے ہاں اگر جلائی جائیں تو اُن کا کوئلہ کوئی ضائع نہیں ہونا چاہئیے بلکہ تمھارے چولھے کے برابر ایک ہانڈی ڈھکی ہوئی موجود اور روٹی پکانے والی کو ہدایت ہو کہ وہ کوئلہ ساتھ کے ساتھ بجھاتی جائے اسی طرح ہر بات میں کفایت شعاری کو مدنظر رکھو تو چند روز میں تمھیں ہر جگہ کفایت شعاری خود آجائے گی بشرطیکہ تمھیں کفایت شعاری مدنظر ہو۔ ہر روز سونے سے پہلے حساب کر لو کہ آج تم نے کیا کمایا اور کیا

خرچ کیا اگر تم نے کمایا کم اور زیادہ خرچ کر دیا تو تمھاری بدقسمتی ہے اس لئے تم خرچ کو کم کرو اور جس قدر روزانہ پس انداز کرسکو فوراً ڈاک خانہ میں جمع کر دیا کرو۔ چار آنہ بھی اگر تم چاہو تو ڈاکخانہ میں جمع کر سکتے ہو۔

آپ کسی کی عمدہ چیز دیکھ کر اس کے خریدنے کی خواہش نہ کیجئے بلکہ فوراً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو مدنظر رکھئے کہ اس کے بغیر میرا کام چل سکتا ہے یا نہیں جس شخص کے یہ زرّین قول مدِنظر ہوگا وہ کبھی فضول خرچی نہیں کر سکتا۔

ہندوستان میں اپنی شان کا پہلا اخبار

کوکب ہند

کوکب ہند اپنے خصوص بحث میں ایک اخلاقی جدت رکھتا ہے۔ (آگرہ اخبار آگرہ)

کوکب ہند: ان دقیق مضامین سے دنیائے اردو کو آشنا کر رہا ہے جو بسان قُرص میں محفوظ تھے (دربار آگرہ)

کوکب ہند: کے کارکن ہر پرچے میں عام دلچسپی کا سامان مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں (ذوالقرنین بدایوں)

کوکب ہند: بڑی متانت اور سنجیدگی سے اڈیٹ کیا جاتا ہے۔ مذہبی و علمی مضامین بھی ہوتے ہیں (غازی محمود دھرمپال بی اے)

کوکب ہند: تمام بنی نوع میں اتحاد و محبت کا وکیل ہے اپنی قسم کا ایک ہی اخبار ہے (ہیرلڈ آف دی ایسٹ)

کوکب ہند: کے اچھوتے مضامین قابل دید اور دلائل و براہین سے مملو ہوتے ہیں (نیر اعظم)

کوکب ہند: کے ارکین وہی ہستیاں ہیں جو پہلے قادیان میں ممتاز تھیں۔ جو کچھ لکھتے ہیں خوب تحقیق کی ہوتی ہے (تائید الاسلام لاہور)

کوکب ہند: اور اس کی جماعت یہ راز کھولنا چاہتی ہے کہ جناب مرزا صاحب قادیانی کے نئے مذہب کا تمام سرمایہ بابیہ بہائیہ فرقے کے عقائد سے سرقہ کیا ہوا ہے۔ اگر کوکب ہند کی تبلیغ استقلال سے کام کرتی رہی تو اہل قادیان کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔ (حضرت خواجہ حسن نظامی)

الغرض کوکب ہند عصر جدید کا ایک بیش بہا ہدیہ تحفہ ہے۔ شائقین کو ضرور اس سے فائدہ اور مسرت اٹھانا چاہئے۔ قیمت سالانہ چار روپیہ ششماہی ڈھائی روپیہ ۸؍ جو بذریعہ منی آرڈر آنا بہتر ہے۔ نمونہ مفت خاص پرچے جو مستقل کتابی شکل میں ہیں (۱) **قادیان نمبر** (۲) **میلاد نمبر** چار چار آنے کا ٹکٹ بھیج کر منگائیے۔

(**منیجر کوکب ہند آگرہ**)

تذکرہ: آسمانِ قرآن کا آفتاب عالم تاب ہے۔ ۵۰۰ صفحے فلسکیپ کاغذ متوسط مجلد ۲؍ ناظم ادارۃ الاشارہ کٹرہ شیر سنگھ امرتسر

اِدھر بنا اُدھر رہن

(از ڈاکٹر محمد فیاض خاں صاحب اسسٹنٹ میڈیکل آفیسر مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ)

کیا بنا ؟ کیا رہن ؟ سنئے !!! اپنے محلہ یا اپنی بستی میں اُن غریب مسلمان خاندانوں کی حالت ذرا نظرِ تعمق دیکھیے جن کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہیں۔ لگ گئی تو روزی نہیں تو روزہ جن کا روزمرّہ ہے اور ملک بھر میں مسلمانوں کی سات آٹھ کروڑ آبادی کا غالب عنصر ایسے ہی خاندانوں پر مشتمل ہیں ۔ قصبوں اور شہروں میں ایسے خاندانوں کی حالت بخوبی معلوم ہو سکتی ہے کیونکہ ایسی ہی جگہوں میں چند بالغ نظر اور ہمدرد مسلمان دیکھنے والے مل سکتے ہیں ۔ ورنہ دیہاتی مسلم آبادی میں اس نظر سے دیکھنے والا شاید ہی کوئی ملے ۔ الّا ماشاء اللہ

ہوتا کیا ہے ؟ خاندان کا ایک روٹی کمانے والا ہے اور پانچ سات کھانے والے ۔ بیوی ہے بچے ہیں ۔ یا اُن کے علاوہ ماں ہے بوڑھا باپ ہے ۔ کوئی چھوٹا بھائی بہن بھی ہے ۔ بیس پچیس روپیہ مہینا کا روزگار لگ گیا تو چولھا سیدھا ہو گیا ۔ چٹنی سے ، دال سے ، ساگ سے ، یا کبھی کبھی دو تین پیسے کے گوشت سے لگا کر روٹی کھانے لگے ۔ گھی جانتے نہیں ۔ تیل مل جائے تو بس غنیمت ہے ۔ کوئی رُت کی چیز آم ، امرود ، بیر ٹکے سیر بکنے لگیں تو اُن کے بھی مُنہ پڑ جاتے ہیں ۔ ورنہ گھر کا خرچ بیوی کے ہاتھ میں ہے وہ خود تنگی ترشی سے گزارا کرتی ہے لیکن کچھ نہ کچھ پس انداز کرتی جاتی ہے ۔ اگر خیر سے شوہر برس ڈیڑھ برس کام پر لگے رہے تو اس نے بھی پچاس ساٹھ روپیے جمع کر لئے اور اس کا کوئی زیور بنوا لیا کہ روپیے رکھے ہوئے خرچ ہو جائیں گے زیور پڑا رہے گا ۔ کبھی بیاہ شادی میں ہم جنسوں میں عزت کا باعث اور بُرے وقت کا سہارا ہوگا ۔ کیونکہ روپیہ محفوظ کرنے کا بہتر ذریعہ وہ جانتی ہی نہیں اور کسی ہمدرد نے اُس کو بتلایا ہے ۔ شومئی قسمت شوہر بیمار ہو گیا یا کسی اور وجہ سے روزگار جاتا رہا ۔ اب فاقے ہونے لگے ۔ لوٹ پھیر کر نظر اُسی زیور پر پڑتی ہے بیوی ہمسایہ کی کسی بڑی بی کو بلاتی ہے اور وہی زیور اس کے حوالہ کر دیتی ہے کہ کسی مہاجن کے پاس اس کو رہن رکھ کر روپیہ لا دے ۔ بی مہاجنی جانچ پڑتال کرنے کے بعد پچاس روپیے کے زیور کے بیس روپیے دیتی ہے ۔ وہ بھی روپیہ ماہوار سود لے تو بڑی مہربانی ہے ورنہ تین چار پیسے بھی ضرورت مند سے وصول کر لیتی ہے ۔ بیوی بیچاری کو افسوس تو ہوتا ہے لیکن یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے لیتی ہے کہ آخر زیور اسی لئے تو ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت کام آئے ۔ ادھر شوہر

بیکار رہنے میں روپے خرچ ہو گئے۔ بے سرکار ہوتے ہوتے آس پاس کے ہاتھ اُدھار بھی بہت سے روپے
قرض ہو گئے۔ شوہر پھر میں پچیس روپے ماہوار لانے لگے کیوں کہ اُن کی موجودہ لیاقت اس سے زیادہ
کمانے کی نہیں ہے۔ بیوی نے بچا بچا کر سب سے پہلے ہاتھ اُدھار نبٹانا شروع کیا۔ ورنہ ہر وقت کا پاس کا
رہنا سہنا۔ تقاضے کے مارے ناطقہ بند ہو جائے۔ اور بیچاری مہاجنی ہے کہ کبھی تقاضے کو بھی نہیں آتی
گر یہ اس بیچاری کی مہربانی نہیں۔ جب بی مہاجنی دیکھ لیتی ہیں کہ سود در سود کے چکر میں اصل معہ سود زیور
کی قیمت سے بھی بڑھ گیا ہے تو پہلی دفعہ آکر تقاضا کرتی ہیں یا بڑی بی کی معرفت کہلا بھیجتی ہیں کہ اپنا زیور
چھڑا لیں یا سود کا بھگتان کریں۔ بیوی نے دیکھا کہ کچھ روپے جمع ہو گئے ہیں لاؤ سود ہی سے پیچھا
چھڑاؤں۔ مگر دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ سود اتنا بڑھ گیا ہے کہ اصل سے مل کر زیور کی قیمت
سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ نہ حساب ہے نہ کتاب جو کچھ مہاجنی نے کہہ دیا بس وہی ٹھیک ہے۔ ناچار خاموش
ہو جاتی ہے اور زیور بی مہاجنی کے باپ دادا کا۔ اور وہ اُسی زیور کو اُجلوا کر کسی اپنے رشتہ دار صراف
کے ذریعہ روپیہ آٹھ آنے کی پر پھیر کسی ایسے ہی مسلمان کے سر مڑھ دیتی ہے۔ بیوی پھر اپنی جان
پر سختی کر کے اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کاٹ کر روپیہ جمع کرتی ہے اور پھر ایک زیور بنوا لیتی ہے
زیادہ عرصہ شوہر کے بے سرکار رہنے کے باعث ممکن ہے دو تین زیور بنوائے مگر پھر اُن کا بھی وہی حشر ہوتا
ہے۔ یا کچھ روپے صرف کر کے برادری سے سرخرو ہوتی ہے اور پھر خالی ہاتھ رہ جاتی ہے۔ غرضیکہ
جیتے جی یہی حال رہتا ہے۔ بچے جوان ہوتے ہیں۔ اُن کی بیاہ شادی کی فکر۔ باپ دادا کا مختصر سا مکان
ہے اتنی توفیق نہیں ہو سکی کہ دوسرا مکان خریدا جا سکتا۔ اب اُسی گھر میں بیٹوں کی بیویاں ہیں اور خود میاں
بیوی بھی رہتے ہیں چھت پر چھپر ڈال رکھا ہے کہ کچھ جگہ کی گنجایش ہو جائے جو حال باپ کا تھا وہی
بیٹوں کا ہے۔ کیوں کہ اس غربت کی حالت میں نہ بچوں کی تعلیم ہی ہو سکی اور نہ کوئی اُن کو معقول ہنر
ہی سکھایا جا سکا۔ بچپن کھیل کود میں گزارا تھا۔ جوان ہو کر محنت مزدوری سے پیٹ پالنے لگے۔ تنگ مکان
میں رہنے کی وجہ سے صحت الگ بگڑ جاتی ہے۔ ایک ہی جگہ اتنے آدمیوں کے رہنے سے خاندان میں
علیحدہ بدمزگی شروع ہو جاتی ہے۔ بیمار ہو جائیں تو علاج نہیں۔ خیراتی شفاخانوں پر برادران یوسف
قابض ہیں۔ بجائے محبت اور ہمدردی کے سختی سے پیش آتے ہیں۔ پیسہ پاس نہیں کہ حکیم ڈاکٹر کی فیس
اور دوائی کی قیمت ادا کر سکیں۔ علاج معالجہ تو بڑی بات ہے۔ بیماری کی حالت میں آرام سے بیٹھنے کو
جگہ مل جائے تو بسا غنیمت ہے۔ اب بڑے میاں بن گئے جوانی میں کھانے کو اچھا نہیں ملا تو اب ضعیفی
میں کیا مل سکتا ہے۔ جب کہ کمزوری کے باعث کچھ کام ہی نہیں ہو سکتا کہ روپیہ آئے۔ بیٹوں کا اپنا گزارہ

مشکل سے ہوتا ہے۔ بڈھے ماں باپ کو کہاں سے لادیں اب نہ زر ہے نہ زیور، نہ جوانی کی قوت ضرورت مجبور کرتی ہے کہ آبا و اجداد سے جو مکان ورثہ میں ملا ہے اور جو سر چھپانے کا سہارا ہے اُس کو بھی رہن رکھ دیا جائے۔ بیچنے کے نام سے دل کھٹکتا ہے رہن میں پھر کچھ امید ہے کہ شاید کوئی سبیل ہو جائے خود رہن کا روپیہ ادا کر سکے یا کوئی بیٹا ہی اس قابل ہو جائے کہ وہ ہی باپ کی اس معاملہ میں دستگیری کر سکے۔ مگر اس بڑھاپے میں اور اولاد کی اس غربت میں ایک دفعہ رہن ہو جانے کے بعد اس کا چھوٹ جانا خواب و خیال سے زیادہ نہیں۔ کسی مہاجن کے پاس مکان رہن ہوتا ہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں زر سود اور زر رہن مل کر اصل قیمت سے بڑھ جاتا ہے اور تمام خاندان مکان سے بے دخل ہو جاتا ہے۔ اگر یہ تماشا دیکھنے کا قصد ہو تو کسی شہر کے دفتر رجسٹری میں تشریف لے جایئے یہ دفتر رجسٹری نہیں بلکہ بقول شخصے مسلمانوں کی ایسی خاموش قتل گاہیں ہیں جہاں سینکڑوں مسلمان خاندان ہر روز ذبح ہوتے ہیں اور آواز تک نہیں اُٹھتی۔ مکان رہن ہوتا ہے۔ بیٹے ناراض، بہوئیں ناخوش۔ بڑے میاں مجبور۔ رہن کا روپیہ کتنے دن چلے گا اور کوئی ذریعہ معاش نہیں۔ رکھا ہوا روپیہ خرچ کرتے کرتے آخر ہاتھ خالی ہو جاتے ہیں آمد پیسہ کی نہیں جو کچھ ہے خرچ ہی خرچ ہے بقول سعدی علیہ الرحمہ ؎

اگر باراں بہ کوہستاں نہ بارد
بسالے دجلہ گردد خشک رودے

سال دو سال میں زر رہن بھی ختم ہو جاتا ہے مکان سے بے مکان ہو جاتے ہیں گھر وہی سختی اور تنگی۔ اب اس حالت میں کہ نہ پیٹ بھرنے کو کافی غذا نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا میسر ہے۔ ایڑیاں رگڑتے رگڑتے مر جاتے ہیں کفن بھی نہ معلوم کیسے ملتا ہے۔ اہل محلہ اُٹھاتے ہیں اور دفن کرآتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس حد تک نوبت بھی نہیں پہونچنے پاتی جوانی ہی میں ان سختیوں کی وجہ سے میاں یا بیوی اللہ کے پیارے ہو جاتے ہیں اور بچوں اور دیگر لواحقین کو دنیا کی مصیبتیں جھیلنے کے لئے تنہا و بے یار و مددگار چھوڑ جاتے ہیں۔ پھر کوئی اتنا بھی نہیں پوچھتا کہ اے یتیمو! تمھاری کیسے گذرتی ہے۔

کیا غریب مسلمانوں کی قسمت میں یہی لکھا ہے کہ عمر بھر سختیاں اُٹھاتے رہیں اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کاٹ کر جو کچھ بچے اس کا زیور بنواتے رہیں اور آدھے پونے مہاجنوں کو دیتے رہیں اور مدت العمر اسی چکر میں پھنسے رہیں۔ کیا اس کا کوئی علاج نہیں؟ بعض بھائی کہیں گے کہ "ایسے لوگ زیور کو رہن ہی کیوں رکھتے ہیں؟ ایک دم بیچ ہی کیوں نہیں ڈالتے؟ تاکہ اُن کی گاڑھے پسینہ کی کمائی یوں رائگاں نہ جائے" آپ کے واعظ اور آپ کے لکچرار اپنے وعظوں اور لکچروں سے اگر ایسے لوگوں کی موجودہ

ذہنیت کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں تو چند حالتوں میں اس کا بھی امکان ہے مگر کہاں ہیں وہ واعظ اور لکچرار جو رہن رکھنے کے نقصانات بار بار ان کے ذہن نشین کریں۔ فی زمانہ تو جو واعظ یا لکچرار آتا ہے یہی کہتا ہے کہ "اسکول میں دو" "مدرسہ میں دو" "تبلیغ میں دو" "یتیم خانہ میں دو" "خلافت میں دو" "مسجد میں دو" "پیر کو دو" "فقیر کو دو" برادری والے کہتے ہیں "بچہ ہونے کی خوشی میں دو" "اس کے ختنہ میں دو" "اس کے روزے میں دو" "اس کے عید جانے میں دو" "اگر پڑھنا چاہتا ہے تو بسم اللہ کرائی دو" "پڑھائی دو" "منگنی میں دو" "شادی میں دو" غرضیکہ یہاں دو' وہاں دو۔ غریب ہر جگہ اپنی حیثیت کے مطابق دیتا ہے کہیں خوشی سے کہیں بہ جبر و اکراہ۔ آپ کہیں گے مجبوری کس بات کی ہے۔ بھائی صاحب! برادری کے ڈھنگ نرالے ہیں۔ اگر نہ دوگے برادری سے علیحدہ " نہ ہم تمہارے مرنے میں نہ جینے میں" زبردستی کا ٹھینگا سہنا ہی پڑتا ہے اور اس طرح عمر بھر پنپنے نہیں پاتے۔ کوئی بندۂ خدا یہ نہیں بتلاتا کہ روپیہ اس طرح کماؤ' اس طرح محفوظ رکھو' اس طرح اپنی آمدنی بڑھاؤ' ضرورت کے وقت آؤ ہم تمہاری دستگیری کریں۔ بقول مولانا طفیل احمد صاحب ہر شخص گائے کا دودھ دوہنے کی فکر میں ہے اس کو کھلانے اس کی حفاظت کرنے کی کسی کو فکر نہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ چاہتے ہیں کہ گائے چل پھر کر جس طرح بن پڑے اپنا پیٹ بھر لیا کرے مگر ہم کو دودھ دیتی رہے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ دودھ کم ہوتے ہوتے بالکل سوکھ جائے گا گائے دبلی ہو کر ڈھانچ رہ جائے گی اور پھر سوائے بری طرح زندگی کے دن پورا کرنے کے کسی کام کی نہ رہ جائے گی۔

بعض اصحاب دوسری اقوام کی داد و دہش کی مثالیں دے کر مسلمانوں کو ابھارتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ وہاں تو سیم و زر کی گنگا جمنا بہہ رہی ہے۔ ذرائع آمدنی پر وہ قابض ہیں اپنے بھائیوں کو بھی وہی ذرائع حاصل ہو جانے دو پھر اُن سے زیادہ دو ورنہ بلا تیل خالی بتی بڑھانے سے کیا ہوگا۔ بتی چند روز میں جل کر ختم ہو جائیگی۔

کیا تمہارے اس کہنے سے کہ ضرورت کے وقت زیور بیچ دیا کرو رہن نہ رکھا کرو' مسلمانوں کو رہن کے مرض کا مداوا ہو جائے گا۔ دراں حالیکہ اس افہام و تفہیم کا کچھ بھی نتیجہ نہیں' ممکن ہے کچھ خاندانوں پر اس کا نیک اثر پڑے لیکن دنیائے عمل میں آکر دیکھو کہ اگر اس کا کوئی معقول انتظام نہ کیا گیا تو غریب مسلمانوں کا ہزاروں کا زیور دہائیوں میں ہر روز جاتا رہے گا۔ چشم بصیرت سے دیکھنا ضروری ہے ورنہ ہر بیمار جو کھانا کھا لیتا ہے اور چل پھر لیتا ہے سرسری نظر میں تندرست ہی نظر آتا ہے۔

سمجھانے کے ساتھ ساتھ کوئی عملی تدبیر بھی تو کیجیے کہ اہل حاجت اس سے فائدہ بھی اٹھائیں اور نقصان

میں بھی نہ رہیں۔ ہر مشکل کے وقت اُن مذہب کے احکامات اور ارشادات سے رجوع کریں۔ نماز باجماعت تنہا نماز پڑھنے سے اولیٰ ہے۔ باہم مشورہ سے کام کرو' جماعت پر خدا کی رحمت ہے' سفر میں بھی اپنا ایک قافلہ سالار بنالیا کرو۔ غرضکہ ان تمام ارشادات کا مقصد یہ ہے کہ اجتماعی حالت سے کام کرو۔ منتظم جماعت بنکر کام کرو۔ اگر ان احکامات' اور ارشادات کی روشنی میں کام کرنے کی کوشش کی جائے تو ضرور کوئی نہ کوئی تدبیر اس مصیبت سے بچنے کی نکل آئے گی۔

بیت المال

آج سے تقریباً پندرہ سال پیشتر مجھ کو کچھ عرصہ تک مسلسل اپنے محلہ میں رہنے کا اتفاق ہوا اور میں نے غریب مسلمان خاندانوں کی حالت بغور دیکھی اور اکثر و بیشتر یہ پایا کہ آج زیور بن کر آیا اور کل گروی رکھا گیا۔ مہاجنوں کو تقاضے کی غرض سے آتے ہوئے دیکھا۔ جن بڑی بوڑھیوں کے ذریعہ زیور رہن رکھے جاتے ہیں اُن سے بھی ملا اور معلومات بہم پہونچائیں۔ غرضکہ میں نے تو یہی دیکھا کہ غریب مسلمان کماتے ہیں اور مہاجن مزا اُڑاتے ہیں۔ ہزاروں روپیہ روزانہ ہر شہر میں مسلمانوں کا بیکار تلف ہو رہا ہے یہ دیکھ کر میں نے اپنے محلہ میں اس کے سدباب کا تہیہ کیا اور چند ہمدرد نوجوانوں کے مشورہ سے انجمن خدام ملت کی بنیاد ڈالی۔ ہر خادم ملت کے ذمہ ایک چھوٹی سی رقم ماہوار بطور چندہ مقرر کر دی گئی اور تجویز یہ قرار پائی کہ جب تک ایک معتدبہ رقم فراہم نہ ہو جائے چندہ کا روپیہ برابر جمع ہوتا رہے اور کسی مد میں سوائے ایک قومی اخبار کی خریداری کے خرچ نہ کیا جائے۔ چنانچہ میسیہ اخبار کی خریداری کہ یہی اخبار اس وقت سر برآوردہ قومی اخبار سمجھا جاتا تھا شروع کر دی گئی۔

انجمن کا واحد مقصد یہ تھا کہ سب سے اول کافی رقم جمع ہو جائے۔ پھر اہل حاجت کے زیورات بطور امانت انجمن کی تحویل میں رہیں گے اور زیور کی جانچ پڑتال اور وزن کے بعد اقرارنامہ کے ذریعہ مدت معینہ مثلاً سال دو سال کے لئے روپیہ قرض دیا جایا کریگا۔ اگر مقروض میعاد معینہ گزرنے کے بعد اصل روپیہ ادا کر کے اپنا زیور نہ چھڑائے گا تو بازار کے نرخ پر زیور فروخت کر دیا جائے گا اور بعد منہائی زر قرض جو داخل خزانہ انجمن ہوگا۔ زائد رقم مالک زیور کو دے دی جائیگی نفع اٹھانے والے اشخاص اگر اپنی خوشی سے تقویت انجمن کے لئے کچھ دینا چاہیں تو لے لیا جائے گا ورنہ اشارۃً یا کنایۃً اُن کو اس کے متعلق کچھ نہ کہا جائے گا انجمن نے اپنا فرض ادا کیا اور بس خیال یہ تھا کہ اولاً اپنے محلہ میں اس کی بنیاد مضبوط کر دی جائے بعدہ ہر محلہ میں اسی نمونہ کی انجمنیں بنوا دی جائیں۔ ہر انجمن اپنے محلہ کے نام سے موسوم ہو ایک مسجد کے متعلق جتنے رہائشی مکانات مسلمانوں کے ہیں ان کو ایک محلہ تصور کیا جائے یا کچھ کمی بیشی کے ساتھ۔ ہر انجمن اپنے محلہ کے

زیورات کا مہاجنوں کے ہاں رہن رکھے جانے کا سدِ باب کرے اور نہایت احتیاط سے نگرانی رکھے۔ کیوں کہ ضرور تمند اشخاص یہ کام خفیہ طریق سے کرتے ہیں۔ شہر کے تمام محلوں کے صدر، معتمد اور خزانچی باہم مل کر بڑی انجمنیں بنائیں تاکہ ایک محلہ دوسرے سے پیوستہ رہے اور اشتراکِ عمل قائم رکھا جا سکے۔

مگر مقطع کا بند یہ ہے کہ ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

محلہ کے بڈھوں نے بدگمانیاں شروع کر دیں اور کہنے لگے کہ یہ "نوجوان کل محلہ کے کاروبار پر حاوی ہونا چاہتے ہیں اور ایک وقت ایسا آئیگا کہ ہماری بات نہ چلے گی"۔ بڑھتے بڑھتے سرھٹول کی خدشات پیدا ہونے لگے اور میں نے یہ سوچ کر کہ ؎

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

انجمن کو جو مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کا باعث بن گئی تھی توڑ دیا۔ کیونکہ خانہ جنگی بہت بُری بلا ہے تیرہ سو برس گزر جانے کے باوجود گزشتہ خانہ جنگی کی بدولت مسلمان ابھی تک پنپنے نہیں پائے۔

پندرہ سال پہلے مسلمان زمانہ سے زیادہ بے خبر تھے۔ اغلب ہے کہ موجودہ زمانہ موزوں ہے۔ اس لئے غریب مسلمانوں کو تباہی سے بچانے کے لئے ہر ہر محلہ اور ہر ہر گاؤں میں بیت المال کھول دینے چاہئیں چندہ ماہوار دو آنے سے زیادہ نہ رکھا جائے زائد جو ملے بطور عطیہ شکریہ کے ساتھ قبول کیا جائے۔ ممبران کی تعداد بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ ہر کام کا سنگ بنیاد روپیہ ہے ہر محلہ کے متعلق بیت المال ہونا چاہئے اور سب سے پہلے ایک شق لی جائے اور تمام تر توجہ اسی ایک شق یعنی مسلمانوں کے زیورات کو رہن سے بچانے پر مرکوز کر دینی چاہئے۔ بیت المال میں کافی روپیہ ہو جانے پر خود بخود اور مقاصد بھی نظر آنے لگیں گے۔ مگر اوّل محض ایک مقصد لیا جائے لیکن روپیہ کی حفاظت کا انتظام قانون مروجہ کے مطابق کافی و دوانی ہونا چاہئے تاکہ ضرورت کے وقت عدالت کے ذریعہ بھی وصول ہو سکے۔ روپیہ ڈاک خانہ یا بنک میں رہے۔ متدین اشخاص عہدہ دار مقرر کئے جائیں اور شیخ سعدیؒ کا قول اس بارہ میں پیش نظر رکھا جائے ؎

نگہ دار آں شوخ در کیسہ دُر
کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

برادرانِ اسلام۔ اب دیر کرنے کا وقت نہیں ہے۔ کافی دیر ہو چکی ہے میدانِ عمل میں آئیے اور اپنے بھائیوں کو تباہی سے بچائیے۔ قواعد و ضوابط باہمی مشورہ سے بن سکتے ہیں۔ جہاں جہاں اس قسم کی انجمنیں بنائی جائیں۔ ایڈیٹر سود مند کو اس کی اطلاع دیدی جائے۔

فیاض

ایک مخفی خزانہ

(از مولوی سید ظہور احمد صاحب وحشی۔ شاہجہان پوری۔ ایڈیٹر دین و دنیا)

شیخ محمد علیم چشتی حسب نسب کے لحاظ سے نہایت شریف تعلیم کے لحاظ سے اردو فارسی میں قابل اور انٹرنس تک انگریزی سے واقف تھی تعلیم سے فارغ ہوتے ہی وہ اپنے شہر کے ہائی سکول میں ٹیچر ہو اور رفتہ رفتہ ترقی کرتے پانچ سال کے عرصہ میں سیکنڈ ماسٹر بن گئے ایک سو بیس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی جو آج سے بیس سال پیشتر ایک کنبہ کی امیرانہ زندگی کے لیے بالکل کافی تھی۔ چشتی صاحب کی شادی اُن کے خاندان میں ہوئی تھی اور اُن کی اہلیہ محترمہ میں ایک نقص کے سوا تمام نسوانی خوبیاں موجود تھیں۔ نقص یہ تھا کہ وہ اکثر بیمار رہتی تھیں اور گھر میں کھانے پینے کی ضروریات کے علاوہ روزانہ ایک دو نسخوں کا آنا بھی ضروری تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ محمد علیم کے بعد چشتی صاحب کے گھر میں کوئی دوسرا چراغ روشن نہیں ہوا محمد علیم ایک اور اکلوتہ ہونے کے باعث والدین کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور تھا۔

چشتی صاحب نہایت خلیق، سنجیدہ اور مرنجان مرنج شخص تھے۔ اُن کے تمام اعزہ و احباب و ہمسایے اُن کی عزت کرتے تھے۔ انھوں نے تمام عمر کسی کے ساتھ بدسلوکی یا بے ایمانی نہیں کی۔ نماز روزہ کے پابند تھے مگر نہ اس طرح کہ نمایش محسوس ہو۔ کتب بینی کے بہت شائق تھے اور مدرسہ کے فرائض سے جس قدر وقت بچتا تھا اُسے کتب بینی میں صرف کرتے تھے۔ وہ باقاعدہ عالم نہیں تھے لیکن دینی مسائل سے عالموں کی طرح واقف تھے۔ الغرض شیخ صاحب میں تمام خوبیاں اور نیکیاں موجود تھیں جو ایک پسندیدہ صفات کے انسان میں ہونی چاہئیں۔ البتہ اُن میں دو عیب تھے جن میں سے ایک یقینی اور ایک مشتبہ تھا۔ یقینی عیب یہ تھا کہ وہ حد درجہ کے کفایت شعار حریص بلکہ کنجوس تھے۔ انھوں نے تمام عمر کبھی اچھا کپڑا نہیں پہنا قیمتی سے قیمتی کپڑا جو انھوں نے پہنا ہو زیادہ چار پانچ آنے گز سے زیادہ کا نہیں ہے۔ موسم سرما میں کبھی سرج۔ کشمیرا یا اونی کپڑا وہ نہیں پہنتے تھے۔ روئی کا ایک دگلہ وہ بنواتے تھے جو دو تین سال کام دیتا تھا اور پھر ایک تکیہ کی شکل میں منتقل ہو جاتا تھا۔ گاڑھے اور کھدر کی تحریک آج شروع ہوئی ہے لیکن چشتی صاحب نے بیس سال قبل اس پر عمل شروع کر دیا تھا۔ کھانے پینے کے معاملہ میں ان کا گھر تمام برادری میں مشہور تھا بہت معمولی کھانا کھاتے تھے۔ اگر کہا جائے کہ دعوتوں اور تقریبوں کے سوا انھوں نے کبھی زردہ پلاؤ اور قورمہ نہیں کھایا تو یہ حلفی بیان ہوگا۔ چشتی صاحب کو کسی نے کبھی حلوائی یا میوہ فروش کی دوکان پر نہیں دیکھا۔ انھیں اپنا بچہ نہایت

وزیر تھا لیکن نہ کبھی اس کے لئے کھلونے مٹھائی یا کوئی اور چیز نہیں خریدا کرتے تھے اور نہ کبھی انھوں نے اسے گوٹے کناری کے کپڑے پہنائے۔ اس قدر جزرسی یا کنجوسی کے باوجود چشتی صاحب کے پاس ایک پیسہ نہیں تھا۔ وہ بسا اوقات مقروض رہتے تھے اور تنخواہ ملنے سے پہلے مہینے کا آخری ہفتہ نہایت پریشانی سے بسر کرتے تھے۔ لوگ جو اپنی ہمدردی کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی بدخصلتی کی وجہ سے دوسروں کے آمد و خرچ سے دلچسپی رکھتے ہیں اکثر ان کے آمد و خرچ کا حساب لگاتے تھے اور آخر کار اُن کا یہی فیصلہ ہوتا تھا کہ یہ شخص نہایت بخیل اور کنجوس ہے اور یقیناً روپیہ جمع کرتا ہے۔ لیکن چشتی صاحب نہ تو کسی بنک سے تعلق رکھتے تھے اور نہ کسی مہاجن سے اُن کا لین دین تھا اور نہ اُن کے بکس اور صندوقچہ میں کوئی رقم نظر آتی تھی۔ اُن کے مصارف میں دو خرچ سب پر ظاہر تھے۔ ایک یہ کہ دو روپیہ ماہوار اپنی بیوی کو دیتے تھے اور انھیں اختیار تھا کہ اس رقم کو اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہیں صرف کریں اور تین روپیہ ماہانہ انھیں ضروریات روزمرہ کے نام سے عطا کرتے تھے تین روپیہ ہوا علی الاعلان خیرات کرتے تھے ان تین روپیہ کے علاوہ کسی کو ایک پیسہ نہیں دیتے تھے وہ اپنے اصول کے ایسے پابند تھے کہ موسمی تغیرات ارضی و سماوی آفات اور دنیا کے دیگر انقلابات سے کبھی متاثر نہیں ہوتے تھے۔ غرض پچیس روپیے ماہوار کا خرچ تو کھلا ہوا تھا باقی بچا نوے روپیہ کا حساب کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جاتے ہیں۔ برادری کی عورتیں ان کی بیوی کو طعنے دیتی تھیں اور وہ خاموش تھیں۔ لوگوں کو چشتی صاحب پر طرح طرح کے شبہات تھے۔ اسکول کی ملازمت اور لڑکوں کی آمد و رفت کی بنا پر بعض لوگ اُن پر امرد پرستی کا الزام لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ساری کمائی لڑکوں پر خرچ ہوتی ہے بعض کا خیال تھا کہ وہ خفیہ طور پر ایک بیوی اور رکھتے ہیں اور اس پر ماہانہ معقول رقم خرچ کی جاتی ہے بعض خیال کو ذرا اور وسعت دیکر رائے قائم کرتے تھے کہ حضرت کو شاہد و ساغر سے دلچسپی ہے اور بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر نہایت اختصار و احتیاط کے ساتھ دل کے شوق پورے کئے جاتے ہیں۔ چند روز تک چشتی صاحب کی بیوی بھی بدگمانیوں کا شکار رہیں لیکن حد سے زیادہ تحقیقات کرنے پر بھی کسی بات کا سراغ نہیں ملا۔ وہ شوہر سے جب پوچھتی تھیں کہ آخر اتنا روپیہ کیا کرتے ہو تو یہی جواب ملتا تھا کہ سب خرچ ہو جاتا ہے۔ اُن کو محمد علیم کی تعلیم پر بھی کچھ خرچ کرنا نہیں پڑا کیوں کہ اسکول کی ملازمت کی وجہ سے انھیں ہر طرح کی تعلیمی آسانیاں حاصل تھیں۔ بیس سال کی عمر میں اُس نے اسکول لیونگ کا امتحان پاس کیا۔ چشتی صاحب اس سے زیادہ بیٹے کو تعلیم نہیں دینی چاہتے تھے اُن کا خیال تھا کہ اپنی طبعی مناسبت کے لحاظ سے دیگر مشاغل کی نسبت وہ ایک تاجر بن کر زیادہ کامیاب ہو سکے گا۔ لیکن تقدیر بہت کم تدبیر کا ساتھ دیتی ہے۔ چشتی صاحب اسی فکر میں تھے کہ بیٹے کے لیے کوئی کاروبار تجویز کریں اور پھر اس کی خانہ آبادی کے فرض سے سبکدوش ہوں

کہ موت کا پیغام آ پہونچا اور صرف اکیس روز وہ میعادی بخار میں مبتلا رہ کر جون ۱۹۱۳ء میں راہی ملک بقا ہوئے۔ چشتی صاحب کا مستقبل بہت خوش گوار تھا۔ وہ عنقریب پنشن کے مستحق بننے والے تھے اور اسی لئے وہ بیٹے کو تجارت کی لائنوں پر ڈالنا چاہتے تھے تاکہ آگے چل کر خود بھی کام کریں۔ لیکن موت نے مہلت نہ دی۔ جب اُن کا انتقال ہوا تو اُن کی تحویل میں ایک پیسہ بھی نہ تھا اور پندرہ سولہ روپیہ دوسروں کے قرض تھے اُن کی نیک بیوی نے گھر کے مصارف میں جز رسی کر کے سو سوا سو کی رقم تمام عمر میں پس انداز کی تھی وہ اس وقت بہت کام آئی اور مرحوم کی تجہیز و تکفین کے لئے غیر سے قرض نہیں لینا پڑا۔

چشتی صاحب کی دماغی حالت موت سے ایک ہفتہ پہلے بہت خراب رہنے لگی تھی اور تین روز پہلے سے زبان بند ہو گئی اور وہ اپنی بیوہ یا بیٹے کو آئندہ زندگی کے متعلق کوئی ہدایت بھی نہ دے سکے اور اس لئے ان دونوں کے رنج و ملال اور تفکرات کی کوئی انتہا نہ تھی چشتی صاحب کی تنخواہ کچھ واجب تھی اس کے وصول ہونے پر اُن کی فاتحہ اور ایصال ثواب کا انتظام کیا گیا۔ اور کچھ زمانہ پس انداز رقم سے بڑی کفایت شعاریوں کے ساتھ بسر ہوا۔ اس کے بعد قوت لایموت میسر آنے کی بھی کوئی سبیل باقی نہیں رہی۔ محمد علیم نے بہت کوشش کی کہ کہیں ملازمت مل جائے لیکن ضرورت کے وقت کوششوں میں بہت کم کامیابی ہوتی ہے کوئی صورت نہ نکلی اور آخر کار وہ ماں کا زیور بیچ بیچ کر گزر کرنے لگا لیکن زیور ہی کتنا تھا مشکل سے چار پانچ ماہ کا زمانہ بسر ہوا اور پھر فاقہ کشی کی نوبت آنے لگی۔ اب محمد علیم نے ارادہ کیا کہ باپ کے کتب خانہ کو فروخت کر کے کام چلائے۔ یہ کتب خانہ دو الماریوں پر مشتمل تھا اور یقیناً تین چار سو روپیے کو فروخت ہو سکتا تھا۔ لیکن اس کی ماں نے رو رو کر مخالفت کی کہ یہ اُن کی یادگار ہے اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔ اس خیال سے محمد علیم بھی متاثر ہوا۔ آخر گھر کی دوسری چیزیں فروخت ہونے لگیں آج دیگچی بک گئی کل لوٹا فروخت ہوا۔ پرسوں کتھے چونے کی دو ڈبیاں رکھ کر پاندان کے باقی اجزا ٹھٹھیرے کو تلوا دئے آخر ایک سہ ماہی اس حالت پر بھی گزری اور پھر ماں بیٹے نان جویں کو ترسنے لگے۔ تین شبانہ روز کی متواتر فاقہ کشی کے بعد اُن کے حواس بجا نہ رہے۔ اور وہ بیوہ جس نے کتابوں کو شوہر کی یادگار سمجھ کر اب تک جان کی طرح عزیز رکھا تھا خود بیٹے سے کہنے لگی کہ علیم اب کیا کیا جائے، مجھے یہ کتابیں عزیز ہیں لیکن تم سے بڑھ کر نہیں۔ میں تمھاری تکلیف نہیں دیکھ سکتی۔ اب تم ان کی فروخت کا انتظام کرو۔ محمد علیم خود بھی ایسا نا اہل نہ تھا کہ باپ کے شوق کی چیز کی قدر نہ کرتا مگر بھوک بُری بلا ہے اور خاص کر وہ بھوک جو کچھ وقت سے بدن کا خون چوس رہی ہو اور جس کی تسلی کے لئے کھانے کی خوشبو بھی موجود نہ ہو۔ آخر با دل ناخواستہ اُٹھا اور اس چھوٹے سے حجرے میں گیا جس میں اس کا باپ نماز پڑھتا تھا اور اپنے اوقات کا بیشتر حصہ کتب بینی وغیرہ

میں بسر کرتا تھا۔ یہ کمرہ یا حجرہ نہایت مختصر تھا۔ طول میں دو الماریاں رکھی تھیں اور الماریوں کے نیچے زمین سے دو فیٹ اونچی ایک اینٹ کی دو رویہ دیوار تھی گویا ایک نالی سی بن گئی تھی جس پر تختے رکھے ہوئے تھے اور ان تختوں پر الماریاں تھیں کمرہ میں پہنچ کر کیفیات نے ایک دفعہ پھر محمد علیم کے دل پر غلبہ کیا اُسے باپ کی یاد آئی آنکھوں سے آنسوں رواں ہوگئے اور سوچنے لگا کہ ان کتابوں کو محفوظ رکھنے کی کوئی تدبیر ہوسکتی ہے یا نہیں اُس نے غور وفکر کے بعد یہ رائے قائم کی کہ کتابوں کے بجائے الماریاں فروخت کرنی چاہئیں۔ ایک ماہ تک ان کی قیمت سے گزر اوقات ہوسکتی ہے اور پھر ممکن ہے کہ خدا میرے لئے کوئی صورت نکال دے۔ یہ سوچ کر اُس نے الماریوں کو کتابوں سے خالی کیا۔ اور پھر بمشکل ایک ایک الماری کو اُن کی جگہ سے ہٹایا۔ الماریاں جب کمرہ سے باہر نکال کر رکھیں تو اُسے نظر آیا کہ الماری کے ہر خانہ پر ایک چٹ لگی ہوئی ہے جس پر کتابوں کی تفصیل ہے اور یہ چٹیں چشتی صاحب مرحوم کی لکھی ہوئی تھیں۔ محمد علیم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ الماریاں بھی فروخت نہ ہوتیں تو اچھا تھا لیکن ساتھ ہی اُسے فاقہ کشی کا انتہائی ضعف یاد آیا اور اُس نے محسوس کیا کہ اگر آج شام تک خورونوش کا انتظام نہ کیا گیا تو پھر آنکھ کھولنا دشوار ہوگا۔ وہ پھر کمرہ میں گیا اور غور کرنے لگا کہ اس درد کا کیا علاج کرنا چاہئے۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ سردست ان تختوں کو فروخت کیا جائے جن پر یہ الماریاں رکھی تھیں یہ دو تین روپیہ کو ضرور فروخت ہوجائیں گے اور فوری مصیبت رفع ہوجانے کے بعد آئندہ کے لئے غور وفکر کا موقع مل جائے گا۔ اپنے دل کو اس فیصلہ پر رضامند کرکے اُس نے تختے اٹھائے لیکن تختے اٹھاتے ہی اُسے معلوم ہوا کہ جس جگہ وہ خلائے محض سمجھ رہا تھا وہاں چھوٹی بڑی پڑیوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ اُس نے متحیرانہ ایک پڑیہ اٹھائی انگلیوں کو خاص وزن محسوس ہوا۔ پڑیہ کو کھول کر دیکھا تو اس میں کچھ روپیے لپٹے ہوئے تھے اور کاغذ پر اُس کے مرحوم باپ کی لکھی ہوئی ایک عبارت تھی۔ محمد علیم نے اس پڑیہ کو لپیٹ کر رکھ دیا اور دوسری پڑیہ اٹھائی اس کا بھی یہی انداز دیکھا کہ کچھ روپیے لپٹے ہوئے ہیں اور کاغذ پر ایک عبارت لکھی ہوئی ہے اس واقعہ سے محمد علیم اس قدر متاثر ہوا کہ اس کا دماغ اپنے فعل سے عاجز رہ گیا۔ بے اختیار اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ غش کھا کر گر پڑا۔ چیخ کی آواز سُن کر بدنصیب بیوہ گھبرا کر دوڑی اور بیٹے کو بیہوش دیکھ کر ہوا دینے لگی۔ چہرے پر پانی کے چھینٹے دئے آخر بڑی دیر کے بعد محمد علیم نے آنکھیں کھولیں جب کہ اس کی ماں خاموش آنسوؤں کا مینہ برسا رہی تھی۔ وہ بلائیں لے کر بولی "بیٹا خیر تو ہے۔ طبیعت کیسی ہے" محمد علیم تھوڑی دیر تک چپ چاپ پڑا رہا پھر اس کے حواس کسی قدر بجا ہوئے اور اُس نے اپنی ماں سے کہا "اماں خدا نے ہمارے دن پھیر دئے اب ہم غریب نہیں ہیں۔ ابا جان کو خدا غریق رحمت کرے وہ ہمارے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں" اتنا کہہ کر وہ زار زار رونے لگا۔ بیوہ عورت بیٹے کی تقریر کا مطلب کچھ نہ سمجھی اور سمجھی تو یہ کہ وہ طعن وطنز کے طور پر

یہ الفاظ کہہ رہا ہے لیکن محمد علیم نے ماں کو یقین دلایا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے سچ ہے اور سچائی کے ثبوت میں اس نے ایک پڑیہ اٹھا کر کھولی۔ پڑیہ کے کاغذ پر یہ عبارت لکھی تھی " ہاں میں آج زردہ کھاؤں گا۔ زردے کی قیمت وغیرہ میں دو روپے صرف ہوں گے۔ یہ دو روپے آٹھ آنے میں علیحدہ کئے دیتا ہوں۔ اے نفس لئیم مزے لے لے کر کھا" پڑیہ میں تین ملفوف تھے۔

محمد علیم نے ایک دوسری بڑی سی پڑیا اٹھائی اس کے کاغذ پر لکھا تھا۔
" شیخ کبیرالدین آج اچھا دوشالہ اوڑھے تھے۔ دل تڑپ گیا۔ میں بھی ضرور خریدوں گا۔ بازار میں قیمت دریافت کی تو ڈیڑھ سو سے کم کو نہیں مل سکتا۔ سو روپے میرے پاس موجود ہیں۔ پچاس روپے قرض منگا لو۔ یہ ڈیڑھ سو روپے دوشالے کی قیمت کے ہیں۔ اے نفس حریص لطف اٹھا" ۔ پڑیہ میں ڈیڑھ سو کی رقم تھی۔

پھر ایک پڑیہ اٹھائی لکھا تھا " آج تو اسکول سے گھر تک پیدل جانا مشکل ہے۔ تانگہ منگاتا ہوں۔ بارہ آنے صرف ہونگے اچھا اے نفس آرام طلب تانگے پر چل" پڑیہ میں تین چونیاں تھیں۔

ایک پڑیہ کے کاغذ پر مرقوم تھا " میرے پاس صرف روئی کا دگلہ (چوغہ) ہے امسال ایک اچکن بنانی چاہیے کل ماسٹر یعقوب علی کی اچکن کا کپڑا مجھے پسند آیا چھ روپے گز ملا تھا۔ پندرہ روپے میں اچکن تیار ہوگی اے نفس طامع اچکن بھی پہن لے" پڑیہ میں ایک ساورن ملفوف تھا۔

ایک پڑیہ کے کاغذ پر یہ عبارت درج تھی " چھ ماہ سے بیوی بیمار ہے۔ خوف خدا کہاں تک پاس ناموس کب تک۔ آج بازار کے ایک کوٹھے پر اتفاقیہ نظر جا پڑی۔ کیسی حسین عورت تھی۔ اب میں اپنے جذبات کو نہیں روک سکتا مخفی سے مخفی طور پر جاؤں گا مگر ضرور جاؤں گا۔ چالیس روپیہ میں معاملہ طے ہوگا۔ پانچ روپیہ اور صرف ہوں گے پینتالیس کی رقم بکس سے نکال لیتا ہوں۔ اے نفس امارہ آج تمام رات عیش منا لے" پڑیہ میں پینتالیس روپے موجود تھے۔

ایک پڑیہ کے کاغذ پر پنسل سے لکھا تھا " آج مچھلی کے لئے جی بے چین ہے پندرہ آنہ صرف ہوں گے بہتر ہے پندرہ آنہ الگ کئے دیتا ہوں۔ پیارے نفس بے چین نہ ہو مچھلی کے کباب کھا" پڑیہ میں دو ارتھے۔

ایک پڑیہ کے کاغذ پر تحریر تھا " آگرہ جا رہا ہوں تیسرے درجہ میں سفر نہیں کروں گا۔ تیسرے درجہ میں ادنیٰ لوگ ہوتے ہیں۔ انٹر اور سکنڈ کے مسافروں کو لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اگر سکنڈ میں نہیں تو انٹر میں ضرور ہی جاؤں گا۔ اے نفس عزت و ناز کے موقع سے خوش ہو۔ انٹر کی آمد و رفت میں چار روپیہ پانچ آنے زیادہ صرف ہوں گے" پڑیہ میں چار روپیے پانچ آنے تھے۔

محمد علیم نے ایک بڑی پڑیہ اٹھائی۔ کاغذ پر لکھا تھا " برخوردار محمد علیم سلمہ کے ختنہ کی تقریب ہے اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے یہ دن دکھایا۔ میں اس تقریب میں دل کھول کر روپیہ صرف کروں گا۔ تمام مصارف

کا حساب لگایا۔ سات سو روپے ہوتے ہیں۔ چھ ماہ کے عرصہ میں اس مقصد سے میں نے چار سو روپے پس انداز کئے ہیں تین سو روپے قرض منگاتا ہوں لو رقم پوری ہوگئی۔ اے نفس عزت طلب خوش ہوجا، برادری کی واہ واہ پر مست ہو کر رقص کر۔ کم سے کم تین چار دن تو ضرور اس اولوالعزمی کی یاد تازہ رہے گی" پڑیہ میں سات سو کی رقم نوٹوں روپیوں اور گنیوں کی صورت میں تھی۔

محمد علیم نے ایک چھوٹی سی پڑیا اٹھائی۔ لکھا تھا "ڈبیہ میں پان ختم ہوگئے۔ گھر پہنچنے میں ایک گھنٹہ ہے۔ پان کھانے کو جی چاہتا ہے ایک پیسہ صرف ہوگا۔ ایک پیسے کی خواہش کو کیوں پامال کروں۔ لے نفس بے پروا پان کھا" پڑیہ میں ایک پیسہ تھا۔

غرض اسی طرح کی ہزاروں پڑیاں تھیں اور سب پر ایک نہ ایک عبارت لکھی تھی محمد علیم اور اس کی ماں دونوں شام تک ان پڑیوں کو کھولتے اور روپے کو جمع کرتے رہے۔ یہ سب رقم شمار میں بیس ہزار آٹھ سو روپیہ ہوئی۔ اب چشتی صاحب مرحوم کی بیوہ کو معلوم ہوا کہ ان کے شوہر کی کمائی کن مصارف میں صرف ہوتی تھی۔ وہ اپنے شوہر کی نفس کشی یاد کرکے بہت روئیں اور اس دن سے ان کا معمول تھا کہ شب و روز خداوند کی مغفرت کے لئے دعائیں مانگتی تھیں اور ایک ولی اللہ کی طرح عزت و وقعت کے ساتھ ان کا نام لیتی تھیں۔

جب اعزہ و اقربا پر یہ راز منکشف ہوا تو سب کو بڑی حیرت ہوئی اور انھوں نے بھی مرحوم کو فقرا سے بڑھ کر ضبط نفس میں کامل سمجھا۔ محمد علیم اگرچہ نوجوان اور نوجوانی کے جذبات سے لبریز تھا لیکن باپ کی مثال نے اس پر غیر معمولی اثر کیا۔ اس کی اخلاقی حالت پہلے بھی خوب تھی اور اب خوب تر ہوگئی۔ اس نے اس رقم سے کاروبار شروع کیا۔ محنت، کفایت شعاری اور عمدہ چال چلن نے کامیابی کو اس کی کنیز بنادیا۔ اور آج وہ باعتبار دولت اور بلحاظ اخلاق اپنے شہر کے بہترین لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

محمد سلیم مرحوم درحقیقت بڑے شخص تھے اور ہر وہ شخص بڑا ہے اور غیر معمولی طاقت رکھتا ہے جسے اپنے نفس پر اقتدار حاصل ہے اکثر لوگ اس مغالطہ میں مبتلا ہیں کہ وہ اپنے نفس پر حکومت کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ نفس ان پر حکومت کرتا ہے۔ اکثر لوگ کفایت شعار ہیں، حریص ہیں اور نفس پر قابو رکھتے ہیں لیکن وہ اپنے وارثوں کے لئے محمد سلیم مرحوم کی طرح ایک بڑی رقم ورثہ میں نہیں چھوڑتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی کفایت شعاری بے قاعدہ ہے۔ وہ اپنے حال کو کلفتوں اور زحمتوں سے لبریز کرلیتے ہیں اور مستقبل میں بھی انھیں تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اگر آپ نے ایک جذبہ کو دبا کر کچھ رقم پس انداز کی اور وہ دوسرے نہ دبنے والے جذبہ پر صرف ہوگئی تو اس ضبط نفس اور کفایت شعاری سے کچھ فائدہ نہیں۔ اگر کفایت شعار بننا ہے تو محمد سلیم مرحوم کی تقلید کیجیے اور بس۔

(یہ مضمون براہ راست مولوی ظہور احمد صاحب سے موصول ہوا تھا اگرچہ پلیہ اخبار صوفی میں بھی شائع ہوچکا ہے)

مسلم زمینداران کا امدادی بینک قائم کرنے کی عملی کارروائی کی ابتدا ضلع میرٹھ میں

ہم نے رسالہ سود مند نمبر ۴ بابتہ ماہ ستمبر میں بطور ضمیمہ کے ایک عرضداشت بخدمت "مسلم زمینداران صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ" شائع کی تھی جس میں تفصیل سے یہ عرض کیا گیا ہے کہ اس صوبہ میں اب سے نو برس پہلے جس قدر اراضی مسلمانوں کے قبضہ میں تھی اُس کے رقبہ کا دو تہائی سے زیادہ حصہ غیر مسلموں کے پاس سود در سود کے پھیر میں کوڑیوں کے مول چلا گیا ہے اور جو لہ باقی ہے اس کا بھی نصف حصہ زیر بار قرضہ ہے اور اس وجہ سے جلد انھیں کے پاس جانے والا ہے اور جو زمینداریاں ہنوز محفوظ ہیں ان کی نسبت بھی یہ کیسے اطمینان ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے پاس باقی رہیں گی کیونکہ زمینداری کے کام میں کبھی نہ کبھی قرض لینے کی ضرورت ہوتی ہے اور قرض دینے والے یہی غیر مسلم سرمایہ دار ہیں جو نہایت گراں شرح سود پر قرض دیتے ہیں جس کا ادا کرنا مشکل ہوتا ہے اور جائداد اُن کے پاس چلی جاتی ہے اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ایک روز کوئی مسلمان زمیندار اس صوبہ میں باقی نہ رہیگا اور وہ روز بد قوم اسلام کی انتہائی پستی کا دن ہوگا۔ اگر مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ جو بھی تھوڑی بہت اراضی اُن کی قوم کے پاس باقی رہ گئی ہے وہ ہی آئندہ غیر مسلموں کے پاس نہ جائے تو ان کو چاہیئے کہ ہر ضلع میں ایک امدادی بینک مسلم زمینداران کا قائم کریں تاکہ مسلم زمیندار بوقت ضرورت اس بینک سے کم شرح سود پر قرض پاسکیں اور سود در سود کے چکر میں پھنس کر برباد نہ ہوں اور اگر کوئی شخص اس کو بھی ادا نہ کر سکے تو اس کی جائداد بجائے غیر مسلموں میں جانے کے کسی مسلمان کے پاس جائے۔ اس صورت میں صرف شخصی نقصان ہوگا قومی نقصان نہ ہوگا۔ ہمیں یہ سن کر کہ سید الطاف حسین صاحب زمیندار جڑودہ ڈاکخانہ کنھور ضلع میرٹھ نے اپنے موضع میں زمینداروں اور کاشتکاروں کی ایک کواپریٹو سوسائٹی دو سال سے قائم کر رکھی ہے جو کامیابی سے چل رہی ہے دیکھنے کا شوق ہوا اور میر صاحب کو اطلاع دی کہ سوسائٹی کی کارروائی دیکھنے کو ۱۲ اکتوبر کو ناچیز اڈیٹر سود مند آنا چاہتا ہے چنانچہ تاریخ مذکور کو گیا۔ سید صاحب موصوف اپنے موضع سے تین میل آگے قصبہ شاہجہانپور ضلع میرٹھ میں موجود ملے اور دریافت فرمایا کہ "عرضداشت بخدمت مسلم زمینداران صوبہ متحدہ" کے متعلق کسی ضلع میں کوئی عملی کارروائی ہوئی ہے یا نہیں التماس کیا کہ ہنوز کوئی اطلاع نہیں ملی ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ میں ضلع میرٹھ میں اس کو شروع کرنا چاہتا ہوں چونکہ سید صاحب کے دل میں قوم کا درد ہے اور عرصہ چالیس سال سے مسلمانوں کی تعلیمی تحریکیں نہایت خاموشی سے کام

کر رہے ہیں۔ ایسی خاموشی کہ سید صاحب کے دلی دوستوں کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ کیا کر رہے ہیں اور کیا کیا ہے لیکن نیازمند کو عرصہ پینتالیس سال سے سید صاحب سے نیاز حاصل ہے اس وجہ یہ سن کر نہایت مسرت ہوئی۔ مگر پھر بھی عرض کیا کہ آپ کی عمر ستر برس کی ہو چکی قوت جسمانی گھٹ گئی ہے آپ کیسے کچھ کر سکیں گے۔ ارشاد ہوا ہاں مگر یہ دیکھ کر کہ قوم کچھ نہیں کرتی درد دل بہت بڑھ گیا ہے اور مجبور کرتا ہے کہ جس قدر بھی ممکن ہو یہ گھسیٹے جاؤں چنانچہ سید صاحب نے شرفا قصبہ مذکور سے اڈیٹر کا تعارف کیا ان حضرات کی خدمت میں عرضداشت بخدمت مسلم زمینداران پیش کی گئی۔ ایک صاحب نے بہ آواز پڑھ کر سنائی حاضرین متاثر ہوئے اور قرار پایا کہ موضع جڑودہ سے واپسی کے وقت اس بارہ میں سید صاحب موصوف سے گفتگو کریں گے۔ چنانچہ ناچیز اڈیٹر سید صاحب کے ہمراہ جڑودہ کو روانہ ہو گیا۔ پہونچ کر معلوم ہوا کہ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے قریب بارہ سو کے آبادی ہے سادات عظام اور مسلم چودھریان باشندے ہیں اور دونوں حضرات میں سخت مخالفت ہے نیز سادات میں بھی دو فریق ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں۔ مگر دونوں فریق نہایت تباہ حال ہیں افلاس اور بے علمی کا دور دورہ ہے جو معدودے چند خواندہ ہیں ان میں اختلاف عقائد ہے کچھ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے مرید اور سختی سے پیرو ہیں اور کچھ علما دیوبند کے مقلد ہیں۔ ان حالات کو دیکھ کر اڈیٹر سودمند کے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہی ایسے مقام پر کوآپریٹو سوسائٹی کیسے قائم ہو سکتی ہے اور اس کا کیونکر کام چل سکتا ہے۔ مگر کاغذات سوسائٹی دیکھنے سے معلوم ہوا کہ خوب کامیابی سے چل رہی ہے اور روز افزوں ترقی پر ہے ۲۴ ممبر ہیں تمام امور میں خواہ مذہبی ہوں یا دنیوی ایک دوسرے کا سخت مخالف ہے مگر سوسائٹی کے کاروبار میں سب ایسے متحد ہیں کہ گویا کوئی اختلاف ہی نہیں ہے اور ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ عسرت و فلاکت سے نجات حاصل کرنے کا یہی ذریعہ ہے۔ اور کیوں نہ سمجھیں کاغذات دیکھنے سے ظاہر ہوا کہ بعض کے زیادہ شرح سود کے قرضے سوسائٹی نے ادا کر دئے ہیں کسی کو بیل خریدنے کو روپیہ مل گیا ہے کسی کو سامان کشاورزی مل گیا ہے سوسائٹی کی میٹنگ میں ان حضرات سے گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ اس ناممکن التصور حالت کو صرف سید الطاف حسین صاحب کے خلوص اور درد دل نے ممکن کر دیا ہے۔ سید صاحب نے اسی گاؤں سے امدادی بنک مسلم زمینداران ضلع میرٹھ قائم کرنے کی کارروائی شروع کر دی۔ اہل جڑودہ سے جو نہایت مفلوک الحال ہیں اس کا ذکر کیا ان میں دس صاحبان نے اس بنک کے حصے قیمتی تین سو روپیہ کے لینا منظور کر لئے۔ اب جڑودہ سے قصبہ شاہجہانپور گئے جناب عبد الحمید خاں صاحب زمیندار و ممبر [illegible] کے دولت خانہ پر قصبہ کے زمیندار صاحبان جمع ہو گئے بعض حضرات نے جو عرضداشت بخدمت زمینداران صوبہ متحدہ کو پڑھ رکھا تھا چند سوالات کئے جن کا جواب ناچیز اڈیٹر نے عرض کیا کہ نو صاحبان نے بنک کے حصص قیمتی آٹھ سو روپیہ خریدنے کے واسطے نام لکھائے ان میں سے ۱۱ حضرات نے رسالہ سودمند کی خریداری بھی منظور فرمائی اور ان حضرات نے ایک کمیٹی بنا کر بالاتفاق جناب حمید اللہ خاں صاحب کو اس کمیٹی کا صدر محمد انعام اللہ خاں صاحب جو ایک جوان صالح اور نہایت خوش اخلاق ہیں ان کو سکریٹری مقرر کر کے قرار دیا کہ بنک کے متعلق انہیں حضرات کے ذریعہ آئندہ خط و کتابت کی جائے۔ جن حضرات نے بنک کے حصص خریدنے کی خواہش کی تھی حصص کی پہلی قسط دینے پر آمادہ تھے مگر سید الطاف حسین صاحب نے تجویز فرمایا کہ ابھی روپیہ نہ دیں۔ سید صاحب ضلع میرٹھ کے تمام ان گاؤں اور قصبوں میں پھر کر اول ایسے حضرات کی جو حصص لینے پر آمادہ ہوں فہرستیں مرتب کریں گے آخر میں بمقام میرٹھ ہر گاؤں کے ایک ایک دو دو صاحبان کو جمع کر کے ان کے مشورہ سے ایک حصہ کی قیمت اور اقساط کی تعداد و قواعد کی منظوری حاصل کر لینے کے بعد پہلی قسط کا روپیہ امپیریل بنک میں جمع کر دینگے۔ چنانچہ سید صاحب موصوف گھر اور سب کاروبار چھوڑ میرٹھ آگئے ہیں اور دیگر مقامات پر جانے کو تیار ہیں۔ خدا سید صاحب کی صحت اور قوت و ہمت میں برکت دے اور اس ارادہ میں کامیاب فرمائے۔ آمین۔

قواعد انجمن فلاح المسلمین

مسلمانوں کی مالی اصلاح کے لئے ضرورت ہی کہ ہر مقام پر مندرجہ بالا نام کی ایک انجمن قائم کی جائے۔ ذیل میں بطور نمونہ کے چند قواعد درج کئے جاتے ہیں امید ہی کہ اس نمونہ پر انجمنیں قائم کر کے مقامی ضروریات کے مطابق قواعد بنائے جائیں گے اور جہاں کوئی انجمن پہلے سے موجود ہو وہ بھی مسلمانوں کی مالی بہبودی کے کام کو اپنے قواعد میں داخل کرے گی اور اپنی کارروائی سے اڈیٹر سود مند کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتی رہے گی۔ جدید انجمن قائم ہونے کی خبریں رسالہ سود مند میں شائع کی جائیں گی۔

مجوزہ قواعد یہ ہیں:-

(۱) فلاح المسلمین کے مقاصد وہی ہوں گے جو صفحہ اول پر پہلی تین دفعات میں درج ہیں۔

(۲) ممبروں کے ذاتی فرائض حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) اپنی آمدنی کا کم سے کم دسواں حصہ کسی بینک یا ڈاک خانہ یا کسی محفوظ مقام میں جمع کرنا۔

(ب) اپنی زندگی کا بیمہ کرانا تاکہ پس ماندگان کسی کے دست نگر نہ ہوں اور ہر بچہ کا تعلیمی بیمہ کرانا تاکہ اس کی تعلیم بے کھٹکے ہر حالت میں جاری رہ سکے۔

(ج) اپنے بچوں کو ابتدا سے روپیہ بچانے اور بڑھانے کی تربیت دینا۔

(د) خود نہایت سادہ زندگی بسر کرنا اور شادی غمی کے مسرفانہ اخراجات سے بچنا۔

(۳) ممبروں کے ملی فرائض حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر روپیہ کا کاروبار کریں اور مسلمان دوکان داروں اور کاریگروں کو معین اور غیر معین منافعہ پر روپیہ دیکر انہیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرائیں۔

(ب) مسلمانوں میں انجمن ہائے امداد باہمی اور مشترک سرمایہ کی کمپنیاں قائم کرانا۔

(ج) مسئلہ سود کے اصلی معنوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اور اس مضمون کی کتابیں مسلمانوں سے پڑھوانا اور ان کے مضامین ناخواندہ مسلمانوں کو پڑھ کر سنانا۔

مسلمانوں کی مالی حالت کا آئینہ

اسلامی انجمنوں اور مسلم ہمدردوں کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنے اپنے مقامات میں مسلمانوں کی مالی حالت کی نسبت تحقیق کریں اور اس سے ازراہ کرم ہمیں اطلاع دیتے رہیں تاکہ وہ حالات یا اُن کا خلاصہ مسلمانوں کی اطلاع کے لئے رسالہ سود مند میں شایع کیا جایا کرے۔ مالی حالت کی تفتیش میں حسب ذیل سوالات سے مدد ملے گی۔

(۱) آپ کے قصبہ یا شہر یا ضلع میں جہاں کا حال آپ کو لکھنا ہے دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کی نسبتی تعداد کیا ہے۔

(۲) بمقابلہ گزشتہ دس بیس سالوں کے مسلمانوں کی زمینداریاں اور جائدادیں اب بڑھ رہی ہیں یا گھٹ رہی ہیں۔

(۳) صنعت وحرفت اور تجارت میں مسلمانوں کی نسبتی حالت اندازاً کیا ہے۔ آیا کسی خاص قسم کی تجارت وصنعت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔

(۴) مسلمان کاریگر، کاشتکار اور دوکاندار بالعموم کس قوم کے لوگوں سے قرض لیکر اپنا کاروبار کرتے ہیں۔

(۵) مسلمان پیشہ ور بالعموم کفایت شعار اور خوش چلن ہیں یا مسرف اور بدچلن۔

(۶) مسلمانوں کو قرضداری کے چکر سے نکالنے اور اُن کا کاروبار درست کرنے کے لئے آیا آپ کے یہاں انجمن ہائے امداد باہمی یا مشترک سرمایہ کی کمپنیاں ہیں یا نہیں۔

(۷) شادی اور غمی کی تقریبات میں آپ کے ہاں برباد کن مراسم کیا کیا ہیں اور اُن کے بند کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔

(۸) آپ کے ہاں مسلمانوں کی تعلیمی حالت کیسی ہے۔ کوئی قومی مدارس یا انجمنیں ہیں کہ نہیں۔

(۹) آپ کے نواح میں برادرانِ وطن اپنے بچوں کے لئے کفایت شعاری کے کیا طریقے استعمال کرتے ہیں۔

(۱۰) آپ کے نزدیک مسلمانوں کی مالی حالت کی درستی کے لئے کیا طریقے ہوسکتے ہیں۔

(**التماس**) جو اصحاب یا انجمنیں یہ حالات جمع کرکے مہربانی سے ہمارے پاس بھیجیں وہ اُن کی نقل اپنے پاس بھی محفوظ رکھیں اور سال بسال اس کا مقابلہ مسلمانوں کی حالت سے کرتے رہیں۔

خاکسار

اڈیٹر سود مند

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۱۴۵

سود بہبود اور فلاح قوم کا ہوں میں متمنّد * قوم کا خادم ہوں بس یہ نام میرا......

سود

مہتمم جعفر حسین

جو مہینہ میں ایک بار علی گڑھ سے شایع ہوتا ہے

جلد (۱)	یکم دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء	چندہ سالانہ (عـ)
نمبر (۶)		قیمت فی پرچہ (۳)

مقاصد

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس وگداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمن ہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ملک سے ربا کو جو برباد کن اور حرام ہے مٹائے۔

(۳) فضول اور برباد کن رسم ورواج کی اصلاح کرنا۔ اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار وتجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی۔ ذہنی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شایع کرنا

باہتمام محمد مقتدیٰ خان شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ۱۳۴۳ھ ۱۹۲۵ء طبع ہوا

فہرست مضامین سُودمند

قواعد خریداریِ سُودمند

(۱) یہ رسالہ بالعموم ۳۲ صفحات پر مہینہ میں ایک بار شایع ہوتا ہے

(۲) قیمت سالانہ دو روپیہ ہے جو منیجر سودمند علی گڑھ کے پاس بھیجدی جائے یا وی پی بھیجنے کی ہدایت فرمائی جائے۔

(۳) نمونہ کا پرچہ بلاقیمت روانہ ہوگا۔

(۴) رسالہ کے لئے مضامین اڈیٹر سودمند علی گڑھ کے پاس ارسال فرمائے جائیں

(۵) اشتہارات کا نرخ نامہ آخر میں درج ہے۔

رسالہ جوازِ سُود معہ فتاویٰ

اِس رسالہ میں مختصر طور پر سُود کی حقیقت، ربا اور سُود کا فرق اور تجارتی سُود کے جواز کی صورتیں معہ علماء کرام کے فتووں کے دی گئی ہیں اور کفایت شعاری اور روپیہ جمع کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں جو صاحب ایک جلد منگانا چاہیں وہ ذیل کے پتہ پر آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیجدیں۔ ایک سے زیادہ جلدوں کی قیمت بحساب ایک آنہ فی جلد اور پانچ روپیہ فی سو جلد ہوگی۔

منیجر سُودمند۔ علی گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوز [illegible] ہ

جلد ا	یکم دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء	نمبر ۷

مُسرف کو بُرا سمجھیں ٹھکرائیں مشیخت کو

(از محمد قمر الحسن صاحب قمر۔ بدایونی)

جس شخص سے کہتا ہوں میں قوم کی خدمت کو
کہتا ہے وہ تم دیکھو پہلے مری حالت کو

ملبوس جو میرا ہے یہ ایک لفافہ ہے
میں جس سے چھپاتا ہوں افلاس و فلاکت کو

یہ ٹھاٹھ یہ فرنیچر جو کچھ نظر آتا ہے
قرضے سے خریدا ہے اظہارِ مشیخت کو

بے آمدنی سو کی دو سو کے مصارف ہیں
اس طرح بچاتا ہوں اجداد کی عزت کو

جائداد جو کچھ بھی ہے مکفول ہے قرضہ میں
تھوڑا ہی سا وقفہ ہے نیلام کی مدت کو

جو لڑکے ہیں وہ جاہل تعلیم ہو کیا اُن کی
جب دام نہیں جُڑتے فیشن کی ضرورت کو

یو نائی کلپ۔ کالر۔ فل بوٹ۔ گھڑی عینک
سوٹ اور بہت بڑھیا ہیٹ اس کی حمایت کو

یہ۔ اور جو فیشن کے سامان ضروری ہیں
اُن سے ہی نہیں فرصت مجھ سوختہ قسمت کو

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں اولاد کو سمجھاؤں
تیار بھی ہوتا ہوں میں اُن کی نصیحت کو

پھر دھیان یہ آتا ہے اب اس سے نتیجہ کیا
بدلا ہے کسی نے بھی تدبیر سے قسمت کو

یہ فلسفہ اُن کا ہے یہ اُن کی عجب منطق
تقدیر سمجھتے ہیں خود کردہ حماقت کو

معلوم نہ تھی ان کو کیا آمدنی اپنی — کیا خود نہ سمجھتے تھے یہ اپنی حقیقت کو
کیوں خرچ کیا اتنا جو بار ہوا آخر — کیوں مول لیا چل کر قرضے کی مصیبت کو
[illegible] کی عادت [illegible] سلام پہ چڑھوا دیں — کیا خوب بچایا ہے اجداد کی عزت کو
زیبا نہ یہ تھا کرتے کچھ فکر ترقی کی — ہر کام میں رکھنا تھا ملحوظ کفایت کو
کچھ جس سے بچت ہوتی کچھ آمدنی بڑھتی — ہر سال مدد ملتی بڑھتی ہوئی دولت کو
کچھ جوڑتے کچھ کرتے خوش حال نظر آتے — بڑھتا ہی ہوا پاتے روز اپنی بضاعت کو
بچتی جو رقم اس سے جائداد بڑھا لیتے — یا فائدہ پہونچاتے کچھ اپنی تجارت کو
بچوں کو جو کچھ دیتے ہاتھ اس کے یہ کہہ دیتے — [illegible] صرف میں نہ اس کے ہو کچھ دخل حماقت کو
ہوں خرچ یہ دام اس میں جو کام ضروری ہو — پھر مد نظر رکھو اس میں بھی کفایت کو
[illegible] جس میں کچھ نفع نظر آوے — کچھ صرف ہو کچھ باقی رہ جائے ضرورت کو
[illegible] کی شرطوں کے بس [illegible] میں ہو — جس طرح بھی ہو رکھیں قابو میں طبیعت کو
[illegible] آگے — اسراف کو برا سمجھیں ٹھکرائیں [illegible] کو
[illegible] — ترجیح دیں شیخی پر اصلاح معیشت کو
[illegible] — [illegible] علم کی دولت کو مانیں [illegible] کو
[illegible] — [illegible] عزت و شہرت کو
[illegible] — [illegible] ہیں جو دنیا میں بچوں کی ہدایت کو

[illegible]

[illegible]

بینک کا سود کسی [illegible]

[illegible]

مسلمانانِ پنجاب کی اقتصادی حالت

یہ [illegible] لکچر ہے جو [illegible] طفیل احمد صاحب نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے گذشتہ سالانہ جلسہ میں دیا تھا اور جسے انجمن حمایت اسلام نے کثیر تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا ہے۔ یہ لکچر بعض اخبارات میں بھی شائع ہو چکا ہے مگر ناظرین ہمدرد کے لیے خاص طور پر اس کو جگہ دی جاتی ہے [illegible] مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات ہمدرد کی چند سطروں میں نہیں آ سکتیں [illegible]

تمہید میرے لیے یہ [illegible] عزت فخر و مسرت کی ہے کہ مجھے آج [illegible] کے مسلمانوں کو خطاب کرنے کا موقع ملا ہے جہاں کے مسلمان بلحاظ تعداد [illegible] ذہانت اور جرأت و مردانگی کے [illegible] سرسید مرحوم کا بنایا ہوا "زندہ دل" کے دوسرے صوبوں کے مسلمانوں سے ممتاز ہیں۔ موجودہ حالت میں مسلمانان پنجاب نہ صرف اپنے صوبہ میں نہایت جوش سرگرمی اور اولوالعزمی سے قومی و تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں بلکہ [illegible] کی کوشش کے نتائج سے دوسرے صوبوں کے مسلمانان بھی مستفید ہو رہے ہیں۔ چنانچہ علاوہ آپ کی دیگر امداد کے [illegible] مجھے صوبہ متحدہ کی انجمن جمعیت تبلیغ سے معلوم ہوا کہ اس کی مالی امداد میں پنجاب کا بڑا حصہ ہے لہذا اگر [illegible] تمام ہندوستان کے مسلمان آپ کو محبت اور عزت کی نظر سے دیکھیں اور اگرچہ ہجوم و مصائب [illegible] تو خداوند تعالیٰ کی ذات پر ہے لیکن اس مادّی دنیا اور عالم اسباب میں مصیبت کے وقت [illegible] نظریں آپ ہی پر پڑتی ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ لیکن اے بزرگان پنجاب اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے جو نہایت مایوس کن ہے۔ آپ ذرا اس کمزور اور نحیف الجثہ شخص کی مایوسی اور دلی رنج و کلفت کا اندازہ [illegible] جو اپنے جوان مرد اولوالعزم اور بلند بالا بھائی کے خون میں بھی وہی مہلک جراثیم دیکھتا ہے جس نے خود [illegible] کی نشو و نما کو روک دیا ہے اور اس کو پژمردہ اور مضمحل بنا رکھا ہے۔ نحیف الجثہ بھائی سے میری مراد [illegible] صوبہ کے مسلمان ہیں جو اپنے قوی ہیکل پنجابی بھائیوں کو اپنے جیسے امراض میں مبتلا دیکھ کر افسردہ و مایوس [illegible] جراثیم "افلاس اور تنگدستی" ہیں جنہوں نے کم و بیش پنجاب کے مسلمان بھائیوں [illegible] قانون انتقال اراضی کا عرصہ سے نفاذ ہے جس کی وجہ سے [illegible] کے ساتھ [illegible] رہتی ہیں محفوظ ہیں۔ شاید یہ ایک بدنما [illegible] ہوگی کہ ایک [illegible] کے مسلمان اپنی محبوب انجمن کی مالی امداد اور [illegible] کرنے [illegible]

کے لئے آئے ہیں مسلمانوں کے افلاس اور بے مائگی کی داستان سنا کر "افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را" کا مصداق بنوں مگر اے حضرات ایک لمحہ تامل کیجئے۔

۳- دودھ والی گائے کے چارہ کا انتظام میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم روزانہ جس گائے کا دودھ دوہتے ہیں اس کے چارہ اور دانہ کی بھی فکر رکھیں تاکہ دودھ خشک نہ ہوجائے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جن مسلمانوں کی اعانت کی بدولت تمام قومی کام چل رہے ہیں ہم کو اُن کی مالی اور اقتصادی حالت پر بھی توجہ کرنی چاہئے اور اس کی ترقی کے لئے بہترین تدابیر اختیار کرنی چاہئیں تاکہ مسلمان آئندہ بھی نہ صرف قومی کاموں میں امداد دینے کے قابل رہیں بلکہ اس قدر متمول ہوجائیں کہ اُن کا ایک ایک فرد ایک ایک قومی انسٹی ٹیوشن کو اپنی ذاتی اعانت اور فیاضی سے چلا سکے اور قومی کارکنوں کو روزانہ وزرگے چندہ دوں اور دریوزہ گری سے مستغنی کر دے۔ ایسا ہونا کچھ ناممکن نہیں ہے۔ یورپ اور امریکہ کی مثالوں سے قطع نظر کرکے صرف ہندوستان ہی کی مثالوں کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ غیر مسلم اقوام میں ہزاروں افراد ایسے ہیں جنھوں نے محض اپنی ذاتی فیاضی، اولوالعزمی، بلند حوصلگی سے بڑے بڑے شاندار کام اپنی قوم کے لئے جاری کر رکھے ہیں اور اس قسم کی فیاضیوں کی مثالیں معمولی معمولی قصبات تک میں موجود ہیں اور یہ نتیجہ اس بات کا ہے کہ اُس قوم کے افراد دولتمند ہیں اس لئے وہ ہر موقع پر فیاضی اور اولوالعزمی کا اظہار کرتے ہیں۔ لہذا اُن کے تمام قومی کام سرسبز و شاداب ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے تمام قومی کام اُن کی بے مائگی اور ناداری کی وجہ سے پژمردہ اور افسردہ حالت میں ہیں۔

شروع میں میں نے پنجاب کے مسلمانوں کی مالی حالت پر جو اظہار طمانیت کیا اس سے مقصد یہ تھا کہ دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کی نسبت اُن کی حالت فی الجملہ بہتر ہے لیکن اگر برادران وطن سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو اُن کی حالت بھی قابل اطمینان نہیں بلکہ لائق صد حسرت و افسوس ہے۔

۴- اخبارات سے اقتباس اس کا پتہ کچھ تو اخبارات سے چلتا ہے اور کچھ سرکاری رپورٹوں سے۔ اوّل اسلامی اخبارات سے کچھ اقتباسات پیش کروں گا مثلاً اخبار وکیل نے ایک مرتبہ امرتسر کے مسلمانوں کے متعلق لکھا تھا کہ "اگر تم کسی مسلمان محلہ میں چلے جاؤ تو تم اُن تنگ و تاریک گلیوں میں عجیب وحشت ناک خاموشی پاؤ گے اور اس خاموشی کا طلسم توڑنے کے لئے یا تو کسی برہنہ و نیم گرسنہ بچے کی چیخ و پکار سنو گے یا کسی برقع پوش عورت کے نحیف و لاغر ہاتھ دیکھو گے جو برقع سے نکل کر خیرات کے لئے پھیلے ہوں گے۔" دوسرے موقع پر لکھا تھا "علی الصباح جب دنیا کی قومیں اپنا کاروبار انجام دینے کے لئے بیدار ہوتی ہیں تو کانوں میں اللہ اکبر کی حزینہ صداؤں کے ساتھ گداگروں کی اُداسی پیدا کرنے والی دردانگیز

آوازیں بھی آتی ہیں جو حساس دلوں کو بے چین کئے بغیر نہیں رہتیں۔ یہ گداگر کون لوگ ہیں؟ ذرا تحقیق کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں ننانوے فی صدی مسلمان ہیں۔ ان میں بچے بھی ہیں بوڑھے بھی ہیں۔ یہ دل خراش نظارہ سارا دن اور بہت رات گئے آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ آہ یہ حقیقت کس قدر افسردہ کرنے والی ہے کہ مسلمان منصبِ زندگی میں گداگری پر مجبور ہیں"۔ اسی طرح حال میں امرتسر سے مظلوموں کی فریاد کے عنوان سے ایک عرضداشت شائع ہوئی ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ "امرتسر کے اہل ہنود تاجر اور صاحب ثروت ہیں اور مسلمان عام طور پر غریب اور مزدوری پیشہ ہیں۔ اہل ہنود نے سنگھٹن قائم کرکے اپنی قوم کو منتظم کیا جس کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا جائے اور اس طرح سے کمزور کرکے اور دباؤ ڈال کر و لالچ دے کر پرستاران توحید کو مرتد بنایا جائے"۔

ایک عام مقولہ ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کی دولت اور اپنی عقل زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس قول کے مطابق مسلمانوں کو اپنی دولت کم معلوم ہوتی ہو مگر مسلمانوں کے واقعی افلاس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اب اُن کے برادران وطن بھی نہ صرف اپنے دلوں میں مسلمانوں کو مفلس سمجھتے ہیں بلکہ علانیہ اپنے اخبارات میں اُن کے متعلق اس کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ اخبار کیسری میں لالہ دونی چند صاحب کی ایک تحریر شائع ہوئی تھی جس کے چند الفاظ یہ ہیں۔

"ہندوؤں کے پاس ایک طاقت ہے اور وہ طاقت روپیہ کی طاقت ہے جس سے وہ
فوائد عظیم حاصل کرسکتے ہیں۔ انفرادی اور مجموعی حیثیت سے ہندو مسلمانوں سے بدرجہا زیادہ
دولت مند ہیں۔ پنجاب کے تقریباً ہر ایک قصبے میں اگر ایک مسلمان ایسا ہے جس کے پاس ایک
لاکھ روپیہ ہے تو اس کے مقابلہ میں ایک لاکھ روپیہ رکھنے والے بیس ہندو ہیں"۔

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی اعلیٰ معاشرت اور ظاہری ٹھاٹھ سے لالہ صاحب کو یہ حسن ظن پیدا ہوا کہ قصبات میں بعض مسلمانوں کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ شہروں میں بھی بہت کم مسلمان ایسے نکلیں گے کہ جن کے پاس نقد ایک لاکھ روپیہ ہو۔ بہرحال برادران وطن ہماری مالی کمزوری سے کم وبیش واقف ہوگئے ہیں جس سے اُن میں یہ اولوالعزمی پیدا ہوگئی کہ وسیع پیمانہ پر انہوں نے شدھی کا دور جاری کردیا۔ چنانچہ لائل گزٹ نے ایک دفعہ لکھا تھا کہ "ملکانہ راجپوتوں کا ارتداد تمام مسلمانوں کے ارتداد کی تمہید ہے"۔ اور ایک تقریر میں پنڈت نرسنگھ دیو صاحب شاستری پروفیسر اورینٹیل کالج لاہور نے فرمایا تھا کہ:-

"ہندو جاتی پھر اپنی بلند جگہ حاصل کرے گی وہ وقت آنے والا ہے جب کہ اس دیش
کے تمام غیر ہندو پھر ہندو بن جائیں گے اور ان کے دھرم استھانوں پر ویدک دھرم

کا [illegible] لے گا :

خدا [illegible] ایسا کبھی ہو اور ہونا نہ ہونا دونوں خدا کے اختیار میں ہے تاہم ان اقتباسات کے پیش کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ ایک طرف تو افلاس و تنگدستی سے پست ہمتی اور افسردگی پیدا ہو رہی ہے دوسری طرف کثرت دولت سے حوصلہ ہمت اور اولوالعزمی بڑھ رہی ہے اور چونکہ حیات ملی کے لئے افسردگی سم قاتل ہے اور ہمت و مردانگی مثل حرارت غریزی کے ہیں تو کیا مسلمانوں کا یہ سب سے اہم فرض نہیں ہے کہ وہ دیگر تدابیر کے ساتھ قومی جسم کی حرارت غریزی قایم رکھنے کی بھی فکر کریں۔

۵ تعلیم پر افلاس کا اثر اب تک مسلمانوں نے اپنے تمام قومی امراض کا علاج تعلیم کو سمجھا اور اسی میں ترقی کرنے کے لئے تمام تر کوششیں کیں اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ تعلیم ہی ایک ایسی چیز ہے جو جملہ قومی امراض کے لئے اکسیر کا کام دیتی ہے مگر اب جو دقت پیش آرہی ہے وہ یہ ہے کہ کافی تعداد میں اکسیر بھی خریدنے کی ہمت مسلمانوں میں نہیں رہی یعنی یہ کہ قوم کے بچے کثیر تعداد میں اسکول کی تعلیم ختم کر کے اعلیٰ تعلیم اس لئے حاصل نہیں کر سکتے کہ اُن کے پاس روپیہ نہیں ہوتا۔ اپنے اس خیال کی تائید میں ذیل کے اعداد پیش کرتا ہوں۔

تعداد طلبار ۲۳-۱۹۲۲ء میں

نمبر ترتیبی	نوعیت تعلیم	تعداد مسلمان طلبار	تعداد ہندو وسکھ طلبا	مسلمانوں کی نسبت بمقابلہ ہندو وسکھ طلبار
۱	پرائیویٹ یا نجی درس گاہیں	۳۴،۲۶۳	۲۳،۰۰۹	۱ ۱/۲
۲	ابتدائی مدارس	۱،۸۲،۲۷۶	۱،۶۱،۶۳۴	۱ ۱/۸
۳	ثانوی مدارس	۱،۰۰،۳۵۶	۱،۴۲،۹۸۳	۵/۷
۴	ٹریننگ، ڈاکٹری، انجنیری صنعتی وتجارتی اسکول	۵،۱۲۳	۷،۹۱۶	۵/۸
۵	مختلف علوم کے کالج	۱،۰۸۳	۳،۶۸۸	۱/۳ سے کم
۶	قانون۔ ڈاکٹری، مویشی، ٹریننگ تجارتی کالج	۱،۴۱۱	۴،۶۵۵	۱/۳ سے کم

مندرجہ بالا نقشے سے ظاہر ہے کہ مسلمان بچوں کی تعداد ابتدائی تعلیم میں برادران وطن سے زیادہ ہے لیکن اوپر کے درجوں میں بتدریج گھٹتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ کالجوں میں ایک ثلث سے بھی کم رہ گئی ہے

اور میرے نزدیک یہ بہت کچھ افلاس کا نتیجہ ہے۔ اس کے علاوہ عمدہ قسم کی یونیورسٹیاں جن میں صنعتی انجنیری اور ڈاکٹری تعلیم کا انتظام ہو قایم کرنے کی استطاعت مسلمانوں میں بالکل نہیں رہی جن کی اس زمانہ میں سخت ضرورت ہے اور جن کی اہمیت اس درجہ پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ اب سائنس اور صنعتی تعلیم کے مقابلہ میں علوم عامہ کی تعلیم ایسی ہی بیکار سمجھی جاتی ہے جیسے کہ مشرقی علوم کی تعلیم کسی زمانہ میں انگریزی مدارس کی تعلیم کے مقابلہ میں سمجھی جاتی تھی۔ اور اسی وجہ سے انجمن حمایت اسلام مجبور ہوئی ہے کہ وہ اپنے کالج میں سائنس کا شعبہ کھولے جس میں کثیر سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔

۲۔ لکھے پڑھے لوگوں کے پیشے

وقت تنگ ہے اس لئے میں اور زیادہ تعلیمی اعداد سنا کے یا ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ شمار کرانے میں آپ کا قیمتی وقت صرف نہ کرونگا۔ کیونکہ ان امور کا چرچا تو اخبارات وغیرہ میں رہتا ہے۔ البتہ چند وہ پیشے جو مسلمانوں سے مخصوص تھے ان میں مسلمانوں کی تعداد دکھانا ضروری سمجھتا ہوں۔

الف۔ قانون

	وکیل مختار۔ قاضی	محرر۔ عرائض نویس وغیرہ
مسلمان	۲,۲۸۹	۲۰۸۳۵
دیگر اقوام	۷,۰۱۲	۷۰۴۳۴

گویا کہ قانون پیشہ اصحاب میں بشمول عرائض نویسوں اور محرروں کے مسلمان صرف ایک ثلث ہیں۔

ب۔ ڈاکٹری وطب

مسلمان	۲۵,۶۴۴
دیگر اقوام	۲۲,۰۶۸۳

ڈاکٹری اور طب کی تعداد رپورٹ میں یکجائی دی گئی ہے۔ ڈاکٹری میں یقینی طور پر دیگر اقوام کے افراد بہت زیادہ ہیں۔ طب کے پیشہ میں کسی قسم کی روک نہیں ہے اور اس میں علوم جدیدہ کی ضرورت نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کی تعداد اس میں اس قدر زیادہ ہے کہ اس نے کل خانہ میں ان کی تعداد دیگر اقوام سے کسی قدر بڑھادی۔

ج۔ تعلیم

مگر اسی کے ساتھ صیغہ تعلیم میں جو مسلمانوں کا خاص پیشہ تھا مسلمان کم ہیں۔

	پروفیسر اور دیگر استاد	کلرک وغیرہ
مسلمان	۲۱,۷۲۲	۹۶۱
دیگر اقوام	۳۰,۴۴۴	۲۰۱۰۰

(۶) علوم وفنون

مردم شماری کی رپورٹ میں ایک مد علوم وفنون یعنی (Letters, Art and Science) کی ہے۔ اس کی تفصیلات اس اعتبار سے قابل توجہ ہیں کہ ان میں اعلیٰ درجہ کے کاموں میں مسلمان کم اور ادنیٰ درجہ کے کاموں میں زیادہ ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

	مسلمان	دیگر اقوام	
۱۔ محاسب وخزانچی	۸,۸۹۲	۱۷,۹۸۸	نصف
۲۔ کلرک اور ... لکھنے والے	۵۹۲	۱,۱۷۳	نصف
۳۔ انجینئر ... وغیرہ	۲,۰۸۳	۴,۳۶۶	نصف
۴۔ مصنف اخبار نویس نقاش مصور وغیرہ	۱,۵۷۰	۳,۱۴۹	نصف
۵۔ ڈراما نویس گویئے ایکٹر ناچنے والے	۶۰,۵۵۲	۹,۳۱۱	چھ گونے
۶۔ رمال منجم بھاٹ وغیرہ	۳,۰۲۸	۱۲,۳۷۷	چہارم

یعنی محاسبوں، کلرکوں، انجینئروں، مصنفوں، اخبار نویسوں، نقاشوں اور مصوروں میں مسلمان دیگر اقوام سے نصف ہیں۔ مگر ڈراما نویسوں گویوں، ایکٹروں اور ناچنے والوں میں مسلمان دیگر اقوام سے ساڑھے چھ گونے ہیں۔ رمال منجم اور بھاٹ صرف ہندوؤں میں ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں ہندوؤں کا زیادہ تعداد میں ہونا ایک بدیہی امر ہے۔

۷۔ دوسرے پیشے

اس ملک میں مسلمان یا تو زیادہ تر زمیندار تھے۔ یا ایسے پیشوں میں تھے جن میں لکھنے پڑھنے کا کام تھا۔ زمینداری سے تو وہ اس لئے خارج ہو رہے ہیں کہ اسراف بدنظمی اور قرض داری میں ان کی جائدادیں نکل رہی ہیں۔ اور لکھنے پڑھنے کے کاموں میں ... ملازمتوں میں اس لئے کم ہو رہے ہیں کہ اس زمانہ کی تعلیم جو روپیہ سے حاصل ہوتی ہے، اس کی مسلمانوں میں استطاعت نہیں اور اسی لئے وہ شور وشغب کرتے رہتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تعلیمی اور سیاسی کمزوری کی وجہ سے جب مسلمان ملازمت اور زمینداری سے خارج ہو رہے تھے تو وہ ملک کے دوسرے پیشوں کی طرف توجہ کرکے انہیں اپنی بسر اوقات کا ذریعہ بناتے۔ مگر واقعات بتا رہے ہیں کہ دیگر پیشوں کا لازمی عنصر سرمایہ ہے جس سے مسلمانوں کو سراسر اجنبیت ہے۔ اس لئے دوسرے پیشوں میں ان کی کامیابی کی راہ میں تعلیم اور ملازمت سے بھی زیادہ موانع حائل ہیں۔ بلاشبہ اس صوبہ میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ ہر پیشہ میں کثرت سے نظر آتے ہیں مگر افسوس کہ سرمایہ کی کمی سے وہ طبقۂ اسفل میں اترتے چلے جا رہے ہیں۔ برخلاف اس کے دوسری قومیں طبقۂ اعلیٰ

[illegible] چلی جا رہی ہیں۔ مثلاً معمولی قسم کی زراعت میں مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام سے زیادہ ہے مگر چائے قہوہ ربڑ اور نیل کی کاشت میں جو زیادہ قیمتی ہیں اور جن میں زیادہ سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے دیگر اقوام کے [illegible] افراد کے مقابلہ میں مسلمان صرف (۲۶۰) ہیں۔

مسلمانوں کی بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ مال تیار کرنے میں وہ دیگر اقوام سے [illegible] ہے مگر تجارت سے نفع اٹھانے میں پیچھے ہیں۔ اس کا کچھ اندازہ حسب ذیل اعداد سے ہو سکے گا۔

الف۔ تیل

	تیل نکالنے والے	تیل بیچنے والے
مسلمان	[illegible] ۴۲۹	[illegible]
دیگر اقوام	[illegible]	[illegible]

یعنی مسلمانوں میں تیل نکالنے والوں کی تعداد دیگر اقوام سے زیادہ ہے [illegible] تیل بیچنے میں ایک ثلث سے بھی کم ہے۔

ب۔ کپڑا

	کپڑا بننے والے	کپڑا بیچنے والے
مسلمان	[illegible]۶۱۳	[illegible]
دیگر اقوام	[illegible]	[illegible]

یعنی کپڑا بننے میں مسلمان دوگنے سے زیادہ ہیں مگر اسے بیچ کر اصلی نفع اٹھانے میں نصف ہیں۔

ج۔ لوہا

	لوہے کا کام کرنے والے	لوہے کا سامان بیچنے والے
مسلمان	[illegible]	[illegible]
ہندو	[illegible]	[illegible]

یعنی ہتھوڑا چلانے میں مسلمان دوگنے سے زیادہ ہیں مگر لوہے کی تجارت میں [illegible] آٹھویں حصہ سے بھی کم ہیں۔

د۔ شراب

مسلمانوں میں شراب کشی اور شراب فروشی دونوں یکساں ممنوع ہیں۔ مگر آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ شراب کشی اور تمباکو گانجہ تیار کرنے میں مسلمان دوسروں سے چوگنے اور شراب فروشی میں جس میں سوڈا لیمنیڈ کی دکانیں بھی شامل ہیں مسلمان ایک ثلث [illegible] ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

	شراب کشی	افیون گانجہ تمباکو بنانا	شراب فروشی مع سوڈا لیمنیڈ
مسلمان	۱۵۴۳	۲۹۵	۱۸۴۰
دیگر اقوام	۴۰۱	۱۳۸	۶۰۸۸

یہی حال سود کی دادوستد میں ہے جس کی نسبت انجمن ہائے امداد باہمی کے ایک افسر سے مجھے

معلوم ہوا کہ پنجاب کے مسلمان ساڑھے بارہ کروڑ روپیہ سالانہ سود میں دیتے ہیں۔ مگر سود لینے میں بمنزلہ نفی کے ہیں۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جن کاموں کو وہ ناجائز سمجھتے ہیں ان میں سے بھی وہ چھانٹ کر ایسے کام اختیار کرتے ہیں جن میں نفع کی کوئی صورت نہ نکلتی ہو

۸ - صنعت و تجارت کا تعلق

میں بتایا تھا کہ صنعت اور تجارت کے اعداد جدا جدا دکھاتا مگر ان دونوں شعبوں میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ ایک کا دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہے ایک بڑا دولت مند شخص ایک عظیم الشان کارخانہ قائم کرکے اس میں مال بھی تیار کرسکتا ہے اور اس کی بکری کا انتظام بھی کرسکتا ہے یعنی اگر دولت کی افراط ہو تو صنعت اور تجارت دونوں ایک ساتھ چل سکتی ہیں مگر مسلمان چونکہ غریب ہیں اس لئے وہ بالعموم دونوں میں سے صرف ایک کام اختیار کرسکتے ہیں اور وہ بھی ادنیٰ قسم کے۔ برخلاف اس کے دیگر اقوام کے لوگوں کو بوجہ سرمایہ دار ہونے کے یہاں اس امر کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ بذات خود مال تیار کرنے کی تکلیف اٹھانے کے قصہ میں پڑیں وہ اپنے روپیہ کے زور سے غریب کاریگروں کے مال پر قابض ہو کر ہر وقت اس سے تجارت کرلیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں مسلمان کاریگروں کی تعداد زیادہ اور تاجروں کی تعداد کم ہے۔

جیسا کہ حسب ذیل اعداد سے معلوم ہوگا۔

	صنعت و حرفت میں	تجارت میں
مسلمان	۲۶،۰۳،۷۸۰	۴،۱۹،۳۸۳
دیگر اقوام	۲۲،۳۰،۴۶۸	۱۳،۰۳،۳۲۷

یعنی مسلمان، صنعت و حرفت میں بقدر چار لاکھ کے زیادہ ہیں مگر تجارت میں دیگر اقوام سے ایک ثلث سے بھی کم ہیں۔

۹ - اعلیٰ اور ادنیٰ تجارتوں میں مسلمانوں کا تناسب

اس کے علاوہ مسلمانوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ بالعموم اعلیٰ تجارت میں کم اور ادنیٰ میں زیادہ ہیں مثلاً جواہرات وغیرہ کی تجارت میں مسلمان نصف سے کم، انگریزی دوا فروشی۔ رنگ روغن پیٹرول وغیرہ کی تجارت میں ایک ثلث سے کم مگر چھیچھڑوں کی تجارت میں پانچ گونہ سے زیادہ ہیں

۱۰ - ادنیٰ کاریگری

البتہ اکثر ایسے پیشے بھی ہیں جن میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے مثلاً قالین اور کپڑا بننے والے، فرنیچر تیار کرنے والے، آتشبازی بنانے والے، مگر یہی لوگ وہ ہیں جو واقعی طور پر سرمایہ داروں کے غلام ہیں، وہ اپنا مال تیار کرنے کے لئے تمام سامان سرمایہ داروں

سے اُدھار لیتے ہیں جو گراں ملتا ہے اور اس پر سود دیتے ہیں اور مقروض ہونے کی وجہ سے اپنا تیار کردہ مال بھی انہیں مہاجن کو دینے پر مجبور رہتے ہیں جو اونے پونے دام لگا کر کل مال رکھوا لیتا ہے اور آیندہ کام چلانے اور کھانے پینے کے لئے غریب کاریگر پھر اُسی سے قرض لاتے ہیں اور مدت العمر وہ قرضداری کے دائرہ میں تیل کے کولھو کے بیل کے چکر لگاتے رہتے ہیں -

۱۱ - ساہوکاری انہیں غریب کاریگروں اور دوکانداروں کے خون سے دیگر اقوام میں مہاجنوں اور ساہوکاروں اور کوٹھی والوں کی جماعت موٹی ہوتی ہے جن کے ہاتوں میں تمام ملک کی صنعت وتجارت ہے پنجاب میں جو لوگ روپیہ کا کاروبار کرتے ہیں یا مہاجنی کوٹھیوں سے دلالی وغیرہ کا تعلق رکھتے ہیں ان کی تعداد حسب ذیل ہے

مسلمان	۱۲،۰۱۶
دیگر اقوام	۱،۴۳،۵۰۲

یعنی اس مد میں مسلمان صرف بارہواں حصہ دیگر اقوام کا ہیں - یہ بارہواں حصہ بھی محض اس لئے ہے کہ اس میں دلال شامل ہو گئے جو دوکانداروں کو ساہوکاروں سے قرض دلاتے رہتے ہیں ورنہ اس میں مسلمان بالکل نفی میں ہوتے -

۱۲ - کارخانہ داری مسلمانوں کو جب سب طرف سے دھکے ملتے ہیں تو انہیں شوق ہوتا ہے کہ اپنے بچوں کو دست کاری اور صنعت وحرفت سکھائیں مذہب کے روبرو فرض کیا گیا ہے مسلمان کاریگروں کی تعداد پہلے ہی کچھ کم نہیں بلکہ زیادہ ہے مگر جب تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں کارخانے کثرت سے نہ ہوں محض کاریگروں کی کثرت تعداد سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے مردم شماری کی رپورٹ میں کاریگروں کی تعداد ذاتوں کے اعتبار سے بھی دی گئی ہے اور چونکہ مسلمانوں میں شیخوں کی اور ہندوؤں میں کھتریوں کی تعداد زیادہ ہے اور دونوں تعریف میں سے کاریگری اور کارخانہ داری میں دونوں کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا -

ذات	مردم شماری	کاریگر	مالکان کارخانہ	مہتممان کارخانہ
کھتری	۳۹۳۰۰۰	۳،۰۹۶	۳۰۱	۳۲۹
شیخ	۲۵۷۰۰۰	۶،۲۲۴	۵۵	۶۰

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ باوجود یکہ شیخ تعداد میں کھتریوں سے کم ہیں تاہم کاریگروں میں اُن سے دوگنے اور ملکیت کارخانجات میں پانچویں حصہ سے بھی کم ہیں - اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سرمایہ اُن کے پاس نہیں اور جب تک کہ سرمایہ مسلمانوں کے ہاتوں میں نہ آئے گا وہ ہزار کوششیں کریں محنت کریں کرتے

ختم ہو جائیں تجارت و صنعت کا صرف چھلکا اُن کے پلے پڑے گا اور گودا سرمایہ دار اقوام کے ہاتوں میں جاتا رہے گا۔

۱۳۔ صنعت و سرمایہ کا تعلق میں نے ایک بار مسلم آوٹ لک میں صنعت و حرفت کے متعلق ایک نہایت ٹھوس اور مختصر مضمون دیکھا تھا اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ صنعت کے تین اجزا ترکیبی ہیں۔

(۱) انجنیر (۲) کاریگر (۳) سرمایہ

انجنیر سے مراد موجد ہے۔ انجنیر تیار ہونے کی صورت یہ ہے کہ یا تو طلبا کو وظائف دے کر صنعتی تعلیم کے لئے غیر ممالک کو بھیجا جائے۔ ورنہ ہندوستان میں عظیم الشان کارخانے اور صنعتی یونیورسٹیاں (Technological Institutes) قائم کرکے اُن میں یورپ اور امریکہ سے ماہر انجنیر بلائے جائیں جو یہاں کے طلبا کو کام سکھائیں۔ ان دونوں کاموں کے لئے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور کارخانے چلانے کے لئے سرمایہ لازمی چیز ہی ہے۔ مگر چونکہ مسلمان مفلس ہیں اس لئے انجنیر اور سرمایہ دونوں اُن کی دسترس سے باہر ہیں اب صرف تیسرا جزو یعنی کاریگر باقی رہ جاتے ہیں جن کی اُن میں پہلے ہی کمی نہیں۔ ان کی تعداد بڑھا کر یہ توقع کرنا کہ ملک کی صنعت و حرفت مسلمانوں کے ہاتھوں میں آجائے گی اس کی مثال بالکل اس شخص کی مانند ہے جسے راستہ میں گھوڑے کا ایک پرانا نعل پڑا مل گیا تھا اس نے کہنا شروع کیا کہ بس اب صرف تین نعل اور گھوڑے کی کسر باقی ہے۔

۱۴۔ اوّل پیشے حاصل کرنے کا مشورہ مگر جو لوگ مسلمانوں کی اصلی حالت سے واقف ہیں وہ اب بھی صنعت و حرفت کو مسلمانوں کی دسترس سے باہر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک بڑے آدمی کا خیال ہے کہ اول مسلمان ڈاکٹری انجنیری اور قانون کے پیشوں کو اختیار کرکے دولت جمع کریں اور جب دولتمند ہو جائیں گے تب وہ وقت صنعتی و حرفتی تعلیم کے لئے زیادہ مناسب ہوگا کیوں کہ اُس وقت ہم اس قابل ہوں گے کہ کارخانے اور تجارتی کوٹھیاں کھول سکیں مگر دقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں قانون طب اور انجنیری بھی بغیر روپیہ کے نہیں حاصل ہو سکتیں اور اسی وجہ سے مسلمان ان پیشوں میں روز بروز کم ہو رہے ہیں حالاں کہ پہلے زمانہ میں یہ سب پیشے مسلمانوں سے مخصوص تھے۔ بہر حال ان پیشوں یا ملازمتوں سے جب تک کہ مسلمان اتنا کما پائیں گے کہ وہ سرمایہ دار بن جائیں تب تک تو قوم پر "تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود" کی مثل صادق آجائیگی

۱۵۔ گداگری

ممکن ہے کہ بعض اصحاب کے دلوں میں یہ خیال گزرے کہ اگر ملک کی تجارت و صنعت اور سرمایہ داری میں ہمارا حصہ نہ ہوگا تو ہم مر تو نہ جائیں گے۔ اگر ہم سوسائٹی کے اعلیٰ طبقہ میں نہیں ہیں تو ادنیٰ ہی میں سہی۔ ہمارا دین و ایمان سلامت رہنا چاہئے اور بس۔ مگر کاش اسی پر بس ہوتی اور جہاں ہم ہیں وہیں رہتے۔ رونا تو یہ ہے کہ ادنیٰ حیثیتوں میں اور سرمایہ داروں کی غلامی میں بھی ہمارا قائم رہنا مشکل ہو رہا ہے۔ بلکہ ہم افلاس کی وجہ سے اس سے بھی نیچے کے درجے میں اتر رہے ہیں اور ہمارا دین و ایمان بھی خطرہ میں پڑ رہا ہے۔ چنانچہ مردم شماری کی رپورٹ کے اس خانہ میں جس میں گداگروں اور آوارہ گردوں، کسبیوں اور قرمساقوں کی تعداد قوم وار دکھائی گئی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام سے بدرجہا زیادہ ہے۔ وہ اعداد حسب ذیل ہیں۔

	مسلمان	دیگر اقوام
(۱) گداگر اور آوارہ گرد	۴,۳۳,۹۵۷	۱,۵۱,۵۷۵
(۲) قرمساق و کسبیاں	۱,۷۹۶	۲۵۹

یعنی مردم شماری میں مساوی یا کسی قدر زیادہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کی تعداد گداگروں میں تین گونی اور قرمساقوں اور کسبیوں میں سات گونی ہے۔

ایک نہایت افسوس ناک امر یہ ہے کہ اس خانہ میں مسلمان شرفا کی تعداد جس میں شیخ، سید، مغل پٹھان شامل ہیں ہندو شرفا کے مقابلہ میں بدرجہا زیادہ ہے۔

البتہ خیرات لینے والوں کی ایک مد میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندو زیادہ ہیں اور یہ سادھوؤں اور درویشوں کی جماعت ہے جو تیرتھ گاہوں میں اور دھرم سالوں اور معبدوں میں رہتی ہے اور جس کی تعداد ہندوؤں میں بمقابلہ مسلمان درویشوں اور فقرا کے تین گونی ہے۔ یہ لوگ ضرورت مند گداگروں سے بالاتر ہیں اور اہل ہنود میں وہ نہایت خوش حال ہیں۔ اُن کی زیادتی دولت اور زیادتی تعداد کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اُن کی قوم دولت مند ہے جو ان کی خدمت کرتی ہے۔ پنجاب کے اضلاع کے بندوبست کی رپورٹیں میرے سامنے نہیں ہیں۔ البتہ میں ضلع سہارنپور کے متعلق جو پنجاب سے متصل ہے یہ عرض کر سکتا ہوں کہ گزشتہ بندوبست کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ گزشتہ تیس سال میں ہندو فقرا، جوگیوں اور گوسائیوں کی جائدادیں بقدر ستر فی صدی کے بڑھ گئیں مگر سادات کی جائدادیں بقدر گیارہ فی صدی کے گھٹ گئیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دیگر اقوام میں خیرات لینے والی ذاتیں بھی دولت اور جائدادیں ترقی کر رہی ہیں۔ برخلاف اس کے مسلمانوں میں علیٰ ذاتیں بھی اپنا ہر ہر قدم افلاس

کی طرف بڑھا رہی ہیں۔

۱۶ - نو مسلم گداگر سب سے آخر میں وہ اعداد پیش کرنا چاہتا ہوں جنھیں سن کر تمام مسلمانوں کو اور خاص کر اُن بزرگوں کو جو مذہبی اشاعت و تبلیغ کا کام کرتے ہیں سخت حیرت ہوگی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس صوبہ میں بعض ایسی ذاتیں ہیں جن کا ایک حصہ عرصہ دراز سے مسلمان ہے باقی ماندہ بدستور ہندو اور سکھ ہے۔ مثلاً جاٹ ہندو ہیں سکھ ہیں اور سینتالیس فی صدی مسلمان ہیں۔ مردم شماری کے اُس خانہ میں جس میں گداگروں - آوارہ گردوں اور کسبیوں کی تعداد دکھائی گئی ہے - جاٹ مسلمان مردوں کی تعداد اٹھارہ ہزار اور عورتوں کی پندرہ ہزار درج ہے اور ہندو اور سکھ جاٹوں میں یہ خانہ خالی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی تعداد مردوں میں ایک ہزار سے اور عورتوں میں ایک سو سے کم ہے۔ میں ذیل میں ان تمام اقوام کی تعداد مع تفصیلات کے درج کرتا ہوں۔

نام ذات	مردم شماری	مرد	عورت
جاٹ مسلمان	۴۷ فیصدی	۱۸,۰۰۰	۱۵۰۰۰
جھینور مسلمان	۲۵ "	۹,۰۰۰	۴۶۰۰
جولاہہ مسلمان	۹۰ "	۱۳,۰۰۰	۳۲۰۰
کمبوہ مسلمان	۴۰ "	۱۱,۰۰۰	۱۴۰۰
کمہار مسلمان	۶۷ "	۱۲,۰۰۰	۲۵۰۰

بیشک بعض نو مسلم ذاتیں مثل راجپوتوں، گوجروں، لوہاروں اور نائیوں کے ایسی بھی ہیں جو ان ذاتوں کے ہندوؤں کی طرح ان شرمناک کاموں میں نہیں ہیں۔ تاہم مندرجہ بالا پانچ ذاتوں کے متعلق مسلمانوں کو غور کرنا پڑے گا کہ وہ کیا وجوہ ہیں جن سے ایک ہی ذات کے لوگ جو مسلمان ہیں وہ تو کثرت کے ساتھ آوارہ گرد۔ گداگر وغیرہ ہیں اور جو غیر مسلم ہیں۔ ان کی تعداد ان شرمناک پیشوں میں بمنزلہ نفی کے ہے۔ جن بزرگوں نے ان ذاتوں اور قوموں میں تبلیغ کا کام کیا ہے۔ وہ اس مسئلہ کو حل کر سکیں گے۔

میں پارسال ضلع میرٹھ میں جاٹ مسلمانوں کے ایک جلسہ میں گیا تھا جس میں کئی ہزار مسلمان جمع تھے اس موقع پر ایک مولوی صاحب موجود تھے جنھوں نے رقبۂ ارتداد میں عرصہ تک کام کیا تھا۔ فرمانے لگے کہ ان لوگوں کو اسلام پر قایم رکھنے کے لئے فضائل اسلام سنانے کے مقابلہ میں ذرائع معاش بتانا اور انھیں سرمایہ داروں کی غلامی سے نکالنا۔ بدرجہا زیادہ مفید ہوگا۔

ممکن ہے کہ تحقیقات و تفتیش سے اِن ذاتوں کے مسلمانوں کے اخلاقی تنزل کے کوئی اور وجوہ معلوم

ہوں مگر سرسری نظر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ افلاس نے اُن کے تمام اخلاقی محاسن کو فنا کر دیا ہے اور وہ اپنی شکم پُری کی خاطر ایسے ناپاک اور حیا سوز مشاغل اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جو مسلمانوں کے لئے باعث شرم وندامت ہیں۔ بہرحال ہماری کم مایگی اور اخلاقی تہی دستی اور عام انحطاط کی جب یہ حالت ہے تو دیگر اقوام کے لئے وہ کونسی وجہ ترغیب ہے جو اُن کو ہماری طرف مائل کرے اور ہمیں کیا حق ہے کہ کھاتے پیتے لوگوں کو مسلمان کر کے انھیں اپنی طرح مفلس وقلاش بنالیں۔

۱۷- اقتصادی کمزوری کا علاج

بڑا افسوس یہ ہے کہ مسلمان بعض ظاہری باتوں سے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اُن کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔ دس بیس سال کے عرصہ میں اگر وہ تعلیم میں یا چند ملازمتوں میں اپنی تعداد میں کچھ اضافہ دیکھتے ہیں تو اس سے خوش ہو کر حساب لگاتے ہیں کہ اتنے عرصہ میں وہ دیگر اقوام کو پکڑ لیں گے۔

مگر میں کہتا ہوں کہ اقتصادی حالت کی کمزوری کی وجہ سے کسی قوم کا پکڑ لینا تو در کنار مسلمان بحیثیت قوم کے خود زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور زندہ نہ رہنے کے یہی معنی ہیں کہ وہ طبقہ اسفل میں اُترتے چلے جائیں جیسا کہ غیر محسوس طریقہ سے اُتر رہے ہیں۔ میں نے اسی حالت کو ایک موقع پر ان الفاظ میں عرض کیا تھا کہ "مسلمانوں کی تعلیم، صنعت و حرفت، زمینداری اور کاروباری ترقی کی ٹرین کا انجن اس وقت پانی اور کوئلہ کا سرمایہ کم ہو جانے سے دھیما ہوتا جاتا ہے اور قریب ہے کہ وہ رک کر کھڑا ہو جائے اور سب طرف سے ڈاکو جمع ہو کر اُس ٹرین کے مسافروں کو لوٹ لیں۔ اور اس کا خاتمہ کر دیں۔ نہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی ٹرین کچھ عرصہ سے رک کر کھڑی ہو چکی ہے اور اس کی بعض گاڑیاں لُٹ رہی ہیں اور لٹنا یہ ہے کہ غربا کے طبقہ میں ہمارے بھائی کچھ تو علانیہ اور کچھ خاموشی کے ساتھ جن کا ہمیں پتہ نہیں شدھی کئے جا رہے ہیں انھیں بچانے کے لئے تبلیغی جماعتیں دوڑ پڑیں اور جہاں تک اُن کے امکان میں تھا انھوں نے کیا۔ مگر اب سرمایہ ختم ہو جانے کی وجہ سے بس پا ہو رہی ہیں اور غریب مسلمانوں کو اُن کے حال پر چھوڑنے پر مجبور ہیں۔

۱۸- افلاس کا علاج

جس درجہ پر مسلمانوں کی اقتصادی کمزوری پہنچ چکی ہے اور جو اس کے خراب نتائج عنقریب پیدا ہونے والے ہیں۔ اس کا پورا اندازہ تو مسلمانوں کو ہے نہیں البتہ انھیں عام مالی انحطاط کا احساس کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ اس لئے مختلف علاج پیش کئے جاتے ہیں۔ کبھی خیال ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی مسرفانہ رسوم میں اصلاح کرنی چاہئے کبھی کفایت شعاری کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ کبھی صنعت و حرفت کے اسکول قائم کئے جاتے ہیں۔ کبھی خاص مسلمانوں کی دوکانیں کھولی جاتی ہیں اور عہد کیا جاتا ہے کہ غیر مسلموں کی دوکانوں سے کبھی سودا نہ خریدیں گے۔ حالاں کہ عام دوکانوں کے اجزاء ترکیبی غیر مسلموں

جن سے سود پر لیئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے مسلمان تاجروں کی جان غیر مسلم سرمایہ داروں کی مٹھی میں رہتی ہے جب وہ ذرا اپنی مٹھی دبا دیتے ہیں تو شرق سے غرب تک اور جنوب سے شمال تک مسلمان تاجروں کے دوالے نکلتے اور اُن کے کاروبار بگڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ غرض کہ کفایت شعاری کرنے اور دوکانیں وغیرہ کھولنے کی جو تدابیر پیش کی جاتی ہیں ایک حد تک مفید ضرور ہیں مگر چونکہ وہ محض سطحی علاج ہیں اس لئے کچھ کچھ ہوتا ہوتا نہیں اور ہر کوشش کے بعد حالت پہلے سے بدتر ہو جاتی ہے۔ میرے نزدیک مسلمانوں کی اقتصادی کمزوری کا جو علاج ہے اُسے اس وقت پیش کرنے کا نہ وقت ہے اور نہ موقع البتہ اگر بزرگان قوم کی کوئی کمیٹی اس مسئلہ کی تحقیقات کے لئے مقرر کی جائے تو میں اس کے سامنے اپنی تجاویز پیش کرنے کو طیار ہوں۔

آخر میں عرض ہے کہ قوم کی واقعی حالت جو آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے اس سے آپ کو ضرور تکلیف ہوئی ہوگی مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھ میں نے عرض کیا وہ کسی خوشی سے نہیں بلکہ نہایت دلی تکلیف اور حد درجہ کی مجبوری سے عرض کیا ہے۔ بیشک بعض امراض کی توضیح کرنے میں فضیحت کا اندیشہ ہوتا ہے مگر مرض کا چھپانا بدتر بلکہ اور زیادہ مضر ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے اس کا ظاہر کرنا ضروری سمجھا۔

امید کہ آپ میری کوتاہیوں اور فرو گذاشتوں کو نظر انداز فرما دیں گے۔

۱۹۔ عملی تجاویز

مندرجہ بالا مضمون انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں پڑھا گیا۔ جسے سُن کر حاضرین نے طے کیا کہ اُسے زیادہ تعداد میں چھاپ کر تقسیم کیا جائے اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں کچھ عملی تجاویز پیش کر دوں۔ میرے نزدیک: افلاس کے سیلاب نے ہر طرف سے مسلمانوں کو اس طرح گھیر لیا ہے کہ اُن کی کوئی جماعت اس سے محفوظ نہیں۔ ہماری قوم کے امیر و غریب، دین دار اور دنیا دار، علماء اور درویش، کواپریٹر اور نان کواپریٹر سب کے سب یکساں خطرے میں ہیں اور کم و بیش اس خطرے کو محسوس کر کے جو جس سے بن پڑتا ہے کر رہا ہے کوئی اشاعت تعلیم کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا صنعت و حرفت اور تجارت کی ترویج کرتا ہے۔ کوئی مختلف قوموں کے باہمی اتحاد و اتفاق کی کوشش کرتا ہے تو دوسرا تبلیغ و اشاعت مذہب کی مگر باوجود ہر قسم کی امکانی تدابیر کے قوم کی کشتی بدیہی طور پر پانی میں اترتی چلی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں وہ بہ اعتبار نتیجہ کے دیر طلب ہیں۔ اس لئے ان تدابیر کو بدستور جاری رکھنے کے ساتھ اس امر کی ضرورت ہی نہیں بلکہ عین وقت ہے کہ ایک جماعت خالص مالی مسئلہ کو فوراً اپنے ہاتھ میں لے کر قومی کشتی کو ڈوبنے سے بچائے۔ اس کے لئے صدر مقام لاہور میں ایک مرکزی جماعت قائم کرنی پڑے گی مگر اُس کے قیام کے انتظار میں افراد کو اپنا کام ملتوی نہ کرنا چاہیئے بلکہ ہر مقام کے مسلمان

اپنے ضلع یا شہر، قصبہ یا گاؤں بلکہ محلہ میں ایک انجمن "فلاح المسلمین" یا کسی اور نام سے قائم کریں اور اس میں مثلاً ذیل کے طریقے اختیار کریں -

(۱) سرکاری رپورٹوں اور ذاتی تحقیقات سے مقامی مسلمانوں کے اقتصادی صنعتی اور تجارتی حالات مرتب کریں -

(۲) مقامی حالات کے اعتبار سے وہ طریقے تجویز کریں - جیسے چند شعبہ جات زندگی میں مسلمانوں کی مالی حالت درست ہو - اس قسم کے طریقوں کے متعلق میں نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے ضرورت ہو تو محصول ڈاک کے لئے دو آنہ کا ٹکٹ بھیج کر مجھ سے منگالیں -

(۳) مسلمانوں کو کفایت شعاری سکھانے کے لئے مثلاً اس قسم کے طریقے جو مشورے سے طے ہوں اختیار کریں -

(الف) قرضداری اور سود دینے کے خراب نتائج سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اور جو لوگ مقروض ہیں اُن سے مل کر انھیں مناسب مشورے دینا -

(ب) عام طور پر تقریروں کے ذریعے لوگوں کو حساب لگا کر بتانا کہ مثلاً ایک سو روپیہ کا سودی قرضہ دس سال میں بڑھ کر کتنا ہو جاتا ہے - مسلمانوں کو بالعموم معلوم نہیں ہوتا کہ سالانہ سود در سود اور ششماہی سہ ماہی اور ماہوار سود در سود میں کوئی زیادہ فرق ہے اس لئے دستاویزیں لکھتے وقت وہ ان جزئیات کی کچھ پرواہ نہیں کرتے پس حساب لگا کر انھیں ان کا فرق بتانا - تاکہ قرض لیتے وقت وہ ان امور کا خیال رکھیں -

(ج) قرضہ سے جو مسلمان برباد ہوتے ہیں - اُن کے حالات سے واقف رہنا اور دوسرے مسلمانوں کو اُن سے آگاہ کرنا تاکہ انھیں عبرت ہو اور وہ قرضداری سے بچیں -

(د) مختلف برادریوں میں یہ قانون پاس کرانا کہ جو شخص مقروض ہو اس کی کسی دعوت یا تقریب میں اس کا کھانا قبول نہ کیا جائے جب تک کہ وہ قرضہ سے سبکدوش نہ ہو -

(ہ) گھروں میں اور اسکولوں میں بچوں کو کفایت شعاری کے انعامات دینا -

(و) مسلمانوں کو ایسے طریقے بتانا جن سے وہ افراد کا سیونگ اور ان کی مالی حالت درست ہو -

(ز) اور سب سے آخر مگر سب سے اہم اور ضروری یہ امر ہے کہ مسلمانوں میں روپیہ کا کاروبار اور داد و ستد عام طور پر جاری کرانے کی کوشش کرنا، انجمن ہائے امداد باہمی اور بنک قائم کرنا -

انسداد رسوم مذموم

(از مولوی میراں [illegible] احمد صاحب [illegible] حیدرآباد دکن)

[illegible] حالات مسلمانوں پر ایک بہت بڑا مضمون میں نے لکھ کر [illegible] خلافت [illegible] پر طبع کرایا تھا اور صدر الصدور محکمہ امور مذہبی سرکار عالی پر بھی وہ مضمون بھیج دیا تھا وہ حسب ذیل [illegible] مسلمانوں میں خلاف شرع رسوم مذموم کا شادی و غمی کے موقع پر جو رسم رواج ہو گیا ہے [illegible] معاملات دین نہیں ہیں خدا و رسول کے فرض سنت ترک ہو جانے پر کوئی مسلمان اس پر اعتراض نہیں کرتا [illegible] رسوم مذموم کی خلاف ورزی سے خود تمام مسلمان اس پر معترض ہوتے ہیں ان رسوم مذموم کی بدولت جو جو فضول خرچیاں ہوتی ہیں [illegible] اور [illegible] مسلمان ان کے ایسے پابند اور غلام ہو گئے ہیں کہ ان کی ادا کے بدون شادی غمی کی تکمیل کو [illegible] ہیں اس لئے اور محض نام و نمود میں زیر بار ہو کر سینکڑوں خاندان تباہ و برباد ہو گئے ہیں بالخصوص مشائخ [illegible] خطیب [illegible] اہل خدمات شرعیہ میں اکثر انھیں رسومات میں مبتلا ہیں [illegible] مسلمانوں سے زیادہ ان سے [illegible] خلاف شرع رسوم کی پابندی کی جاتی ہے۔ ان کے اسراف و فضول خرچی سے ان انعام دار و معاش [illegible] روز بروز جائدادیں مسلمانوں کے قبضہ سے نکلی ہی جا رہی ہیں اور مسلمان آخر ہاتھوں ہلاکت کے درجہ [illegible]

اس وقت اصلاح تمدن پر کوئی مضمون لکھنا مقصود نہیں ہے [illegible] واضح خطیب اہل خدمات [illegible] خلاف شرع رسومات کے خواہ مخواہ پابند ہو گئے ہیں ان کی اصلاح مقصود ہے۔ دیرینہ رسم [illegible] کی طرح یہ بھی اس کے پابند و تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ باوجود جاننے بوجھنے کے خود اپنے یہاں کی شادی غمی [illegible] ترک رسومات کی جرأت نہیں کرتے۔

ملک سرکار عالی میں ہزاروں قاضی خطیب وغیرہ انعام دار معاش دار ہیں اور دیہات و قصبہ و تعلقہ [illegible] کے خاندان کی کافی تعداد اس وقت ہے مگر زیادہ تر ان جاہلانہ رسوم میں وہی مبتلا ہیں اور ان پر شادی غمی کے ادائے قرضہ کا بار پشت ہا پشت سے چلا آرہا ہے۔ کئی ایسے خاندان ہیں جو اب تک معاش سے محروم ہیں اور معاش کی آمدنی کا سالم حصہ ساہوکار و قرض خواہ کی ادائی میں چلا جاتا ہے۔

ہندو دھرم شاستر کی طرح مسلمانوں میں بھی رسم و رواج قانون (یعنی اسلامی فرائض) کا [illegible] گیا ہے اور یہ مرض مسلمانوں کی موت و حیات کا مسئلہ ہو گیا ہے اس کے عام انسداد کے لئے سرکار عالی کی فیاضی سے

[illegible] مطابق رسم کئے گئے تحقیقات [illegible] سے [illegible] ہو رہی ہے اب تک علماء کی ترتیب نہیں ہوا ہے۔ اس لئے [illegible] دیا جاتا ہے۔

[illegible] عام مسلمانوں میں ایسی رسوم مذمومہ سے فی الواقع کم [illegible] رکھے جا سکتے [illegible] معاش [illegible] پیشوایان مذہب [illegible] خطیب وغیرہ میں وہ اپنے فرائض منصبی کو خود [illegible] باعث ہوتے ہیں [illegible] عام مسلمانوں سے زیادہ [illegible] خلاف شرع رسومات کا پابند بلکہ زیادہ بگڑے ہوئے ہیں [illegible] ان رسومات کی [illegible] خدمت [illegible] معاش [illegible] اسلام و جاگیریں ان پیشوایان مذہب کو [illegible] خلاف [illegible] ہوتے ہیں اور [illegible] تعصبات و شہروں [illegible] ان کا ہر فرد [illegible] تعلیم یافتہ [illegible] صوم و صلوٰۃ کا پابند [illegible] شادی غمی کے مواقع پر [illegible] سے [illegible] پائے۔ اس لئے اس طبقہ کو پابند صوم و صلوٰۃ کرنے کے لئے [illegible] صدارت العالیہ [illegible] ایک عام گشتی جاری ہونا چاہئے [illegible] ان خدمات شرعیہ و پیشوایان مذہب [illegible] گشتی کی [illegible] ورزی کرے گا تو اس کے لئے مناسب تدارک کیا جائے گا اور معاش بھی ضبط کیا جائے گا۔

(۱) شادی نہایت سادگی سے کی جائے۔
(۲) دولہا کے ہاتھ میں کنگن نہ باندھا جائے۔
(۳) مہر کی رقم کثیر (حیثیت سے زیادہ) نہ ہونی چاہئے۔
(۴) حیثیت سے زیادہ طعام ولیمہ نہ دیا جائے۔
(۵) رسم و چہلم کا کھانا فقراء و مساکین کا حق ہے قرض سے دہم چہلم نہ کیا جائے۔
(۶) [illegible] نکاح کے وقت ناک میں ڈالنے سے سہاگ نہیں جڑتا البتہ بطور زیور منع نہیں۔
(۷) بعد نکاح جلوہ (رونمائی) کی رسم فعل عبث ہے نہایت سادگی سے عروس کی رخصتی ہونا چاہئے۔

[illegible] اہل خدمات شرعیہ کو چاہئے کہ وہ ان رسومات سے پرہیز کریں اور وہ عام مسلمانوں کے لئے اسلام کا نمونہ بنیں اور رسوم مذمومہ سے مجتنب رہیں۔

امید کی جاتی ہے کہ سختی کے ساتھ سرکار سے ایسے احکام صادر ہونے پر یہ معاش دار و اہل خدمات شرعیہ ہر مقام پر اپنے آپ کو نمونۂ اسلام ثابت کریں گے جو ترقی اسلام کے علاوہ سرکار عالی کی خوشنودی کا باعث ہوگا۔

(گشتی صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

تاریخ ۲۰ آبان ۱۳۳۴ فصلی نمبر ۴۴ جزو ثانی — صفحہ ۱۲۴۹ — جریدۂ اعلامیہ سرکار عالی حیدرآباد

گشتی محکمہ صدارت العالیہ ممالک محروسہ سرکار عالی نشان ۹ واقع

۳۰ مہر ۱۳۳۴ فصلی

بجناب نواب صدر یار جنگ بہادر صدر الصدور

بخدمت جمیع قاضی صاحبان ممالک محروسہ سرکار عالی

نشان مسل ۹۹ (صیغہ اصلاح حالات) بابت ۱۳۳۲ ف

مقدمہ

انسداد رسوم خلاف احکام شرعیہ

مولوی تینہ الدین احمد صاحب وکیل تین ضلع اورنگ آباد نے تحریک کی اور یہ امر شاہد بھی ہے کہ مسلمانوں میں اسراف (فضول خرچی) کا رواج ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ آمدنی سے زیادہ خرچ کرنے میں دریغ نہیں کیا جاتا اور اس کی بدولت اکثر مسلمان و اہل خدمات شرعیہ مقروض ان کی معاشیں مکفول اور جائدادیں تباہ ہیں۔

(۲) شادیوں میں اسلامی سادگی کے خلاف ہلدی مہندی سانچق وغیرہ رسوم کی ادائی لازم کر لی گئی ہے دولہا دلہن کو کنگن سہرہ باندھا جاتا ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔

(۳) غمی کے مواقع پر ایصال ثواب کے لئے قرض لیا جاتا ہے بلکہ سودی قرضہ لینے میں بھی تامل نہیں کیا جاتا اور سودی قرض سے حصول ثواب کی توقع کی جاتی ہے۔ معاذ اللہ

(۴) شادی غمی کے موقع پر نام و نمود سے بھی بہت کام لیا جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے اور اس کے لئے مصارف بھی برداشت کئے جاتے ہیں۔

(۵) ان تباہ کن فضول خرچیوں غیر ضروری نمائشی اور ناجائز امور کی پابندی کے لئے قرض کشی ہوتی ہے جس کے بعد تک اس سے سبکدوشی نصیب نہیں ہوتی بلکہ پشتہا پشت تک اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

(۶) حالانکہ عام مسلمانوں اور بالخصوص اہل خدمات شرعیہ کو احکام شرع شریف کی پابندی اور اسلامی سادگی کو پیش نظر رکھنا اور قرون اولیٰ و سلف صالحین کے سبق آموز واقعات اور مثالوں سے سبق لینا چاہئے تاکہ ان کی بقیہ زندگی احکام شرع شریف کی اتباع میں بسر ہو اور آنے والی نسلوں کو سبق لینے کا موقع مل سکے۔

(۷) امید ہے کہ آپ حضرات اپنی اپنی حد تک آیندہ سے امور مصرحہ صدر کے ترک کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ آپ لوگوں کو دیکھ کے آپ کے حلقہ اثر کے مسلمان بھی مراسم قبیحہ اور فضول خرچی سے باز رہیں

(۸) واضح ہو کہ اگر آپ لوگ ترک مراسم قبیحہ میں سبقت کریں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر کے مسلمانوں کے

سے نمونہ بنیں تو محکمہ صدارت کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ اور اگر اس کی جانب توجہ کی گئی اور اس کے خلاف اطلاع ملے گی تو بازپرس کا موجب ہوگا۔ اور تدبیر مناسب عمل میں آوے گی۔

(۹) ایک ایک قطعہ خدمت جناب اوّل تعلقدار صاحبان اضلاع و تحصیلدار صاحبان متعلقہ جات و ڈویژن افسر صاحبان اور ایک ایک قطعہ جناب ناظم صاحبان اضلاع و نصف صاحبان ممالک محروسہ سرکار عالی اطلاعاً ارسال ہے۔

حسب مسودہ دستخطی جناب صدر الصدور صاحب
محمد تقی مددگار صدر الصدور

قرض داربندۂ زر ہیں نہ کہ قرض خواہ

(از حکیم مظفر حسین صاحب۔ متوطن مظفر نگر)

ہے باقی نقش دھندلا سا اب ان تصویر کے بدلے
نہیں راس آتی ہے تدبیر کچھ تقدیر کے بدلے

سلف کے نام کو بٹہ لگایا ہے اپنے
گلے کا ہار ہے بے عزتی توقیر کے بدلے

جنھوں نے آج دنیا میں ہوا کا رخ نہ پہچانا
گدائی کی ملی کشکول انھیں جاگیر کے بدلے

تجارت کرتے ہیں جو سود سے نفرت بھی رکھتے ہیں
خسارہ ہی خسارہ ہے انھیں توفیر کے بدلے

ہمیں ڈھلنا نہیں آتا ہے سانچے میں زمانہ کے
ہیں سب ادبار ہم پر بس اسی تقصیر کے بدلے

بنے ہیں بندۂ بے زر نہیں یارائے جنبش ہے
قرض کی بیڑیاں پیروں میں ہیں زنجیر کے بدلے

نہیں ہے سوکھی روٹی بھی میسر دودھ گھی کیسا
لہو کے گھونٹ پیتے ہیں مسلماں شیر کے بدلے

بنائیں کیا مکاں چھپر بھی اب تو بن نہیں سکتا
نہیں ہے مقدرت بانسوں کی بھی شہتیر کے بدلے

ہوس میں کیمیا کی ہیں مسلماں ایسے متوالے
چڑھایا دین و ایمان بھینٹ میں اکسیر کے بدلے

تک رکھا رہنے دو۔ بعدہ پانی نتھار کر پھینک دو اور نیچے بیٹھی ہوئی گاد کو دھوپ میں رکھ کر خشک کر لو۔ خشک ہو جانے پر اس کو پھر کھرل کر لو اور اب پوڈر کو ہر قسم کا چشمہ صاف کرنے میں کام میں لاؤ۔ عینک کی شیشوں پر ذرا سا پوڈر ریوں ہی ہتیلی پر لگا کر کسی نرم کپڑے سے صاف کر دو۔ بعض لوگ اس پاوڈر کو خوش نما بنانے کے لئے اس میں قدرے گلابی ہڑتال بھی بناتے وقت ملا لیتے ہیں۔ (باقی آئندہ)

ایڈیٹر "سودمند" کا دورہ

میں آج کل ضلع میرٹھ میں امداد زمینداران کا بینک قائم کرنے کے لئے دورہ کر رہا ہوں جب میں کہیں جاتا ہوں لوگ پاس آتے ڈرتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ کوئی چندہ مانگنے والا آ گیا۔ یا یہ خیال کرتے ہیں کہ الکشن کے ووٹ مانگنے والا آ گیا۔ مگر جہاں دو تین کو بھی گھیر گھار کر زمینداروں کو بینک کی اسکیم سمجھا دی تو وہ جا کر اوروں کو سمجھاتے ہیں اور لوگ سمجھ لینے کے بعد یک زبان کہتے ہیں کہ اگر یہ انتظام ہو جائے تو ہماری زندگی ہو جائے مہاجنوں نے ہم کو تباہ کر دیا ہے۔ غرض کہ میں نے بارہ مواضعات میں کام کیا جن سے حسب ذیل تعداد کے حصے خریدنے کے وعدے ہوئے۔

نمبر سلسلہ	نام موضع	تعداد زمینداران	تعداد حصص	نمبر سلسلہ	نام موضع	تعداد زمینداران	تعداد حصص
۱	جڑودہ	۱۰	(۳۲) ساعہ	۱۰	چلاودہ	۲۳	(۲۳) ماسہ
۲	قصبہ شاہجہانپور ضلع میرٹھ	۱۵	(۸۴) للعہ	۱۱	سنوتھ	۱۵	(۱۱) ماعہ
۳	رسول پور دھولڑی	۱۵	(۴۹) صماللعہ	۱۲	موانہ کلاں	۲۹	(۷۵) صماعہ
۴	سوال	۱۴	(۴۱) مالعہ	۱۳	نگلہ جاند	۲۱	(۶۴) ماسہ
۵	صالح نگر	۱۱	(۱۱) ماعہ	۱۴	کھجوری	۱۴	(۲۵) اماعہ
۶	جانی بزرگ	۱۳	(۱۵) ماعہ	۱۵	راتھدستہ	۵۱	(۵۰) صماعہ
۷	میل	۷	(۷) ماعہ	۱۶	بجرورہ	۱۲	(۱۴) مالعہ
۸	نگلہ ہرمید	۱۲	(۱۲) ماعہ		کل	۲۷۴	صماللعہ
۹	امردلی عرف بڑاگاؤں	۲۵	(۳۰) ماعہ				

نوٹ۔ یہ کارروائی ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء تک کی ہے جو نتیجہ بہتر مواضعات کے صرف بارہ مواضع میں ہوئی ہے خاص میرٹھ چھوڑ دیا ہے اول بیرونجات میں اگر حصہ دار ہو جائیں گے تب شہر کے لوگ متوجہ ہونگے فی الحال سخت مایوسی اور نا امیدی پھیلی ہوئی ہے ہر شخص کہتا ہے کہ مسلمان صرف باتیں بنا سکتے ہیں کچھ کرتے نہیں اور کسی کو یقین نہیں آ سکتا کہ کوئی شخص بیرونجات میں پھر کر حصہ دار پیدا کر سکتا ہے جب بیرونجات کے حصہ دار ہو جاویں گے اس وقت شہر کے لوگوں کو بھی ہمت ہوگی۔ ایک حصہ دس روپیہ کا رکھا گیا ہے۔

سود کیوں حرام ہوا

(از کوکب ہند - آگرہ)

درس مذہبی ہو رہا ہے - سامعین ہمہ تن گوش ہیں - آیت حرّم الرّبٰوا پر تقریر جاری ہے - ایک حافظ قرآن پڑانے تاجر سوال کی اجازت مانگتے ہیں - درس دینے والے عالم اجازت دیتے ہیں - حسب ذیل مکالمہ واقع ہوتا ہے

تاجر - جناب عالی سود کیوں حرام ہوا ہے ؟

عالم - خدا کے حکم سے -

تاجر - میرا مطلب یہ ہے کہ اس کی حرمت میں کیا حکمت ہے ؟

عالم - سود لینا ظلم ہے - قرآن شریف میں فرمایا ہے لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ نہ سود لے کر ظالم بنو نہ دیکر مظلوم - ظلم سے بچانے کے لئے سود حرام کیا -

تاجر - جناب عالی اس میں کیا ظلم ہے - ہم کسی سے روپیہ لیتے ہیں اپنا کاروبار چلاتے ہیں - نفع اٹھاتے ہیں منافع میں سے کچھ حصہ اگر اپنے محسن کو دے دیں جس نے ہمیں اپنا روپیہ قرض دیا تو یہ کیسے ظلم ہو سکتا ہے اس میں تو دونوں کا نفع ہے -

عالم - اصل روپیہ لینے کا قرض خواہ کو حق ہے اصل سے زائد لینا ظلم ہے کیوں کہ اگر بلا ذاتی فائدہ کے کوئی روپیہ دوسرے شخص کو نہ دے تو ہمدردی دنیا سے مفقود ہو جاتی ہے - ضرورت مند بھائی کو بلا غرض امداد پہنچانی چاہیے ورنہ ہمدردی جو ایک ضروری چیز ہے باقی نہیں رہتی -

تاجر - بے شک ہمدردی ضروری چیز ہے لیکن صرف قرض لینے والے کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ قرض دینے والے کے ساتھ بھی ہمدردی کرنی چاہیے اور وہ یہی ہے کہ جب اس نے روپیہ دیا اور اس سے قرض لینے والے نے فائدہ اٹھایا ہے تو انسانی ہمدردی کا تقاضا یہی ہے کہ نفع میں سے کچھ حصہ روپیہ دینے والے کو بھی دے - اس میں ظلم کیا ہوا بلکہ اس شکل میں تو نہ دینا ظلم ہے کہ خود تو فائدہ اٹھالیا اور اپنے محسن کی پرواہ بھی نہ کی -

عالم - بھائی اگر ایک انسان دوسرے انسان کو ہمدردی کے طور پر امداد نہ دے تو خوبی ہی کیا رہی -

تاجر - یہ بھی خوبی نہیں کہ صرف خود ہی فائدہ اٹھایا جائے اور فائدہ پہنچانے والے کو نفع میں شریک نہ کیا جائے - اس طرح تو جتنی تجارتیں ہیں ان سب میں اسی طریق ہمدردی کو استعمال کر کے کسی کو نفع نہ لینا چاہیے - اگر ایسا نہ کیا جائے تو دنیا کا تمام کاروبار آج ہی بند ہو جائے -

عالم ۔ تجارت کا اور سود کا معاملہ بالکل جدا جدا ہے ۔

تاجر ۔ تجارت میں اشیاء دے کر اصل قیمت سے زائد نقد لیتے ہیں اور سود میں نقد کی بھی تجارت ہے۔ اگر نقد پر نفع لینا حرام ہے تو تجارتی اشیاء پر بھی حرام کیجئے ۔

عالم ۔ تجارت میں اور سود میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ تجارت میں ایک شخص سرمایہ لگاتا ہے۔ چیزیں دور دور سے فراہم کرتا ہے۔ حفاظت سے رکھتا ہے بیچنے میں محنت اور وقت خرچ کرتا ہے۔ تب نفع لیتا ہے اور سود میں ایک شخص صرف نقد روپیہ دیتا ہے اور بلا معاوضہ زائد لیتا ہے اسی لئے سود ظلم اور حرام ہوا ۔ تجارت تعاون اور حلال ہوئی ۔

تاجر ۔ مولانا ! سرمایہ لگا کر ۔ اشیاء فراہم کر کے ۔ حفاظت اور فروخت میں محنت اور وقت دے کر نفع کمایا اسی کاڑھی کمائی میں سے ہی قرض دے سکتا ہے تو جیسے تجارت میں مشقت کے عوض نفع لیتا ہے، ساری مشقت کا پھل یہ نقد ہے وہ معاوضہ کا کیوں حق نہیں رکھتا ۔ پس تجارت میں نفع لینا جائز ہے۔ تجارت کی مشقت اٹھا کر حاصل شدہ روپیہ کا نفع لینا کیوں حرام ہو ۔

یہ چار سطر ہے ۔ مولوی صاحب سمجھا نہ سکے ۔ دیگر علمائے کرام اس معاملہ پر روشنی ڈالیں ۔

(خاکسار حمیدی ۔ مرادآبادی)

عمر بھر کی غلامی

سلیمان علیہ السلام نے فرمایا "مقروض قرض خواہ کا نوکر ہے" ہندوستانی لوگ بیحد تنگ ناعاقبت اندیش ہیں اور سود کی شرح اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ اگر ایک دفعہ کسی قسمت کے مارے کا نام ساہوکاروں کی بہیوں میں درج ہو جائے تو پھر عمر بھر ان سے نہیں نکل سکتا ۔ قرض خواہ کا تو اسی میں فائدہ ہے کہ اس کا بدبخت مقروض مصیبت میں پھنسا رہے اور اسے سود دیتا رہے وہ کاشتکار سے تمام فصل لے لیتا ہے اور اسے اپنے نرخ پر صرف اس قدر دیتا ہے کہ وہ فاقہ کشی سے بچ جائے ۔ اکثر قرضے پشت بہ پشت چلے جاتے ہیں ۔ (صنعت و تجارت لاہور)

مسلمانان سندھ کی دل خوش کن حالت پر سرسری نظر

(از نوک قلم عالی جناب میر خالق داد خان صاحب نواب، ایڈیٹر اخبار تنظیم سندھ)

سندھ کے صوبہ میں قریب ۲۰ لاکھ کے مسلمان ہیں۔ علاوہ کاریگری اور صنعت کے زمینداری کا کام سارے کا سارا مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ جب سے برٹش گورنمنٹ کی حکومت قائم ہوئی ہے قریباً اسی برس میں مسلمان زمینداروں نے اپنی اپنی جائدادوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا جو غیر مہذب کام اور دنیا کی سوسائٹی میں قابل ملامت سمجھا جائے وہ ان میں موجود ہے جس رقم کو دنیا ناپسند کرے وہ رسم در درج ہے غرض کہ زمینداروں نے بے علم ہونے کے سبب فی صدی پچیس زمینیں اپنے ہاتھ سے ساہوکاروں کے حوالہ کر دیں اور ابھی تک کر رہے ہیں۔ سندھ کے مسلمان زمیندار عموماً بے علم ہیں۔ وہ مذہب و ملت سے قطعاً ناآشنا ہیں۔ ان کا کام محض شکار کھیلنا، طوائفوں کی جلسوں میں شریک ہونا، میلوں ملاکھڑوں کا انعقاد کرنا، پیروں کے درباروں پر بیٹھے رہنا ہے۔

مگر اب نہایت مسرت کا مقام ہے کہ گورنمنٹ نے مسلمان زمینداروں کی اس تباہی کے بہتے ہوئے سیلاب کے روکنے کے لئے عملی تدابیر اختیار کی ہیں۔ سندھ میں مسلمان زمینداروں سے ہندو بیاج خور سود در سود کے معاملہ میں ایک سو کے بدلے ایک ہزار بھی وصول کر چکے ہیں۔ ان سب حالات کو مدنظر رکھ کر سرکار کو اپریٹو سوسائٹیز جاری کر رہی ہے۔ زمینداروں کی بنکیں کھول رہی ہے جس سے مسلمان زمیندار ایک گونہ ہندو بیاج خوروں سے کافی نجات حاصل کر چکے ہیں اگر یہی حالت قائم رہی تو وہ دن دور نہیں جب سب مسلمان زمیندار ہندوؤں کی ست ... سے بچ جاویں گے۔

دوسری کمی جو سندھ کے مسلمانوں میں تھی وہ یہ تھی کہ مسلمان تجارت کو بالکل معیوب سمجھتے تھے اور تین سال پہلے دوکانداری کا کام کرنا یا تجارت کا نام لینا بعید خاندان و ننگ ناموس سمجھا جاتا تھا مگر خدا بھلا کرے سوامی شردھانند کا جنھوں نے مسلمانوں کی شدھی نکال کر مسلمانوں کو بیدار کر دیا۔ جب ہندو مسلمانوں کو تنگ رہنے کے لئے ہڑتال کرنے لگے تب مسلمانوں نے آنکھ کھولی کہ "یہ ہندو ساہوکار بھی ہماری ہی کمائی سے ہوئے اور پھر ہم کو ہی ہضم کرنے لگ جائیں۔ اور مسلمان لیڈروں اور علماء اور اخبارات نے بھی یک لخت تجارت کا نعرہ لگایا پھر تو ہندوستان کے مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ سندھ کے مسلمان جس کام کو ہاتھ میں لیتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں۔ بس پھر کیا تھا روزانہ دوکانیں کھولنے کوٹھیاں قائم کرنے کی اطلاعیں سنی جاتی تھیں۔ اب خدا کا شکر ہے کہ بالکل قابل قدر اندازہ میں دوکانیں

کھل گئی ہیں اور کھل رہی ہیں ۔ اس دوکان داری سے پھر ایک خیال ہوا کہ سندھ میں مشہور اور کارآمد پیداوار ہے ۔ اناج جس کی تجارت پوری کی پوری ہندوں کے ہاتھوں میں ہے ۔ اس لئے مسلمان زمینداروں نے جگہ جگہ "گرین سیل کو اپریٹو سوسائیٹیز" قائم کی ہیں جن سے مسلمانوں کو بہت سا نفع حاصل ہوا ہے اور ہندو دلالوں سے بھی نجات پائی ہے جو ہر طرح بہانہ کرکے مسلمانوں کو لوٹتے تھے اور بنیا تک دست برد سے بھی بچ گئے ہیں آیندہ کے مضامین میں میں آپ کو سندھ کی پوری اقتصادی حالت سے آگاہ کروں گا تاکہ آپ دیکھیں کہ مسلمان اب جاگ اٹھے ہیں اور کامیاب ہو کر رہیں گے ۔

زیور کی برائیاں

۱۸۸۱-۱۹۰۰ء میں ہندوستان میں ۴۵۰ کروڑ کا سونا آیا سونے کا سکہ کم بنتا ہے تمام سونا زیور بنانے میں صرف ہوتا ہے ۔ چاندی کچھ سکے اور کچھ زیور میں خرچ ہوتی ہے ۔ بہت سا روپیہ پگھلا کر زیور بنایا جاتا ہے ہندوستان کو اس نقصان کا کچھ خیال نہیں آتا جو اسے ہر سال اس بیہودہ کام سے اٹھانا پڑتا ہے گزشتہ مردم شماری میں ہندوستان میں ۴۰۱۵۲۸ زرگر تھے ایک زرگر کی آمدنی بحساب اوسط چھ روپیہ ماہوار تھی گویا ۲۰ کروڑ ۸۹ لاکھ روپیہ زیور بنوانے کی مزدوری تھی ۔ اس قدر زر کثیر صرف زیور بنوانے کے اوپر صرف کر دینا ملک کو سراسر نقصان پہنچانا ہے ۔ یہی سرمایہ مختلف نفع بخش کاموں میں صرف ہو سکتا ہے متوفی راجہ سندھیا کے خزانہ میں ۲½ کروڑ روپیہ لاحاصل پڑا تھا ۔ ریجنسی نے برٹش گورنمنٹ کو یہ روپیہ بغرض تعمیر ریلوے قرض دے دیا ۔ اس سے چودہ لاکھ روپیہ سالانہ سود حاصل ہوتا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ ہندوستان کا دوسو کروڑ روپیہ بالکل ضائع پڑا ہے ۔ یا زیور میں خرچ ہوا ہے اگر یہ روپیہ سود پر چلایا جاوے تو اس سے ۱۴ کروڑ روپیہ منافع ہو سکتا ہے ۔ یہ منافع سرکاری مال گزاری کے برابر ہے ۔ انگلستان میں سونے کے زیور بالکل نہیں بنتے ۔ سونا سکوں میں استعمال ہوتا ہے جب ہندوستان کو ریلوے کے واسطے روپیہ کی ضرورت ہوئی تو انگلستان نے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ روپیہ قرض دیا تھا ۔ ہندوستان سے اس روپیہ کا سود ہر سال ۷ لاکھ روپیہ انگلینڈ میں جاتا ہے ۔ اگر ہندوستانی جہالت سے اپنے روپیہ کو زیور میں نہ خرچ کرتے تو یہ سود کا روپیہ ہندوستان میں بچ جاتا ۔

(رسالہ صنعت و تجارت لاہور)

خطوں کے خلاصے

مرض کا اصلی علاج جناب مولوی محمد صدیق صاحب مرکارا (کورگ) سے حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں
آپ کا رسالہ سود مند و فتویٰ جواز سود دیکھا - خدا شاہد ہے کہ آپ کا رسالہ دیکھ کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ غالباً میری عمر میں اتنی خوشی شاید ہی ہوئی ہوگی - چونکہ مسلمانوں کی حالت درست کرنے اور تعلیم کی اشاعت کرنے میں میری عمر بسر ہوئی اور تقریباً پندرہ سال مجھے مسلمانوں کے اصل امراض کے نسخوں کی تلاش میں صرف ہوئے - اس کے لئے انجمنیں قائم کیں (جن میں سے ایک بھٹکل میں قائم ہے اس کے ماتحت ایک سکنڈری مدرسہ بھی جاری ہے جس میں تخمیناً ڈیڑھ سو مسلمان طلبا تعلیم دینی و دنیوی حاصل کر رہے ہیں) مگر میرے خیال میں مسلمانوں کی درستی اور افلاس دور ہونے کا یہ مکمل نسخہ نہ تھا - چونکہ میں ایک تاجر اور زمیندار ہوں اور میرے رشتہ دار اکثر بڑے بڑے تاجر اور زمیندار ہیں جیسے اور میرے ان تمام رشتہ داروں اور دوستوں کو ہمیشہ بنیک اور مہاجنوں سے سابقہ رہتا ہے - اس لئے مسلمانوں کی تنگ دستی اور افلاس میں ترقی کا اصلی سبب میں پہچانے ہوئے تھا مگر اس کے دفعیہ کی تلاش میں حیران و سرگرداں تھا - گزشتہ سال بلگام میں عالی جناب ڈاکٹر کچلو صاحب سے اس بارہ میں گفتگو ہوئی تو انھوں نے بھی یہی رائے دی جو کہ آپ نے اپنے رسائل میں ظاہر فرمائی ہے -

عملی کام سید نجم الدین صاحب اسٹیشن ماسٹر ہیاگیور تحریر فرماتے ہیں -
"میں نے اپنے دو بچوں کا حساب ڈاک خانہ میں جاری کرایا ہے جن کی عمر چار سال اور چھ سال کی ہے - تین چار مہینہ کے اندر دونوں نے دس دس روپیہ جمع کئے ہیں - روپیہ ڈاک خانہ میں انھیں دونوں کے ہاتھ سے جمع کرایا گیا ہے اور کتاب ان کو دے دی گئی ہے کہ یہ روپیہ کی کتاب ہے - ابھی سے وہ جاننے لگیں گے کہ روپیہ کا اصلی مصرف کیا ہے اور جمع کرنے کی یہی چیز ہے - میرے اور مہربانوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے - اور ایک حد تک اپنا خرچ کم کر رہے ہیں - میں اپنا رسالہ پڑھ چکنے کے بعد کم از کم دس بیس اور صاحبوں سے پڑھواتا ہوں اور زبانی بھی آمادہ کرتا ہوں کہ اس پر عمل کریں اور سب کے سب نہایت شوق سے پڑھتے ہیں -

امداد باہمی کی ایک عمدہ مثال رسالہ سود مند کے خریدار نمبر ۲۰ - لدھیانہ سے حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں
"آپ نے سود مند یکم اکتوبر ۱۹۲۵ء میں دریافت کیا ہے کہ ناظرین

سود مند میں سے کسی کے بچہ نے حساب ڈاک خانہ میں کھلوایا ہو یا اور کسی طرح سے آمدنی میں کچھ پس انداز کرنے کی سعی کی ہو تو اطلاع دی جاوے اس لئے عرض ہی کہ سود مند پڑھنے سے اثر ضرور ہوتا ہی چنانچہ بیس عورتوں نے باہمی دو روپیہ ماہوار جمع کرنے اور جمع شدہ چالیس روپیہ ایک ممبر کو دے دینے کا سلسلہ قائم کیا تھا اب اس طریقے سے ایک ایک کو چالیس روپیہ ملتے جاتے ہیں۔ اب آپ سود مند میں ان کو قلیل سرمایہ سے منفعت بخش کاروبار بتلائیں اگر ساہو والے بڑی منڈیوں کے مسلمان سوداگر یہ روپیہ لے کر ہی کچھ کام ان کے کرنے کے قابل بہم پہونچائیں تاکہ وہ محنت کر سکے شکم پری و ادائگی زکوٰۃ وغیرہ کرتی رہیں اور رقم بھی ان کی محفوظ رہے اور بڑھے تو بڑی بات ہے پھر آیندہ وہ اس سے زیادہ کوشش کریں۔

اسی طرح جو مسلمان خواندہ بلا سرمایہ سفید پوش ملازمت کرنے والے بیکار بیٹھے ہیں اُن کی عرضیاں اور سرٹیفکیٹ منگوا کر بڑے مسلمان سوداگروں اور سرکاری افسروں کو ہر محکمہ و بنک وغیرہ میں بھیجنے کا انتظام کریں یا کسی جگہہ یہ نیک کام ہوتا ہو تو اس کا پتہ دیں۔ مسلمان پردہ نشین عورتوں اور بلا سرمایہ سفید پوش خواندہ مسلمانوں کو کوئی کام ہی نہیں ملتا تو بلا آمدنی یہ کفایت شعاری کس میں کریں بڑے مسلمان مل کر توجہ کریں۔

(سود مند) بلاشبہ اس امر کی سخت ضرورت ہی کہ بیکار مسلمانوں کو کام سے لگایا جائے۔ یہ کام رسالہ جات دین و دنیا دہلی، اور صنعت و حرفت لاہور اور دستکاری دہلی عمدگی سے کر رہے ہیں۔ سود مند نے زیادہ تر اپنے ذمہ یہ کام لیا ہی کہ کم سے کم آمدنی والوں کو یہ بتائے کہ وہ کمائے ہوئے روپیہ میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کریں اور اُسے ڈاک خانہ میں اور سرکاری معتبر بنکوں میں جمع کریں تاکہ اثاثہ محفوظ رہنے کے ساتھ بتدریج بڑھتا رہے اور ضرورت کے وقت کام آئے۔ پس جن عورتوں کے حصے میں چالیس روپیہ آتے ہیں ہماری مستقل رائے ہی کہ نصف روپیہ کے کیش سرٹیفکیٹ ڈاک خانہ سے اُن عورتوں کے نام خرید دئے جائیں اور باقی ماندہ نصف سے وہ کوئی دستکاری یا خرید و فروخت کریں۔

چھ ہزار کی امانتیں

مرزا چراغ الدین صاحب یاد خواج پور ضلع امرتسر سے تحریر فرماتے ہیں۔

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ سود مند علی گڑھ۔ (۱) موجودہ زمانہ میں مسلمانان عالم کو رسالہ سود مند کی بڑی سخت ضرورت تھی خداوند کریم نے محض اپنے فضل و کرم سے آپ جیسے ہمدرد قوم کے ہاتھوں سے اس ضرورت عامہ کو پورا کیا۔ بارک ہیں وہ جو اس رسالہ کو پڑھیں اور اس کی ہدایات پر عمل درآمد کریں اور مسلمانوں کو افلاس کے گڑھے سے نکالنے کی کوشش کریں اور ہنود کو سود دینے سے رکیں اور بے جا صرف سے بچیں اور غیر اقوام سے قرض ہرگز ہرگز نہ لیں (۲) رسالہ سود مند قرآن مجید کی اس آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ کی پوری پوری تفسیر ہے اور امداد باہمی کے ذریعہ مسلمانوں میں تنظیم پیدا کرنا اور ربا کی اصلی حقیقت

واضح کرنا اور بینکوں کے ذریعہ اپنے کاروبار کو ترقی دینا تجارت کی طرف توجہ دلانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او صحابہ کرام کو ان افعال اقوال کو یاد دلانا جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عثمان غنیؓ حضرت زبیرؓ۔ حضرت طلحہؓ، حضرت عبد الرحمنؓ غرض کہ اکثر صحابہ کرام تجارت کو ہی ذریعہ معاش اور تجارت کو ہی ذریعہ اشاعت اسلام جانتے تھے اور اب نہ تجارت ہے نہ مال ہے اور نہ کوئی کافی ذریعہ اشاعت اسلام ہے گویا ایک نئے سرے سے کام شروع کرنا ہے جو بغیر کواپریٹیو یعنی امداد باہمی کے بہترین اصول کار کے مشکل ہے۔ کاش کہ مسلمان اپنی حالت کو پہلے ہی سے سمجھے ہوتے (۳) ۔ سالہ سودمند ایک مہینہ کی سخت انتظاری کے بعد پہونچتا ہے اس کے مضامین جو گھر میں سنانے کے قابل ہوتے ہیں وہ عیال واطفال کو سنا دیے جاتے ہیں اور دیگر احباب کو بھی دیکھنے کے لئے دے دیا جاتا ہے جس کو پڑھنے سے بہت سے اشخاص پر ایک اچھا اثر پیدا ہوا ہے پانچ مہینے کے عرصہ میں ہی چھ ہزار روپیہ کی امانتیں انجمن امداد باہمی میں آگئی ہیں۔ ہمارے قصبہ میں امداد باہمی کی ایک شاخ بارہ سال سے جاری ہے مگر کبھی کسی مسلمان نے امانت نہ رکھی تھی۔ یہ سودمند کی تبلیغ کا ہی اثر ہے کہ تھوڑے ہی عرصے میں مسلمانوں کو اپنی ترقی کا خیال پیدا ہو گیا۔ راقم نے بھی اپنا روپیہ بینک میں امانت رکھ دیا ہے اور اس کا منافع بھی خود استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہے مگر جہاں تک علما وفضلا نے اجازت دی ہے (۴) گھر میں رسالہ پڑھنے سے یہ اثر پیدا ہوا ہے کہ ہمارا ایک چھوٹا سا لڑکا جو ابھی تیسری جماعت میں پڑھتا ہے اس کو والدین سے جو روزانہ پیسے ہاتھ لگتے ہیں ایک صندوقچی میں جمع کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک دن اس کی والدہ نے دریافت کیا کہ فضل حق تم جو پیسے اکھٹے کرتے ہو ان کا کیا کرو گے؟ بولا میں آپا جان کی طرح بینک میں امانت رکھ دوں گا اور اس کے منافع سے اپنی کاغذ قلم سیاہی کا خرچ نکالوں گا۔ یہ جواب میرے لئے بلکہ قوم کیلئے نہایت مسرت کا باعث ہے خدا وند کریم تمام مسلمان بچوں کو اس طرح کا شوق پیدا کرے احساس قومی اور طویل زندگی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

تجارت کا گھن

متعدد مضامین میں دکھایا گیا ہے کہ مسلمان تاجر دیگر اقوام کے لوگوں کا روپیہ استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے اصلی نفع سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ گویا مسلمانوں کی تجارت میں ایک قسم کا گھن لگا ہوا ہے جس کی تصدیق ہمارے ایک مخدوم مولوی نصیر الدین احمد صاحب کے ایک والا نامہ سے ہوتی ہے۔ موصوف کلکتہ سے تحریر فرماتے ہیں:-

"میں روزانہ لال پگڑی والا مارواڑی جس کو ہر روز قریب قریب ان کی دوکانوں پر عین دوکان بند ہونے کے وقت بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ بجائے ان کے کوئی ترکی ٹوپی والا مہاجن دیکھوں۔ ہر گدی کے اوپر سے اس قضائے مبرم کا بہ یک وقت ہٹا دینا جب ہی ممکن ہے کہ کوئی مسلمان صراف پیدا ہو جائے جو صبح کو روپیہ دے اور شام کو لیلے۔"

بار برداری کے اونٹ اور مسلمان

میں ایک روز سڑک پر چلا جا رہا تھا کہ ایک میدان میں میں نے بہت سے اونٹ دیکھے۔ اونٹوں کے پاس بڑے بڑے لکڑی کے صندوق۔ غلہ کے بورے اور چھوٹے بڑے خیمے، غرض کہ مختلف قسم کا سامان تجارت اور آسایش پھیلا پڑا تھا۔ کچھ اونٹ تو لد لدا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ کچھ لدتے جاتے اور بلبلاتے جاتے تھے۔ کچھ اپنا بوجھ دیکھ کر شور کر رہے تھے اور کچھ زمین پر چاروں ٹانگیں پھیلائے پڑے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آنے والی مصیبت سے کس قدر خائف ہیں۔

ان اونٹوں کی بے بسی دیکھ کر اور ملک عرب سے اونٹوں کی مناسبت کا خیال کر کے بے اختیار مسلمانوں کی محنت و مشقت اور ان کی مفلسانہ زندگی کا سماں میری آنکھوں کے سامنے آگیا۔ جس طرح اونٹ زیادہ سے زیادہ بوجھ اٹھا کر اور اس کے بدلے میں محض درختوں کے پتے اور سوکھی جھاڑیاں کھا کر خوش حال بیوپاریوں اور تاجروں کی دولت میں اضافہ کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی سخت سے سخت مشقت اور غربت کی زندگی بسر کر کے سرمایہ داروں کے گھروں کو دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔

یہ کس طرح ہوتا ہے؟ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ ایک جولاہہ کسی مہاجن سے سوت ادھار لاتا ہے جو بازار کے عام نرخ سے گراں ہوتا ہے۔ تمام دن خود اور بیوی بچوں کو لگا کر جو کپڑا تیار کرتا ہے وہ اپنے قرض خواہ کے پاس لے جاتا ہے جو اس تھان کو رکھ کر جو دام چاہے لگاتا ہے اور جولاہے کو کھانے کے لئے کچھ دام دے کے رخصت کر دیتا ہے جس طرح جولاہہ مدت العمر اپنے مہاجن کے چنگل میں پھنسا رہتا ہے۔ اسی طرح تمام مسلمان کاریگر خواہ کشمیر میں شال دوشالے بناتے ہوں یا ڈھاکہ میں باریک ململ بنتے ہوں، دہلی میں زردوزی کا کام کرتے ہوں یا بنارس میں ریشمین کپڑے تیار کرتے ہوں، سرمایہ داروں کے غلام ہیں اور انھیں اونٹوں کی مانند ہیں جو تاجروں کے مال کی بار برداری کر کے ان کی دولت و ثروت بڑھاتے ہیں اور خود نیم کے کڑوے پتوں پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ کوئٹہ میں جہاں انگور، سردہ اور لذیذ ترین میوہ جات پیدا ہوتے ہیں۔ وہاں سے لاکھوں من میوہ ہزاروں من برف میں محفوظ ہو کر پارسل ٹرینوں میں ریگستان کی گرد اور گرمی کو بے کھٹکے طے کرتا ہوا تمام بڑے شہروں ملک کے دوسرے کنارے تک اس کثرت سے پہونچتا ہے کہ سبزی منڈی میں ہر طرف انگور اور میوہ ہی نظر آتا ہے۔ مگر حیرت انگیز امر یہ ہے کہ خود کوئٹہ کے غریب مسلمانوں کو میوہ جات کی پارسلیں ڈھونے میں اتنا ہی ملتا ہے کہ وہ روکھی سوکھی روٹی اور سڑے گلے پھلوں سے شکم پری کر لیں اور اتنا نہیں ملتا کہ اپنے ملک

سکیں اور تازہ میوہ جات سے بہرہ اندوز ہوسکیں۔

نہ صرف مسلمان مزدوروں اور کاریگروں اور کسانوں کا یہ حال ہے بلکہ بڑے بڑے زمیندار اور تاجر اپنی کمائی کا بڑا حصہ سرمایہ داروں کو نذر کرنے پر مجبور ہیں اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ مسلمانوں کی تمام قوم مثل زرخرید غلاموں کے سخت ترین زندگی بسر کر رہی ہے۔ اس حالت سے نکلنے کا علاج بجز اس کے نہیں ہے کہ مسلمان روپیہ کا کاروبار کریں، انجمن ہائے امداد باہمی اور بینک قائم کریں اور روپیہ کو بچانا اور بڑھانا سیکھیں۔

طفیل احمد

از مسلم گزٹ و ولایت منزل

نرخ نامہ اشتہارات سودمند

	ایک ماہ	۳ ماہ	۶ ماہ	ایک سال	کیفیت
ایک صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	چوتھائی صفحہ سے کم کی اجرت فی سطر ۲ آنہ
نصف صفحہ	للعہ/	[illegible]	[illegible]	للعہ	
چہارم صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	

ہندوستان میں اپنی شان کا پہلا اخبار!

کوکب ہند

کوکب ہند: اپنے مخصوص مبحث میں ایک اخلاقی جدت رکھتا ہے (آگرہ اخبار آگرہ)

کوکب ہند: ان دلچسپ مضامین سے دنیائے اردو کو آشنا کر رہا ہے جو ہندوستان میں مخفو تھے (دربار آگرہ)

کوکب ہند: کے دلچسپ مضامین میں عام دلچسپی کا سامان مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں (ذوالقرنین بدایوں)

کوکب ہند: بڑی متانت اور سنجیدگی سے ایڈٹ کیا جاتا ہے۔ علمی اور مذہبی مضامین بھی ہوتے ہیں (غازی محمود دھرمپال کی)

کوکب ہند: تمام بنی نوع میں اتحاد و محبت کا واحد پرچار اپنی قسم کا ایک ہی اخبار ہے (مہرلد آف دی ایسٹ)

کوکب ہند: کے اچھوتے مضامین قابل دید اور معلومات سے مملو ہوتے ہیں (نیر اعظم)

کوکب ہند: کے انکشافات وہی ہستیاں ہیں جو پہلے قادیان میں ممتاز تھیں۔ جو لیسے ہیں خوب ہی کی ہوتی ہے (تاجدار اسلام امرتسر)

کوکب ہند: اور اس کی جماعت یہ راز کھولنا چاہتی ہے کہ جناب مرزا صاحب قادیانی کے نئے مذہب کا تمام سرمایہ بائیبل ریتے کو مقابلہ پر تیار کیا ہے اگر کوکب ہند کی مہم استقلال سے کام کرتی رہی تو اہل قادیان کی دھجیاں بکھر جائنگی (حضرت خواجہ حسن نظامی دہلی)

الغرض کوکب ہند مصر جدید کا ایک ہمعصر ہے۔ شائقین کو ضرور اس سے فائدہ اور مسرت اٹھانا چاہئے۔ سالانہ قیمت چار روپیہ ششماہی ڈھائی روپیہ جو بذریعہ منی آرڈر آنا بہتر ہے نمونہ مفت۔ خاص پرچے مستقل کتابی شکل میں (قادیان نمبر (۲) میلاد نمبر) چار چار آنہ کے ٹکٹ بھیج کر منگا لیجئے۔ (منیجر کوکب ہند آگرہ)

طالب علموں کو مژدہ

(منظور کردہ سررشتہ تعلیم صوبہائے بنگال و بمبئی)

عالیجناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب ایم اے پی ایچ ڈی۔ ڈی ایس سی سی آئی ای پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	عالی جناب آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم بی اے ایل ایل بی وکیل ہائی کورٹ میرٹھ

ہندوستان کے جس قدر اخبارات و رسائل و دیگر ماہران تعلیم نے بالاتفاق تسلیم کر لیا ہے کہ **پریکٹیکل ٹرانسلیشن** (عملی ترجمہ) سے بہتر آج تک بلا امداد استاد کے انگریزی سکھانے والی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی مبلغ ایک ہزار روپیہ نقد انعام اس شخص کو دیا جائیگا جو صرف یہ ثابت کر دے کہ طلباء و دیگر شائقین انگریزی دانی کو اس سے بہتر کوئی کتاب بھی ملک میں موجود ہے قیمت حصہ اول ۱۲ حصہ دوم ۱۲ حصہ سوم ۱۲ [illegible]

اخبار تعلیم لاہور، پیسہ اخبار لاہور، وطن لاہور، وکیل امرتسر، محبوب دکن مدراس، عثمانیہ گزٹ حیدرآباد، نیر اعظم مرادآباد، ذوالقرنین بدایوں، آگرہ اخبار آگرہ، انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ۔ اس کے علاوہ اور بہت کی سند [illegible]

مشرق گورکھپور، آرمی نیوز لودھیانہ، سول اینڈ ملٹری گزٹ، تیسرا کالج میگزین لکھنؤ، الناظر لکھنؤ، مخزن لاہور، نقاد آگرہ، افادہ، احمد لکھنؤ، اولڈ بوائے علی گڑھ

اگر پسند نہ ہو پوری قیمت واپس [illegible]

المشتہر ملک اسرار محمد رضی بی اے (علیگ) سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ

ایک ضروری اطلاع

شہر لاہور سے عورتوں اور لڑکیوں کے لئے ایک ماہوار رسالہ ''**خاتون**'' زیر ارادت جناب شیخ محمد انعام الحق صاحب ہوشیارپوری عنقریب جاری ہونے والا ہے جس کا پہلا پرچہ ۱۵ نومبر ۱۹۲۵ء کو شائع ہوگا۔

المشتہر

منیجر رسالہ خاتون - لاہور

طب جدید دیسی

اور

پسندروزہ رسالہ تبصرۃ الاطبا

معشرِ ناظرین ۔ نہایت سخت ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ کی نظر خادم الملت شاہدرہ ۔ لاہور اور اس کے بانی عالیجناب حکیم عبدالرحیم خان صاحب (استاذ الاطبا) موجد طب جدید دیسی کے علمی اور فنی خدمات کارنامہ اور تکمیل و تجدید طب میں اُن کی مساعی جمیلہ سے کماحقہ آگاہ ہو کہ نہ صرف ایک ممتاز و لائق معالج ہیں جنہوں نے اپنے معصوں کے مقابلہ میں تفوق و برتری حاصل کی بلکہ حقیقی معنوں میں ہندوستان کی تمام طبی ضرورتوں کے کفیل اور ضامن تسلیم ہو۔

اور یہ اسی طرح سے ہو سکتا ہے کہ آپ فوراً پندرہ روزہ طبی رسالہ تبصرۃ الاطبا اپنے نام پر جاری کرائیں۔ جس کی سالانہ قیمت عوام سے تین روپیہ ہے اور خواص پانچ پانچ روپیہ سالانہ بخوشی ادا کرتے ہیں۔

لیکن وہ جناب جو اس رسالہ کی معنوی خوبیوں سے تا حال واقف نہیں ہیں۔ شاید اس کی قیمت زیادہ تصور فرماویں اس لئے ہم عام اعلان کرتے ہیں۔ کہ جو صاحبان صرف ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں گے اُن کو چھ ماہ تک بارہ رسالے دیئے جائیں گے تاکہ پورے طور پر وہ تبصرہ کی حقیقت سے آگاہ ہو جائیں اس کے بعد ان کو اختیار ہے۔ خواہ پوری قیمت پر اس کی خریداری منظور فرمائیں یا غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیں۔

المعلن خاکسار مولوی حکیم عبدالرحیم خان وزیری نائب مدیر تبصرۃ الاطبا

شاہدرہ ۔ لاہور

کشمیر کے حالات واقعات اور اس کے دلچسپ فرح بخش مناظر سے بہرہ اندوز ہونے کی آرزو ہو تو

ہفتہ وار

کشمیر امرتسر

ملاحظہ فرمائیے

جو ہر انگریزی مہینہ کی ۷۔۱۴۔۲۱۔۲۸ کو نہایت مشہور و معروف شہر امرتسر سے شائع ہوتا ہے جس میں کشمیر کے حالات اور کشمیری قوم کی اصلاح و فلاح کے مسائل پر گفتگو کرنے کے علاوہ اسلامی ہند اور دنیائے اسلام کے معاملات موجود وقت پر تنقید و نظر اور سیاست حاضرہ پر نہایت معقولیت و متانت کے ساتھ آزادانہ بحث و تمحیص کی جاتی ہے۔

کشمیر ۔ اپنی عدیم النظیر خوبیوں کی بدولت نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک میں بھی بکثرت جاتا ہے ۔ اگر آپ کو کسی بہترین و وسیع الاشاعت اخبار کی ضرورت ہو تو ہمیشہ اس کا ملاحظہ فرمائیے "کشمیر" میں تجارت پیشہ اصحاب کے لئے اشتہار دینا بہت مفید ہے کیونکہ یہ قابل قدر اخبار اپنی ہر دلعزیزی اور کثیر اشاعت کی بدولت مختلف ممالک کے ہر طبقہ کے لوگوں کے ہاتھوں میں جاتا ہے۔

قیمت سالانہ عوام سے للعہ ششماہی ہے

ملنے کا پتہ منیجر اخبار کشمیر ۔ امرتسر (پنجاب)

بلاغ امرتسر

قرآن پاک کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کا واحد ارگن ہے جو مارچ سنہ ۱۹۲۴ء سے باقاعدہ شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ تین روپیہ (عہ) نمونہ کا پرچہ ۳؍

المشتہر منیجر رسالہ بلاغ امرتسر

سمن بنام مدعا علیہ بنابر حاضریِ اصالتاً بغرض قرار داد امور تنقیح طلب

(آرڈر ۵ - قاعدہ ۳)

بعدالت جناب تحصیلدار صاحب بہادر نینی تال

مقدمہ نمبر ۲۲۴ بابت ۱۹۲۵ء

مدعی عبدالواحد دوکان دار نینی تال بڑا بازار

بنام

(۱) ایس الہ دین اینڈ سنس مدار دروازہ علی گڑھ

(۲) سورج پرشاد ماتھر ماتھر مدار درس علی گڑھ

ہرگاہ کہ مدعی نے تمہارے نام ایک نالش بابت ۲۰ ؎ کی دائر کی ہے لہٰذا تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم تاریخ ۳۰ نومبر ۱۹۲۵ء وقت دس بجے دن عدالت ہٰذا میں اصالتاً حاضر ہو اور جوابدہی دعوے کی کرو اور تم کو لازم ہے کہ اسی روز جملہ دستاویزات پیش کرو جس پر تم بتائید اپنے جوابدہی کے استدلال کرنا چاہتے ہو۔

تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اگر بروز مذکور تم حاضر نہ ہوگے تو مقدمہ بہ غیر حاضری تمہارے مسموع اور فیصل ہوگا۔

بہ ثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے آج بتاریخ ۱۰ نومبر ۱۹۲۵ء جاری کیا گیا۔

دستخط تحصیلدار صاحب نینی تال

اطلاع

(۱) اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تمہارے گواہ اپنی مرضی سے حاضر نہ ہوں تو تم عدالت ہٰذا سے سمن بایں مراد جاری کرا سکتے ہو کہ جو گواہ نہ حاضر ہو وہ جبراً حاضر کرایا جاوے اور جس دستاویز کو کسی گواہ سے پیش کرانے کا تم استحقاق رکھتے ہو وہ اس سے پیش کرائی جاوے بشرطیکہ تم خرچہ ضروری عدالت میں داخل کرکے اس امر کی درخواست گزرانو (۲) اگر تم مطالبہ مدعی کو تسلیم کرتے ہو تو تم کو لازم ہے کہ روپیہ مع خرچہ نالش عدالت میں داخل کرو تاکہ کارروائی اجرائے ڈگری کی جو تمہاری ذات یا مال یا دو صورت دونوں پر ہو کرنا نہ پڑے۔